امتل عزیز شہزاد

ڈھلتی شام کا سے تھا۔ شہر کے ایک مشہور اور مہنگے شاپنگ سینٹر میں خلق خدا کی تعداد دیکھ کر لگتا ہی نہیں تھا کہ اس غریب ملک میں کوئی ٹینشن بھی ہے۔ مگر بخ بستہ شاپنگ سینٹر کی جگمگاتی دکانوں اور لشکتے درو دیوار سے باہر روڈ پر سے گزرتے عوام کے چہرے بہت سی ان کہی داستانیں سنا رہے تھے۔ بائیک والے، سائیکل والے، چھوٹی گاڑی، بڑی گاڑی، ویگنیں ہیں۔

لگتا تھا کہ سارا شہر اسی ایک روڈ پر جمع ہو گیا ہے۔

ایک ڈھلتی عمر کی پریشان مگر صبیح چہرے والی عورت بادامی چادر کی بکل مارے شاپنگ سینٹر کے مقابل روڈ پر کافی دیر سے غالباً "سڑک پار کرنے کی منتظر تھی۔ مگر ٹریفک کا ریلا لمحہ بھر کو بھی نہ تھما تھا۔ پیڈیسٹرن برج کافی دور تھا اور وہ عورت جانتی تھی کہ اسے اپنی لنگڑاتی ٹانگ کو گھسیٹ کر وہاں تک لے جانا، جان جوکھوں کا کام ہو گا اسی لیے وہ بچاری ناچار یہیں کھڑی محو انتظار تھی کہ کب موقع ملے اور وہ سڑک پار کر لے۔ اس نے اک بے زار سی نگاہ شاپنگ سینٹر کے سیدھے ہاتھ پر کھڑی خوب صورت عمارت پر ڈالی جہاں اسے کوئی کام تھا اور تب ہی اس کی نگاہ ۔ شاپنگ سینٹر کے آٹومیٹک گلاس ڈور سے باہر آتی اک نوعمر سی لڑکی پر پڑی۔ ایک لحظہ اس کی بڑی مگر جھریوں زدہ سی آنکھوں سے الجھن مترشح ہوئی۔ اس لڑکی نے اپنے دونوں

امثل عزیز شہزاد

ہاتھوں میں تھامے بہت سے شاپنگ بیگز سڑک پر کھڑی گاڑی میں ڈھیر کر دیے اور مڑ کر شاپنگ سینٹر کے دروازے کی جانب دیکھنے لگی۔ وہ غالباً" کسی کی منتظر تھی۔ تب ہی ایک ماڈرن سی پختہ عمر کی عورت اس کی جانب آتی دکھائی دی۔ عورت نے نزدیک آکر لڑکی سے کچھ کہا تھا۔ اس کے بعد دونوں مسکراتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ گئیں اور ڈرائیور تو جیسے تیار ہی تھا۔ فوراً" گاڑی پیچھے کرنے لگا۔ سڑک کے دوسری جانب کھڑی عورت جواب تک گویا بے جان سی کھڑی تھی' ایک جھٹکے سے ہوش میں آئی۔

"سنو... رکو..." وہ حلق کے بل چیخی۔ مگر اس مصروف ترین سڑک کے شور مچاتے ٹریفک کے سامنے اس کی آواز اپنی موت آپ مرگئی۔

"بات سنو میری... رکو..." اب کی بار وہ کسی ٹرانس کی سی کیفیت میں فٹ پاتھ سے سڑک پر اتر آئی تھی۔

"ٹھہرو... رکو..." وہ ایک مرتبہ پھر ہذیانی انداز میں چیخی تھی۔

بیک وقت کئی گاڑیوں کے ٹائر چرچرائے تھے۔

☆ ☆ ☆

جس وقت اجیہ اور مہ پارہ کی گاڑی "فاروقی ہاؤس" کے ماربل سے بنے پورٹیکو میں رکی۔ آسمان پر اجالا آخری سانسیں لے رہا تھا۔

"توبہ خالہ جانی! یہ شاپنگ کرنا بھی کتنا بورنگ کام ہے۔" وہ اپنے کل وقتی ملازم شریف کو آواز دے کر سامان اندر پہنچانے کا کہہ کر گھر کے اندرونی حصے کی جانب بڑھتی ہوئی گویا ہوئی۔

"شاپنگ واقعی بورنگ کام ہے' اگر کسی دوسرے کے لیے کی جائے تو۔" مہ پارہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ دونوں خوب صورت ہری گھاس سے مزین لان عبور کرکے جس وقت براؤن لکڑی کا دروازہ دھکیل کر اندر داخل ہوئیں' سامنے ہی فان کلر کے صوفے پر باوقار جمیل فاروقی بیٹھے کوئی نیوز چینل دیکھ رہے تھے۔ ان کے سامنے ٹیبل پر چائے دھری تھی۔

"السلام علیکم بابا!" اجیہ ان کے برابر میں تھکے تھکے سے انداز میں ڈھیر ہو کر بولی اور اپنے گورے ملائم خرگوش سے پیر کالی سینڈل سے آزاد کرکے صوفے ہی پر رکھ لیے۔

"وعلیکم السلام... خیر سے کر آئے آپ لوگ شاپنگ؟" انہوں نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کو دیکھا۔

"بس بھائی صاحب..." مہ پارہ بھی ان کے سامنے رکھے صوفے پر آرام دہ انداز سے براجمان ہوتے ہوئے بولیں۔

"جن کے لیے اتنی محنت کی ہے انہیں شاپنگ پسند آجائے تو سمجھیے محنت وصول ہو گئی۔"

"آجائے گی اسے بھی پسند آجائے گی' ویسے بھی اسے کیا معلوم زنانہ شاپنگ کا۔" وہ تسلی دینے والے انداز میں دھیمے سے مسکرا کر بولے۔

رہنے دیں بابا' انہیں تو جیسے اپنی شادی سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے۔ کسی بھی چیز کے متعلق رائے لو عجیب سنجیدہ سا منہ بنا کر کہتے ہیں۔ "جیسے تمہاری مرضی" صاف جتا رہے ہیں کہ تم لوگوں ہی کو میری شادی کا شوق چڑھا ہے' تو خود ہی سارے معاملات بھگتو' مجھے کیا؟" اجیہ تھوڑی خفگی سے بولی اور پاس دھرے شاپنگ بیگز جو شریف ابھی ابھی یہاں رکھ کر گیا تھا' اپنے قریب کرکے اس میں سے مہنگے بوتیکز سے خریدے گئے فیشن کے عین مطابق خوش رنگ کپڑے باہر ڈھیر کرنے لگی۔ اس کی بات پر مہ پارہ اور فاروقی صاحب کچھ نہ بولے' البتہ دونوں ہی کچھ بے چین سے ہو گئے۔ تب ہی ان کی کل وقتی ملازمہ لالی نے ان سے چائے کا پوچھنے کے لیے وہاں جھانکا۔

"واہ... واہ ماشاء اللہ چھوٹی بیگم کی شاپنگ کی ہے؟" وہ اشتیاق سے پھیلے زرق برق لباس دیکھنے لگی۔

"ہاں... چلو یہ پھیلاوا سمیٹو یہاں سے اور ذرا اسٹرونگ سی چائے بنا کر لاؤ۔" مہ پارہ نے نپے تلے لہجے میں کہا۔

"اچھاجی..." اس نے اپنے اشتیاق پر قابو پایا اور کپڑے و دیگر اشیا سمیٹ کر سامنے سے اوپر جاتی سیڑھیوں پر چلتی چلی گئی۔ اس کا رخ سائر فاروقی کے کمرے کی جانب تھا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں بابا" اجیہ نے سلسلہ کلام وہیں سے جوڑا "اگلی بار اگر بھائی جان نے اپنی شادی کے کسی بھی معاملے میں بے دلی دکھائی تو میں ان کی شادی کا بائیکاٹ کردوں گی۔" وہ دھمکی آمیز لہجے میں بولی۔

"ریلیکس اجیہ بیٹا... سنجیدہ مزاج لڑکا ہے' اس لیے اس طرح کرتا ہے' ورنہ تو شادی ہرگز ایسا معاملہ نہیں ہے جس کو اتنا لائٹ لیا جائے۔" مہ پارہ بولیں۔ ان کا لہجہ ہلکا پھلکا تھا۔

"پتا نہیں سنجیدہ ہے یا کیا پرابلم ہے۔ پچھلے سنڈے میں نے اپنی فرینڈز کو ہلہ گلہ کرنے کی غرض سے گھر پر انوائیٹ کیا۔ ابھی ہم نے ڈھولک رکھی ہی تھی کہ وہ آدھمکے اور لگے مجھے ڈانٹنے۔ ذرا بھی خوشی نہیں ہے انہیں اور نہ ہی وہ کسی اور کو خوشی منانے دینا چاہتے ہیں۔ یہ تو آپ آئی ہیں تو ذرا گھر میں شادی والا ماحول لگ رہا ہے' ورنہ تو لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ کوئی شادی کا گھر ہے۔"

"اچھا بیٹا! تم شاور لے کر فریش ہوجاؤ' پھر ڈنر کا ٹائم ہوجائے گا۔" فاروقی صاحب نے جیسے اسے ٹالا تھا۔ وہ سر ہلا کر اپنے کمرے کی جانب چل دی۔ "بھائی صاحب... کیا آپ سائر کی شادی زور زبردستی سے کررہے ہیں اپنے دوست کی بیٹی کے ساتھ؟ آپ نے پوچھ تو لیا تھا نا' کہیں وہ کسی اور کو پسند تو نہیں کرتا؟" اجیہ کے جانے کے بعد وہ ان سے تشویش ناک لہجے میں استفسار کرنے لگیں۔

"مہ پارہ تم آخری بار کب پاکستان آئی تھیں؟ غالباً" نو سال قبل اس وقت سائر انٹر کا طالب علم تھا۔ تب سے اب تک اس کی شخصیت میں کئی واضح تبدیلیاں آچکی ہیں اور میں خود حیران ہوں کہ اسے کیا ہوگیا ہے۔" وہ اضطرابی انداز میں ٹی وی کی آواز بند کرکے اپنے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگے۔

"آپ سے فرینک ہے وہ؟"

"ہاں بالکل ہے' ہر بات آسانی سے وہ مجھ سے شیئر کرلیتا ہے۔" وہ تیقن بھرے لہجے میں بولے۔

"تب تو پھر اس نے شادی سے بدکنے کی وجہ بتائی ہوگی آپ کو؟" وہ بھی پر یقین' مگر سوالیہ لہجے میں بولیں۔

"وجہ اس نے بتائی تو نہیں' مگر میں جانتا ہوں۔" یک لخت ان کے لہجے میں جھنکار سی سنائی دینے لگی۔ مہ پارہ انہیں دیکھ کر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

یہ ایک اندرون کراچی کا پرانا علاقہ تھا۔ یہاں بنے

زیادہ تر مکانات پرانے اور مکین جو کبھی مڈل کلاس رہے ہوں گے۔ اب کئی سالوں سے اپنی کلاس کی کھوج میں تھے۔ یہاں بنے فلیٹس کی عمارتیں اتنی خستہ حال تھیں کہ اندیشہ تھا کہ کسی بھی وقت زمین بوس ہو جائیں گی، مگر ستم رسیدہ اور مجبور لوگ یہاں پر بسے رہنے پر مجبور تھے۔ انہیں پرانے بوسیدہ اور میلے کچیلے سے فلیٹس میں سے ایک فلیٹ کا رنگ اڑا دروازہ وہ کھول رہی تھی۔ جس دم وہ دروازہ کھول کر اس نیم تاریک سیلن زدہ ایک مختصر سے صحن اور ایک کمرے پر مشتمل اس فلیٹ میں داخل ہوئی اس کی طبیعت عجیب طرح سے بوجھل ہوئی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر کمرے کی واحد کھڑکی جو پیچھے گندی گلی میں کھلتی تھی کھول دی۔ بدبو کے ایک ثقیل جھونکے نے اس کا دماغ بھنا دیا۔ وہ پلٹ کر ایک سلیب پر مشتمل کچن میں آئی۔ کالی بدرنگی پتیلی کا ڈھکن اٹھا کر جھانکا آلو کی ترکاری پیندے سے لگی تھی۔ وہیں کھڑے کھڑے لال رنگ کے ٹوٹے ہوئے ہاٹ پاٹ سے اس نے صبح کی بچی روٹی نکالی اور زہر مار کرنے لگی۔ وہ موجود تو بے شک یہاں تھی، مگر کل شام سے اس کا ذہن کہیں اور تھا۔ روٹی کھا کر اور پرانے ہرے رنگ کے فریج سے جس کی ٹھنڈک کب کی عنقا ہو چکی تھی پانی کی بوتل نکالی اور یوں ہی ہونٹوں سے لگالی۔ مگر جو آگ اس کے سینے میں دہک رہی تھی وہ اس پانی سے کبھی نہیں بجھ سکتی تھی۔ اسی لیے بھنا کر اس نے بوتل سامنے دیوار پر دے ماری اور اپنا گھومتا سر پکڑ کر بیٹھتی چلی گئی۔

"کہاں سے ڈھونڈوں تمہارا پتا کہاں سے۔" وہ ہذیانی انداز سے چیخی۔ پھر یک بیک ہی اس کے بے بس وجود میں جیسے بجلی سی دوڑ گئی۔ وہ تیزی سے اٹھی اور لوہے کی الماری کھول کر اس نے جیسے ساری ہی اشیا باہر ڈھیر کر دیں۔ وہ دیوانوں کی طرح ڈھیر میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ پھر اس نے جھنجلا کر وہ سب وہیں پٹخا اور الماری کے لاکر جس میں پتا نہیں کون کون سے کاغذ موجود تھے انہیں باہر نکالنے لگی۔ ڈائریاں، کاپیاں جن میں نہ جانے کون کون سا حساب کتاب درج تھا وہ اٹھا اٹھا کر دیوانوں کی طرح پھینکنے لگی۔ تب ہی اس کا پیر ایک سیاہ جلد والی پرانی ڈائری سے ٹکرایا۔ اس نے بے دلی سے اسے کھولا۔ تو ایک کاغذ اس کے ہاتھ آیا وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا نہ تھا۔ اسے گویا زندگی کا پروانہ مل گیا تھا۔ کچھ دیر قبل مضمحل سی بے بسی سے سسکتی "گل ناز بانو" اب ہذیانی انداز سے قہقہے لگا رہی تھی۔ بلند آہنگ... خوف ناک قہقہے۔

☆ ☆ ☆

ابراہیم خان آج سے بائیس تئیس برس قبل اپنی وفا شعار دمساز بیوی کے انتقال کے بعد بالکل نڈھال ہو کر رہ گئے تھے۔ ان دنوں وہ بریڈ فورڈ میں رہائش پذیر تھے۔ اپنی دو سالہ معصوم سی بیٹی میرب اور چار سالہ بیٹے حاشر ابراہیم کی پرورش اب وہ یہاں نہ کر سکتے تھے۔ لہٰذا ان کے مستقبل کی خاطر وطن لوٹ آئے کہ کچھ بھی ہو ان بچوں کے ننھیال ددھیال یہیں تھے۔ یہ الگ بات کہ دونوں بچے نانی دادی سے بھی محروم ہی تھے۔ پھر ایسے میں کون تھا جو نہ صرف ان کی تربیت کرتا بلکہ پیار و محبت بھی نچھاور کرتا۔ کچھ عرصہ اپنوں کے بیچ رہنے کے بعد انہیں اندازہ ہوا کہ ان میں اور غیروں میں زیادہ فرق نہ تھا۔ ان ہی دنوں جب وہ یہاں اپنا کوئی بزنس شروع کرنا چاہ رہے تھے، اسی سلسلے میں ان کی ملاقات وقار فاروقی سے ہوئی اور یہ ملاقات کب گہری دوستی میں تبدیل ہو گئی پتا بھی نہ چلا۔ یہ وقار فاروقی ہی تھے جنہوں نے ابراہیم صاحب کو الگ گھر لے کر رہنے کا مشورہ دیا اور اس سلسلے میں ان کی معاونت بھی کی اور انہیں اپنے ایک اچھے دوست کے پڑوس میں خالی ہونے والا بنگلہ دلوا دیا۔ بعد ازاں وقت نے یہ فیصلہ درست ثابت کر دیا کہ احمد سعید جو ابراہیم صاحب کے پڑوسی اور وقار صاحب کے دوست تھے، ان کی بیگم سعدیہ خاتون نے اپنے بچوں کے ساتھ ساتھ ان کے دونوں بچوں خصوصاً "میرب" کا اس طرح خیال رکھا کہ ابراہیم صاحب ان کے زیر بار ہی ہو گئے۔

دوسری جانب ماریہ اور میرب کی اتنی دوستی ہوئی گویا وہ سگی بہنیں ہوں۔ ماریہ اور میرب نے اپنی تعلیم بھی اکٹھا مکمل کی۔ جوں ہی ان کی تعلیم مکمل ہوئی ماریہ کی نسبت اس کے خالہ زاد احمد عباس' جو کہ پیٹرولیم انجینیر تھا کے ساتھ طے کردی گئی۔ وقار بھی جیسے میرب کی تعلیم مکمل ہونے کے منتظر تھے۔ وہ بھی اپنے ہونہار خوبرو' سنجیدہ و متین اعلی تعلیم یافتہ برخوردار سائر فاروقی کا رشتہ میرب کے لیے دے آئے۔ بظاہر تو اس رشتے سے انکار کا کوئی جواز نہیں تھا' اس لیے ابراہیم نے سعدیہ بیگم کے توسط سے میرب کا عندیہ لیا۔ سعدیہ' میرب کو کہیں نہ جانے دیتیں اگر جو سعد مان جاتا۔ سعد اپنی کسی کلاس فیلو میں انٹرسٹڈ تھا۔ میرب نے سائر کو دیکھا تھا' وہ ایک سنجیدہ کم گو اور اپنے آپ میں مگن رہنے والا انسان لگا تھا اسے۔ ابراہیم اور وقار کی دوستی کے باوجود ان کے بچوں کے درمیان دوستی تو در کنار بے تکلفی بھی نہیں تھی۔

بہرکیف۔۔۔ میرب کا کوئی خاص آئیڈیل نہ تھا۔ سو اس نے اچھی مشرقی لڑکیوں کی طرح بڑوں کے فیصلے کے آگے سر جھکا دیا۔

☆ ☆ ☆

"لالی نے کہہ کر گیسٹ رومز کی صفائی ستھرائی خود اپنی نگرانی میں اچھی طرح کروادی ہے۔ وقار بھائی بتا رہے تھے کل دوپہر کو پہنچیں گی تمہاری پھوپھیاں یہاں۔ میں چاہ رہی ہوں کہ مہمانوں کی آمد سے قبل ہی تمام ضروری کام نپٹ جائیں۔ ذرا دلہن کے سامان کی لسٹ لاؤ۔ دیکھوں تو' مبادا کچھ نہ رہ گیا ہو۔" مہ پارہ بڑی مصروفیت آمیز لہجے میں کہتی اجیہ کے کمرے میں داخل ہوئیں۔ اجیہ جو اپنے بیڈ پر نیم دراز ٹی وی دیکھنے میں منہمک تھی ان کی بات سن کر اور رائٹنگ ٹیبل کی دراز میں سے طے شدہ پرچا نکال کر انہیں تھمادیا۔

"ہوں۔۔۔" مہ پارہ نے آرام دہ انداز سے کاؤچ پر بیٹھ کر پرچا تھام کر اسے کھولتے ہوئے پرسوچ ہنکارا بھرا۔

اکیس بھاری جوڑے' برائیڈلز' اس کے لوازمات' دلہن کے زیورات اور سونے کے کنگن' انہوں نے نگاہ اٹھا کر سنہری خوب صورت ڈبوں میں پیکٹ شدہ سامان جو احتیاط کے پیش نظر اجیہ کے کمرے میں رکھا ہوا تھا' کو دیکھا۔

"کنگن کہاں ہیں؟" وہ پریشانی سے پوچھنے لگیں۔

"ان کی شاید پالش باقی رہ گئی تھی۔ سنار نے آج شام تک دینے کا کہا ہے۔ بھائی جان لیتے آئیں گے۔" اجیہ نے بتایا۔

"بیٹا ایسا کرو تم ذرا فون کرکے اسے یاد دہانی کروادو' عجیب بھلکڑ لڑکا ہے' کہیں بھول ہی نہ جائے کل تو بری پہنچانی ہے ان لوگوں کو۔" وہ فکر مندی سے بولیں تو اجیہ کو بے ساختہ ان پر پیار سا آگیا۔

"خالہ جانی۔۔۔" اس نے بڑے پیار سے انہیں مخاطب کیا اور ان کے نزدیک بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ملیوی۔۔۔ آپ نے جس احسن طریقے سے اس شادی کا انتظام سنبھالا ہے میں تو مر کر بھی اتنی بہترین مینجمنٹ نہیں کرسکتی تھی۔"

"بے وقوف کہیں کی۔" انہوں نے اس کے انداز پر نہال ہو کر اسے پیار سے چپت لگاتے ہوئے کہا۔

"میں تو بس اپنی سی کوشش کررہی ہوں کہ تم لوگوں کو کہیں کوئی کمی محسوس نہ ہو۔"

"مگر خالہ۔۔۔!" یک لخت اجیہ کا مسکراتا چہرہ ماند پڑ گیا۔

"سب کچھ ہوتے ہوئے بھی زندگی میں کہیں کوئی کمی سی لگتی ہے۔" اس کے دل سے ہوک نکلی' مہ پارہ بھی افسردگی سے بولیں۔

"سچ تو یہ ہے کہ ماں کی کمی کو کوئی پورا نہیں کرسکتا۔" انہوں نے بے دلی سے سامان پرے کیا۔

"کبھی کبھی میں سوچتی ہوں تو مجھے ان لوگوں کی خوش قسمتی پر رشک آنے لگتا ہے' جن لوگوں نے امی کو دیکھ رکھا تھا۔ مجھے تو ان کے دھندلے سے نقوش بھی یاد نہیں۔ سالوں پہلے ان کی تصویر دیکھی تھی کہیں۔ اب تو وہ بھی پتا نہیں کہاں گئی۔" وہ نم آواز

میں بولی۔
"ہاں میری جان۔۔۔" مہ پارہ گہری یاسیت سے بولیں۔ "تم دو ماہ کی تھیں جب۔"
"وہ تم لوگوں کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے چلی گئی اور جن کو جانا ہو انہیں کون روک سکا ہے۔"
"وہ کیسی دکھتی تھیں۔ بالکل میری طرح؟" اس نے پرشوق لہجے میں چمکتی آنکھوں سے پوچھا۔
"اوں ہوں۔۔۔" مہ پارہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں بولیں۔ "تم اس سے مشابہہ ضرور ہو مگر وہ تم سے کئی گنا زیادہ حسین تھی۔ بالکل کانچ سے بنی مورت۔"
"مائے گاڈ۔۔۔!" اجیہ رشک سے بولی۔ "پھر تو کیا لگتی ہوں گی وہ بس مس ورلڈ یا مس یونیورس؟" مہ پارہ ہنس پڑیں۔
"یہ مس ورلڈ اور یونیورس تو بس ایویں سی ہوتی ہیں' وہ خالص نکھری روشن نگاہوں کو خیرہ کر دینے والے ماورائی حسن کی مالک تھی۔"
"تب ہی نانی نے اتنی چھوٹی عمر میں ان کی شادی کر دی ہو گی۔ پھپھو بتا رہی تھیں کہ امی بابا سے کافی چھوٹی تھیں۔"
"ہاں۔۔۔" مہ پارہ غیر مرئی نقطے پر نگاہ جمائے بولیں۔ "اس کے تو اتنے رشتے آتے تھے کہ بی جان تو سمجھو بولائی بولائی سی رہتیں کہ کسے ہاں کریں اور کسے نا۔"
"واؤ۔۔۔" اس نے آنکھیں حیرانی و خوشی کی ملی جلی کیفیت میں پھیلائیں۔۔۔ پھر یک دم گہرے ملال میں ڈوب گئی۔
"کاش میں انہیں دیکھ پاتی۔ میں نے قدم قدم پر ان کی ضرورت محسوس کی ہے۔ میں انہیں بہت مس کرتی ہوں خالہ۔۔۔ میں ان کے متعلق ڈھیر ساری باتیں کرنا چاہتی ہوں مگر پتا نہیں مجھے کیوں لگتا ہے کہ بابا' امی کا ذکر آنے پر کچھ چپ سے ہو جاتے ہیں اور سائر بھائی تو ہیں ہی اتنے ریزرو سے ان سے بے تکلفی سے بات کی ہی نہیں جا سکتی ورنہ میں ان سے ان کے بچپن کی۔۔۔ امی کے ساتھ گزارے لمحات کی بابت ضرور پوچھتی۔ مگر خالہ جانی۔۔۔ مجھے حیرت تو اس بات پر ہوتی ہے کہ میں نے کبھی انہیں امی کو یاد کرتے نہیں دیکھا' بلکہ نہ انہیں' نہ بابا کو۔۔۔"
"ہوتے ہیں کچھ لوگ ایسے بھی' بظاہر خاموش مگر دل کے تہ خانے میں محبت کا جہاں بسائے ہوئے۔ شاید وقار بھائی اور سائر کا شمار ان ہی لوگوں میں ہوتا ہے۔" مہ پارہ نے کہا۔
"شاید آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" اجیہ نے کہا۔
یاد ان کو کیا جاتا ہے بیٹا جن کو انسان بھولا ہو مگر یہ تم نہیں سمجھو گی بیٹے۔ مہ پارہ سوچ رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

میرب کی رسم مایوں ادا کر دی گئی تھی۔ بات بات پر اس کا دل بھر آ رہا تھا۔ کبھی اپنی والدہ کی یاد' اس کی آنکھیں نم کر دیتی' کبھی اپنے پیاروں سے جدائی کا دکھ۔۔۔
"اچھا اب بس بھی کرو میرو اور کتنا روؤ گی۔" ماریہ کی اپنی حالت اس سے مختلف نہیں تھی مگر وہ خود پر قابو پا کر اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو پونچھنے لگی۔
"ماریہ۔۔۔ تم نے زندگی کے ہر موڑ پر میری رہنمائی اور حوصلہ افزائی کی ہے۔ کبھی کسی موقع پر تنہا نہیں چھوڑا۔ بہت پیاری اور اچھی دوست ہو تم' مجھے فخر ہے تم پر۔۔۔" وہ بھیگے ہوئے تشکر آمیز لہجے میں بولی۔
"چلو شکر ہے' تم نے میری قدر تو جانی۔۔۔ ورنہ یہاں تو جسے دیکھو میری برائی پر کمربستہ ہے۔" وہ کورنش بجا لانے کے بعد۔۔۔ بھنائے ہوئے لہجے میں بولی۔ میرب کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
رب رحیم' یہ بے ریا شفاف موتیوں سی ہنسی یوں ہی سدا سلامت رہے۔ ماریہ نے اسے دیکھتے ہوئے دل سے دعا دی۔ مگر کچھ دعائیں اتنی آسانی سے مقبول نہیں ہوتیں۔

☼ ☼ ☼

یہ ایک پوش علاقے میں واقع شان دار گھر تھا۔ اس

ایڈریس پر پہنچنے میں گل کو خاصی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ بس اسٹاپ خاصا دور ہونے کی وجہ سے اسے اس بھری دوپہر میں ٹھیک ٹھاک پیدل چلنا پڑا تھا۔ اس گھر کے گیٹ تک پہنچتے پہنچتے وہ سر سے پیر تک پسینے میں شرابور ہو چکی تھی۔ لنگڑاتی ہوئی ٹانگ گویا درد سے چور ہو چکی تھی مگر نہ جانے کون سا جذبہ تھا جو وہ یوں بنا کچھ سوچے سمجھے یہاں تک چلی آئی تھی۔ اس نے کندھے پر لٹکائے گئے کالے رنگ کے عام سے ہینڈ بیگ سے وہ چیٹ جس پر یہاں کا پتا درج تھا' نکالی پھر سر ہلا کر آگے بیل بجانے کو بڑھی' تب ہی کہیں سے باوردی گارڈ نے منہ نکالا۔

"اے... کیا بات ہے' کس سے ملنا ہے۔" اس نے خاصی ناگواری سے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے..." اک لمحے کے لیے اس نے کچھ سوچا۔ "مجھے اس گھر کی مالکن سے ملنا ہے۔" وہ بڑے مضبوط لہجے میں بولی۔ مانگنے والوں کے لہجے ایسے نہیں ہوا کرتے۔ اسی لیے گارڈ اپنے ساتھی کو الرٹ کرتا کیبن سے نکل کر اس کی جانب آیا۔

"مالکن سے مگر کیوں؟" وہ درشت لہجے میں پوچھنے لگا۔

"کیوں کا کیا مطلب ہے؟" اس کے چتون بھی تیکھے ہوئے۔ "میں رشتے دار ہوں ان کی۔" اس کا عام سا گھسا ہوا حلیہ اور قطعی لہجہ گارڈ کو مخمصے میں ڈال گیا۔

"نام بتاؤ اپنا۔" پھر وہ جیسے کچھ سوچ کر انٹر کام سنبھال کھڑا ہوا۔

"نن... نام۔" وہ ہکلائی۔ (کہیں وہ نام سن کر ملنے ہی سے منکر نہ ہو جائے۔)

"کیوں؟ اپنا نام بھی یاد نہیں آرہا۔" گارڈ طنزیہ بولا۔

"گل... کہو گل آئی ہے۔" اسے بولنا ہی پڑا۔ (اب جو ہو' دیکھی جائے گی) وہ سوچنے لگی۔

"السلام علیکم بیگم صاحبہ! کوئی گل آئی ہے۔ اپنے آپ کو' آپ کا رشتے دار بتاتی ہے' کیا کرنا ہے' جی... جی بہتر۔" پھر وہ گل کی جانب مڑا۔

"بی بی کہہ رہی ہیں' وہ کسی گل کو نہیں جانتیں' اب کہو؟" وہ استہزائیہ انداز میں بولا۔

"خدا کے لیے مہ پارہ! صرف ایک بار مجھ سے مل لو' صرف ایک بار۔" اس نے جھپٹ کر گارڈ سے ریسیور چھینا اور گڑگڑائی۔

"مگر میں مہ پارہ نہیں ہوں۔ اوہ... اچھا ٹھہرو' گارڈ کو ریسیور دو" دوسری جانب سے کہا گیا۔

"جی... جی بہتر۔" گارڈ مشکوک نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ پھر ریسیور رکھ کر اس سے مخاطب ہوا۔

"جاؤ' اندر بی بی لان میں موجود ہوں گی۔" دوسرے گارڈ نے مین گیٹ کا الیکٹرک لاک کھول دیا۔ وہ پراعتماد قدموں سے اندر داخل ہوئی۔ بڑا ہی شان دار اور پرشکوہ گھر تھا۔ گل کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ سیدھے ہاتھ پر ہرا بھرا لان تھا۔ وہاں کین چیئر پر کوئی بیگم صاحب ٹائپ خاتون' براجمان تھیں۔ خاتون نے حیرت سے نو وارد خستہ حال خاتون کو دیکھا۔

"جی فرمایئے..." اس نے اپنے مقابل کرسی کی جانب اشارہ کر کے گویا بیٹھنے کا کہا۔ گل کا مصنوعی اعتماد اب متزلزل تھا۔

"جی مجھے مہ پارہ سے ملنا ہے' یہ اس کا گھر ہے نا؟" وہ جلدی سے بولی۔ زندگی میں ویسے ہی بہت دیر ہو چکی تھی۔

"گھر ہے نہیں تھا پہلے یہاں انہوں نے کرائے دار رکھے ہوئے تھے۔ خود تو وہ کافی برس پہلے ہی آسٹریلیا چلی گئی تھیں۔ بعد میں ان سے یہ گھر ہم نے خرید لیا' اب تو ہمیں بھی یہاں رہتے دس سال ہونے کو ہیں۔ مگر آپ کی تعریف۔" ان کی آنکھوں میں الجھن دکھائی دی۔

"جی میں ان کی دور کی رشتے دار ہوں۔ کئی برس پہلے میری شادی اندرون سندھ میں ہو گئی تھی۔ پھر کئی سال میں کراچی آ نہ سکی' اس لیے بہت سے رشتے دار چھوٹ گئے۔ بہت سوں کا تو میں پتا بھی گنوا بیٹھی

ہوں، جیسے مہ پارہ کا۔" وہ حقیقتاً" تاسف سے بولی۔ دو دن سے بدن میں در آئی توانائی زائل ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔

"جی میں سمجھ سکتی ہوں مگر ایسا ہے کہ اگر آپ مہ پارہ سے ملنا چاہتی ہیں تو میرے پاس ان کی بہن کے گھر کا ایڈریس موجود ہے۔ ان کی بہن کا تو کافی سال پہلے انتقال ہو گیا تھا' البتہ ان کے بہنوئی اور بچے اسی ایڈریس پر موجود ہیں اور آپ کے لیے اچھی خبر تو یہ ہے کہ آج کل مہ پارہ بھی پاکستان آئی ہوئی ہیں۔ دراصل مہ پارہ کے شوہر مکرم بھائی میرے رشتے کے کزن لگتے تھے۔ اسی لیے ان سے علیک سلیک تو بہر حال رہتی ہی ہے۔ شانو! اندر سے میری ایڈریس والی ڈائری اور پین لے کر آؤ۔" انہوں نے بولتے بولتے اورنج جوس پیش کرتی نوکرانی کو مخاطب کیا۔

"جوس لیجیے آپ۔" انہوں نے ہاتھ سے اشارہ کرکے کہا۔

"جی۔۔۔ جی۔" وہ جیسے ہڑبڑا کر ہوش میں آئی اور سرعت سے جوس کا نازک سا گلاس تھام کر لبوں سے لگا کر ایک ہی سانس میں خالی کرکے واپس رکھ بھی دیا۔ بیگم شاہانہ امتیاز نے بے حد تعجب سے اس کی حرکت دیکھی۔ پھر دل میں سوچا۔ بے چاری بے ناکسی گوتھ کی گنوار' پتا نہیں ایسے رشتے داروں سے میل جول رکھنا مہ پارہ بھابھی کو کیوں پسند ہے۔ شاید اس لیے کیونکہ ان کا میکہ بھی بہر حال ایک مڈل کلاس فیملی سے متعلق تھا۔

"کہاں رہ گئی آپ کی ملازمہ؟" اس کی بے چین نگاہیں وہاں گڑ کر رہ گئی تھیں۔ جس دروازے سے ملازمہ گھر کے اندرونی حصے کی جانب گئی تھی۔

"آپ اطمینان رکھیے' ابھی آجاتی ہے۔" وہ اوپری لہجے میں بولیں۔ تب ہی ملازمہ ڈائری اور پین تھامے چلی آئی۔ گل کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ ڈائری اچک کر اس میں سے گوہر مقصود برآمد کرلے۔

"جی۔۔۔" بیگم شاہانہ نے ڈائری کا مطلوبہ صفحہ کھول کر اس میں سے ایڈریس اور فون نمبر ایک چٹ پر منتقل کیا اور گل کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

"وقار فاروقی نام ہے ان کے بہنوئی کا۔ مکمل ایڈریس اور گھر کا فون نمبر میں نے آپ کی سہولت کے لیے لکھ دیا ہے۔"

"جی بہت شکریہ۔" اس نے جھپٹ کر کاغذ کا ٹکڑا تھاما اور مزید کچھ کہے بنا' پلٹ کر داخلی گیٹ کی جانب چل دی۔

گل جب ایک موہوم سی امید کے سہارے یہاں تک آئی تب اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ منزل مقصود تک یوں ڈائریکٹ رسائی ہو جائے گی۔ یقیناً" اس کے ستارے آج کل بلندی پر تھے۔ وہ گیٹ سے باہر آئی اور اپنی لنگڑاتی ہوئی ٹانگ کے ساتھ بڑی شاداں و فرحاں سی مین روڈ کی جانب بڑھنے لگی۔ گارڈ اپنے کیبن کی کھڑکی سے اس کی پشت تکنے گیا۔ اس کی نگاہوں میں اس مشتبہ عورت کے لیے ناگواری سی تھی۔ پتا نہیں یہاں کیا لینے آئی تھی۔ وہ بڑبڑایا۔ وہ جو کچھ یہاں سے لینے آئی تھی لے کر جا چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"بس بھائی جان! آپ سے ہمیشہ یہ ہی شکایت رہی زندگی کے کسی موڑ پر بھی آپ نے ہم سے نہ اپنے درد بانٹنے چاہے' نہ خوشی۔ ناز بھابھی آپ کے دیرینہ دوست کی پسند تھیں' حالانکہ ہمیں کتنا شوق تھا خود سے بھابھی پسند کرکے لانے کا' مگر خیر' وہ تو ناز بھابھی تھیں ہی اتنی من موہنی صورت کی حامل کہ بھلا کون بدنصیب انہیں رد کرتا۔ پھر ان کی زندگی میں آپ نے شاید ایک آخری مرتبہ ہی ہمیں اپنے بچوں کی خوشی میں شریک کیا ہوگا' پھر جب آپ یہاں کراچی آگئے تو ہم اس سے بھی گئے۔ میرے دل سے تو آج تک اس بات کا غم نہیں جاتا کہ آپ نے ناز بھابھی کے گزرنے کے بلکہ ان کی تدفین ہو جانے کے بعد ہمیں بتایا' بھلا ایسی غیریت کوئی اپنوں سے بھی برتتا ہے؟"

نروٹھے لہجے میں کہتیں یہ وقار صاحب کی چھوٹی بہن سائرہ تھیں جو اپنی چھوٹی بہن نعیمہ کے ساتھ کل

ہی لاہور سے یہاں تشریف لائی تھیں۔ سائرہ کے بڑے بیٹے فاران ڈاکٹر تھے اور آج کل امریکا میں ہوتے تھے۔ انہوں نے دونوں چھوٹی بیٹیاں اپنے سسرالی عزیزوں ہی میں بیاہی تھیں۔ جبکہ نعیمہ کا ایک بیٹا حدید' پنجاب یونی ورسٹی میں زیر تعلیم تھا اور چھوٹی بیٹی رمشا جوانٹر کا امتحان دے کر فارغ تھی' ان کے ساتھ ہی آئی تھی۔ سائرہ تین سال پہلے بیوہ ہوئی تھیں' سو اس لحاظ سے آج کل وہ بالکل فارغ تھیں۔ البتہ نعیمہ کے شوہر امتیاز حسین کی طبیعت ٹھیک نہ رہتی تھی' سو وہ ساتھ نہیں آئے تھے۔

یہ سب اس وقت لونگ روم میں بیٹھے لالی کے ہاتھ کی مزے دار سی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے' تب ہی وہ یہ قصہ چھیڑ بیٹھیں۔ سائر' جو پہلے ہی جبراً یہاں بٹھایا گیا تھا' نے بے چینی سے ان کی بات پر پہلو بدلا۔ مہ پارہ خاموشی سے چائے کے گھونٹ لیتی رہیں۔ اجیہ جو بے تابی سے اپنی فرینڈز کا انتظار کر رہی تھی' اس تذکرے پر کچھ بجھ سی گئی اس کے ساتھ ہی رمشا بیٹھی تھی۔ ان دونوں کے درمیان کزنز والی روایتی دوستی تو خیر مفقود تھی مگر بہرحال وہ دونوں نوعمر لڑکیاں تھیں اور شادی والے گھر میں اکٹھی تھیں' سو ان کے مابین اچھی خاصی بے تکلفی قائم ہو چکی تھی۔

"سائرہ! تمہاری یہ شکایت بے جا ہے' میں نے ہر ہر موقع پر تم دونوں بلکہ انگلینڈ بیٹھے حسن (چھوٹے بھائی) کو بھی ہمیشہ یاد رکھا ہے۔" وقار صاحب نے کچھ ناگوار سے لہجے میں کہا۔

"ہاں۔۔۔ اتنی مہربانی تو بہرحال آپ نے کی ہے' فیصلہ کرنے کے بعد تا ضرور یاد کرتے تھے اور ابھی بھی آپ نے یہ ہی کیا۔ میں نے تو وہاں اتنی اچھی لڑکی سائر کے لیے نظروں میں رکھی ہوئی تھی' مگر آپ نے تو اچانک ہی دھماکا کر دیا۔" نعیمہ بھی لب کشا ہوئیں۔ سارا دکھ اس بات کا تھا کہ رمشا کو وہ سائر کی دلہن بنانے کا سوچے ہوئے تھیں۔

"سائر میرا بیٹا ہے' میں اس کے مزاج کے سب رنگوں سے واقف ہوں اور اس کے مطابق ہی میں نے اس کی دلہن تلاش کی ہے تو کیا غلط کیا ہے؟" وہ اس مرتبہ درشت لہجے میں بولے تو دونوں جز بز سی ہو گئیں۔ پھر سائرہ نروٹھے پن سے بولیں۔

"آپ کا بیٹا ہمارا بھی تو کچھ لگتا ہے نا' یا کہہ دیں کہ نہیں لگتا؟" سائر کی عمر کے چھبیس ویں برس انہیں اس بات کا خیال آ رہا تھا۔ اب تک کی عمران دونوں نے بن ماں کے کیسے گزاری اس چیز کا انہیں شاید احساس نہیں تھا۔ انسان یقیناً" اتنی ہی خود غرض فطرت کا حامل ہے۔ فرض سے ناآشنا اپنا حق وصولنے کے لیے ہمہ وقت تیار۔

سائر کے خوب صورت نین نقش تن سے گئے۔ مگر وہ خاموش رہا' کہنا بہت کچھ چاہتا تھا' مگر وقار کی تربیت اس بات کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔ وہ دنیا کا ہر غم سہہ سکتا تھا مگر وقار کا جھکا سر دیکھ کر جو اس پر بیتی تھی' وہ جانکنی سے زیادہ تکلیف دہ اذیت تھی۔ وہ اس اذیت کا ذائقہ ایک دفعہ چکھ چکا تھا اور اس دن اس نے اپنے آپ سے عہد کیا تھا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے' وہ یہ سر پھر دوبارہ کبھی نہیں جھکنے دے گا۔

"کیوں نہیں' تم پھپھو ہو اس کی' تمہارا حق ہے اس پر۔" وقار صاحب نے متانت سے کہتے ہوئے ان کا مان بڑھایا۔

"بس تو پھر ٹھیک ہے۔" وہ یک دم بہت خوش ہو کر بولیں۔ "ناز بھابھی کی جگہ ماں کے سارے شگن میں پورے کروں گی۔ ان کی بات کی تائید میں نعیمہ بولیں۔

"ہاں' یہ ٹھیک ہے۔ تیاری وغیرہ تو ساری مہ پارہ نے کر لی تھی۔ ہم تو چاہ کر بھی اتنے دن پہلے یہاں آ ہی نہ سکے۔ بھرے پرے سسرالوں کے سو بکھیڑے۔" مہ پارہ ہلکے سے مسکرا دیں۔ چاہتی تو یہ کہہ سکتی تھیں کہ بھلے وہ اپنے شوہر اور اکلوتے بیٹے کے ساتھ آسٹریلیا میں تنہا رہتی ہیں مگر فارغ نہیں رہتیں۔ اکیلے آدمی کی ذمے داری ویسے بھی زیادہ ہوتی ہے۔

"ہمیں نیگ میں دینے کے لیے کیا خریدا ہے سائر بھائی!" شوخ و شنگ رمشا نے اسے چھیڑا۔ "آخر ہم بہنیں ہیں آپ کی۔"

"کیوں فکر کرتی ہو' آخر بھائی جان کی زندگی کا اتنا خوب صورت موقع ہے۔ کچھ نہ کچھ تو وہ ضرور دیں گے ہی' کیوں بھائی۔" اجیہ نے شرارت سے اپنے بھائی کی جانب دیکھا۔ جو اچانک ہی اٹھ کر بنا کچھ کہے ہی اس محفل سے نکلتا چلا گیا۔ سائرہ اور نعیمہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو معنی خیز اشارے کیے۔ اس ردعمل پر اجیہ کا منہ اتر گیا۔ رمشا نے محض کندھے اچکانے پر اکتفا کیا۔

"بھائی جان...!" کچھ دیر بعد نعیمہ بولیں۔ "سائر کے مزاج کے مطابق لڑکی تو شاید ڈھونڈ ہی لی ہے آپ نے... مگر ضروری تو نہیں کہ وہ لڑکی سائر کو پسند بھی آئی ہو۔" وہ سوئی چبھونے والے لہجے میں بولیں' جس کی چبھن وقار صاحب نے بخوبی محسوس کی۔

"نعیمہ... کیا ہو گیا ہے' کیسی باتیں کر رہی ہو' کل بارات ہے۔ کیا تمہیں اس موقع پر ایسی ناگوار باتیں کرنا زیب دیتا ہے۔" انہوں نے سرد مہری سے کہا تو وہ بادل نخواستہ چپ کر گئیں۔ مگر وقار گہری سوچ میں ڈوب گئے۔ کیوں نہ ہوتے' ہر طرف سے سائر کے رویے کو تنقید کا نشانہ بنایا جا رہا تھا۔ اسی وقت لالی نے آکر اجیہ کی دوستوں کی آمد کی اطلاع دی۔ وہ تو یوں بھی ماحول کی کشیدگی سے اکتائی بیٹھی تھی۔ "فوراً" سے پیشتر ڈرائنگ روم کی جانب چل دی۔ کچھ دیر بعد جب وہاں سے شادی بیاہ کے گیتوں کی آواز آنے لگی تو یکے بعد دیگرے سب ہی وہیں اکٹھا ہو کر شگن کے گیت گانے لگیں۔

مگر وقار کے اعصاب پر وہ گیت ہتھوڑے کی طرح ضربیں لگا رہے تھے۔

سائر کے سنجیدہ اور لیے دیے رویے کو وہ خود بھی کافی محسوس کر رہے تھے۔ اس پر اس کے متعلق سائرہ اور نعیمہ کی کڑوی مگر کسی حد تک درست باتیں گویا ان کے اعصاب پر سوار ہو گئیں۔

کیا واقعی میں نے سائر کی پسند کو اہمیت نہیں دی؟ کیا اس کی مرضی کچھ اور تھی اور میں اپنا انتخاب اس پر مسلط کر بیٹھا ہوں۔ رات کے ڈیڑھ دو بجے کا عمل تھا۔ شام سے برپا شور و ہنگامہ اب سرد پڑ گیا تھا۔ مگر وقار صاحب کی نیند کو یہ دہلاتے سوالات چرا کر لے گئے تھے۔ جب وہ اپنے کمرے میں ٹہلتے ٹہلتے گویا تھک سے گئے۔ تب ہی کسی خیال کے تحت انہوں نے سائر کے کمرے کی راہ لی۔

دروازہ دوسری دستک پر کھل گیا تھا۔

ڈھیلے ڈھالے چیک دار نیلے ٹراؤزر اور براؤن ٹی شرٹ میں آنکھوں میں نیند کا ہلکا سا خمار لیے وہ وقار صاحب کو دیکھ کر یک دم چوکنا سا ہو گیا۔

"بابا! آپ اس وقت یہاں... آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے' آیئے اندر آیئے۔" اس نے فکرمندی سے کہا۔ وہ اندر چلے آئے۔ اس نے دروازہ دوبارہ بند کر دیا۔

"سو گئے تھے۔" انہوں نے شفقت سے اس کا تھکا تھکا سا چہرہ دیکھا۔

"جی بس ذرا کام تھا لیپ ٹاپ پر بزی تھا۔ بس ابھی ہی فارغ ہوا ہوں مگر آپ اس وقت یہاں...؟" وہ سامنے رکھے فان اور میرون بیش قیمت صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا۔

"میں الحمدللہ بالکل ٹھیک ہوں۔ جس کا تم جیسا قابل فخر بیٹا ہو اسے اتنی آسانی سے بھلا کچھ ہو سکتا ہے؟ بس یوں ہی تم سے کچھ باتیں کرنے کا جی چاہا سو چلا آیا اگر تم ڈسٹرب ہوئے ہو تو معذرت چاہتا ہوں۔" وہ اس کی تشویش زائل کرنے کو دانستہ دھیمے لہجے میں بولے۔

"ارے نہیں بابا' وہ بے ساختہ بولا' میں تو یوں ہی پوچھ رہا تھا۔" کچھ دیر توقف کے بعد وہ بولے۔

"سائر... میں لمبی چوڑی تمہید نہیں باندھوں گا۔ میں صرف تم سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کہیں انجانے میں' میں نے تمہارا کوئی خواب تو چکنا چور نہیں کر دیا۔ میرا مطلب ہے کہ خدانخواستہ تم کہیں اور انٹرسٹڈ تو نہیں تھے؟" وہ ٹٹولتی نظروں سے اسے بغور تکتے ہوئے بولے۔

"یہ کیسا سوال ہے بابا' وہ حیران ہوا' آپ کو ایسا کیوں

لگا؟ آپ تو اچھی طرح جانتے ہیں کہ میری زندگی کا ہر
فیصلہ کرنے کا اختیار میں نے صرف آپ کو سونپ رکھا
ہے پھر اس سوال کی گنجائش کہاں نکلتی ہے۔"
"دو نکلتی ہے بیٹا' مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ تم
انتہائی سعادت مند اور فرماں بردار ہو۔ کہیں ایسا تو
نہیں کہ تم نے مجھے انکار نہ کرنے کے خیال سے اپنے
دل کو روند ڈالا ہو۔" وہ سنجیدہ لہجے میں پوچھنے لگے۔
"یہ دل بھلا کیا شے ہوتی ہے بابا' وہ سر جھٹک کر
استہزائیہ انداز میں بولا' اس دل سے بھی زیادہ مسلم
حقیقتیں ہیں میری زندگی میں اور آپ اطمینان رکھیے
جیسا آپ سوچ رہے ہیں ویسا کچھ بھی نہیں اور یوں
بھی آپ نے تو مجھ سے میری رائے' میری پسند پوچھی
تھی' کوئی ہوتی تو بتاتا نا۔" وہ انہیں مطمئن کرنے کے
لیے بولا۔
"مگر تمہارا خاموش انداز اور اکھڑ رویہ مجھے الجھا رہا
ہے۔ میں ہی کیا تقریباً" سارے ہی لوگ اس بات کو
محسوس کر چکے ہیں' ایسے میں میری تشویش کچھ ایسی
بے جا بھی نہیں۔ شادی اپنی مرضی سے ہو یا کسی اور کی
مرضی سے۔ لڑکے تو لفظ شادی سنتے ہی کھل سے
جاتے ہیں۔ ان کے لب ہمہ وقت مسکراہٹیں بکھیرتے
رہتے ہیں۔ آنکھوں سے خوشی کی کرنیں پھوٹ رہی
ہوتی ہیں اور تم۔۔۔" انہوں نے تاسف سے نفی میں سر
ہلایا۔
"تمہارا بجھا ہوا چہرہ' ماند مسکراہٹ اور کسی بھی
جذبے سے عاری آنکھیں مجھ سے بہت کچھ کہہ رہی
ہیں بیٹے۔" وہ جتاتے لہجے میں بولے تو بالآخر وہ ٹھنڈی
سانس لے کر بولا۔
"بابا۔۔۔ ابھی میں نے اس بارے میں کچھ بھی نہیں
سوچا تھا اور آپ نے اچانک ہی مجھ پر اتنی بھاری ذمے
داری ڈالنے کا پلان بنا لیا' بس میں اسی لیے شاکڈ ہوں
اور کچھ نہیں۔ سوچتا ہوں آگے زندگی کیسے مینیج
ہوگی۔ بس یہ ہی بات مجھے پریشان کیے ہوئے ہے۔"
(اب وہ انہیں کیسے بتائے کہ اک خواب ہے تو سہی'
بھیانک خواب۔ جو اسے راتوں کو سوتے سے جگا دیتا
ہے۔ اس کے دل برباد کو آباد ہونے نہیں دیتا۔)
"واقعی۔۔۔؟" انہیں جیسے یقین نہ آیا۔ محض اتنی
سی بات تمہیں پریشان و بے چین کیے ہوئے ہے۔ بیٹا
میں نے تمہارے لیے میرب کا انتخاب بہت سوچ
سمجھ کر کیا ہے۔ وہ پڑھی لکھی' سمجھ دار اور باشعور
گھریلو قسم کی لڑکی ہے۔ اس کا بچپن بھی میری آنکھوں
کے سامنے گزرا ہے۔ اس نے اپنے باپ کے گھر کو
جنت بنا رکھا ہے۔ وہ یقیناً" تمہارے لیے ایک بہترین
بیوی ثابت ہوگی اور جہاں تک اچانک اس فیصلے کی
بات ہے تو یہ اتنا بھی آنا" فانا" نہیں۔ اب نہیں تو دو یا
تین سال بعد تو بہر حال تمہاری شادی کرنی ہی تھی' پھر
اجیہ کا مسئلہ بھی تمہارے سامنے ہے۔ وہ اپنی عمر کے
نازک دور میں ہے۔ اسے کسی باشعور عورت کی
سرپرستی کی ضرورت ہے۔ وہ تم سے یا مجھ سے تو اپنے
دل کی باتیں شیئر کرنے سے قاصر ہے' اپنی پھوپھوں
کا حال تم دیکھ چکے ہو۔ مہ پارہ کا دم غنیمت ہے۔ اس
نے ہمیشہ تم دونوں سے خصوصی محبت کا سلوک روا
رکھا ہے مگر بہر حال یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کا بھی اپنا
گھر بار ہے اور پھر وہ رہتی بھی دیار غیر میں ہے۔ سامنے
رہنا بعض اوقات بہت ضروری ہوتا ہے۔ آئے دن
اجیہ کی دوستوں کی تعداد میں اضافہ ہی ہوتا چلا جا رہا
ہے۔ بچیوں کو سو طرح کی باتیں سکھانی ہوتی ہیں جو تم
اور میں ڈائریکٹ کبھی نہیں سمجھا سکتے۔ اسی لیے مجھے
یہ ہی حل بہتر لگا کہ تمہاری شادی کر دی جائے۔
تمہاری بھی تنہائی دور ہوگی اور اجیہ کو بھی جب گھر ہی
میں دوست میسر آجائے گی تو بھلا وہ باہر کیا لینے جائے
گی۔" انہوں نے اب کی مرتبہ اطمینان سے اپنے فیصلے
کے پس منظر سے آگاہ کیا۔
"آپ نے کچھ زیادہ ہی توقعات تو نہیں وابستہ
کرلیں؟" وہ بے یقین لہجے میں پوچھنے لگا۔ جواباً" وہ
مسکرا دیے۔
"مجھے زندگی میں بھلے کسی اور چیز کی پہچان ہوئی ہو یا
نہ ہوئی ہو البتہ عورت کی پہچان مجھے اچھی طرح ہوگئی
ہے اور تم اپنی خوش قسمتی پر جتنا ناز ہو کم ہے۔

میرے بیٹے! تمہارے باپ نے تمہارے لیے ہیرا چنا ہے۔ خالص ہیرا۔ مجھے یقین ہے بیٹی میرب میرے مان کو توڑے گی نہیں۔" ان کے لہجے میں اتنا یقین تھا کہ سائرش ششدر رہ گیا۔ (بابا نے زندگی میں جو کچھ بھگتا ہے کیا اس کے بعد بھی وہ کسی پر اس حد تک اعتبار کر سکتے ہیں؟) اس نے سوچا۔

"چلو بیٹے' میرے دل میں جو پھانس چبھ رہی تھی تم نے نکال دی۔ اب میں مطمئن ہوں' رات کافی بیت چکی ہے۔ اب تم بھی پرسکون ہو کر سو جاؤ۔ کل تمہاری بارات ہے اور میں چاہتا ہوں میرا بیٹا کل بالکل شہزادہ لگے۔" انہوں نے پیار سے اس کا ماتھا چوم کر کہا۔ تو اس کی آنکھیں ان کی والہانہ محبت پر بھیگ سی گئیں۔

"بابا! اس بے غرض محبت کے صدقے اگر آپ مجھے کنویں میں بھی چھلانگ لگانے کا کہہ دیتے تو میں لگا دیتا اور یہ رشتہ جوڑنا میرے لیے خودکشی کرنے جیسا ہی ہے' مگر میں تیار ہوں بالکل تیار ہوں' آپ کی بے ریا محبت کے صدقے۔" ان کے جانے کے بعد اس نے خود سے کہا اور چپکے سے آنکھیں موند لیں۔

☼ ☼ ☼

رات تقریباً" روزانہ ہی اس مختصر سے گھٹن زدہ تاریک فلیٹ میں کسی قہر کی صورت اترتی تھی۔ اپنے سود و زیاں کا گل روز ہی حساب لگاتی اور سارے کا سارا خسارہ اسی کے کھاتے میں درج ملتا۔ ایسے میں اس پر چھائی جھنجلاہٹ' کڑواہٹ میں بدلنے لگتی اور پھر یہ کڑواہٹ زہر کی مانند رگ و پے میں سرایت کر جاتی۔ گل اپنا نیل و نیل وجود لیے تکلیف سے کراہتی' ہسٹریائی چیخیں مارتی' مگر یہاں کون تھا جو اس کی فریاد سنتا۔ ایک عہد گل نے بہت پہلے ہی اپنے آپ سے کر لیا تھا۔ زندگی میں جب بھی موقع ملا وہ اپنی بربادی کے ذمے دار کو ضرور ان حالوں تک پہنچانے کی کہ وہ بھی اسی کی طرح تڑپے گا' روئے گا' چیخے گا اور شاید یہ مقصد اور عہد اب پورا ہونے جا رہا تھا۔ گل معمول کے مطابق اپنے روز مرہ کے کام نمٹا کر اطمینان سے بیٹھی ابھی نیلے رنگ کی سفید پھولوں والی پرانی چادر پہنی ہوئی کسی گہری سوچ میں بیٹھی اور مکمل سکون سے بیٹھ چکی تھی کہ اس روز گل نے تیکم شاہانہ سے حاصل کی گئی موجودہ نمبر ڈائل کرنے لگی۔ بیل بار بار جا رہی تھی۔ گل کوئی کچی کھلاڑی نہیں تھی۔ اس کا ماضی گواہ تھا۔ وہ کتنی زبردست پلانر تھی۔ اب بھی وہ اس طرح جال بچھا رہی تھی کہ کامیابی یقینی" اس کا مقدر ٹھہرتی۔ یہ کال یوں ہی گئی۔ دوبارہ' سہ بار' اس نے ہمت نہ ہاری۔

"ہیلو..." اس بار کسی نے فون ریسیو کر لیا" آواز مرد کی تھی۔ یک لخت گل کا اعتماد متزلزل ہوا' مگر پھر اس کا ازلی رعونت آمیز انداز عود کر آیا۔

"السلام علیکم... کون بات کر رہا ہے؟" گل نے سنبھل کر احتیاطاً" پوچھا۔

"بی بی... فون آپ نے کھڑکایا ہے۔ پہلے آپ بتاؤ' آپ کون ہو؟" وہاں سے بے زار کن مگر مضبوطی نادہی لہجے میں پوچھا گیا۔

"میں... میں..." اتنا تو گل سمجھ گئی تھی کہ فون کسی ملازم نے اٹھایا ہے' مگر پھر بھی اس کی ذات کا حوالہ ایسا تھا کہ وہ دے نہ سکتی تھی۔

"میں... مجھے اجیہ فاروقی سے بات کرنی ہے' میں اس کی دوست کی والدہ بات کر رہی ہوں۔" بالآخر وہ گویا ہوئی۔

"بی بی' صاحب تو گھر پر موجود نہیں ہیں۔ وہ لوگ تو چھوٹے صاحب کی بارات لے کر نکل چکے ہیں' پر آپ کو کیا کام ہے؟" شریف نے بتایا۔ خوش قسمتی سے تو چھیالیس انچ کے ایل سی ڈی پر "پتر ہٹیوں گجر دا" دیکھنے کا موقع ہاتھ آیا تھا۔ اس پر اس غیر اہم کال کی آمد اس کا مزہ کرکرا کرنے کے درپے تھی۔

"ہاں... ہاں دراصل ہمیں ہوٹل کی لوکیشن سمجھ میں نہیں آ رہی' اسی لیے کال کی تھی کہ اس کا راستہ اچھی طرح سمجھ سکوں' اصل میں ہم اس شہر میں نئے ہیں' اسی لیے راستوں سے مکمل واقفیت نہیں رکھتے۔

اگر ہو سکے تو اجیہ کا موبائل نمبر دے دو میں خود اس سے رابطہ کر کے پوچھ لوں گی۔" گل جلدی سے بہانہ گھڑ کے چالاکی سے بولی۔

اور جو شریف کی ساری توجہ ہمایوں کے پیتر کی جانب نہ مبذول ہوئی ہوتی تو ضرور ہی سوال کر ڈالتا کہ "بی بی کی سہیلی کے پاس نہیں ہے ان کا نمبر" مگر اس کی بے توجہی گل کا کام بنا گئی۔

"ہاں ہاں... لکھو... زیرو تھری... اور اچھا خدا حافظ۔" اس نے جلدی سے اجیہ کا نمبر اسے لکھوا کر سرعت سے فون رکھ دیا اور ایک مرتبہ پھر آکر صحت مند حسیناؤں کے نادیدہ حسن میں کھو گیا۔ دوسری جانب گل کو یقین ہو چلا تھا کہ اس کی قسمت کی گردش اب تمام ہو چکی ہے اور اس کے ستارے ایک مرتبہ پھر جگمگا اٹھے ہیں۔

"وقار! آج سے سالوں پہلے تم نے مجھے جو اذیت دی تھی اس کے بدلے کا وقت آن پہنچا ہے اور میرا یقین کرو میں وہ اذیت تمہیں سود سمیت واپس لوٹاؤں گی۔ میرے خوابوں کو چکنا چور کرنے والے! تم نے جو نقصان مجھے پہنچایا تھا اس کے آگے تو یہ تکلیف کچھ بھی نہیں۔ آج سے تم الٹی گنتی گننا شروع کر دو کیونکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ گل جو کہہ دے کرتی ضرور ہے۔" وہ خود کلامی کر رہی تھی۔ مگر اس کا لہجہ... کوئی درندہ بھی سنتا تو کانپ جاتا اور اس کی آنکھوں کی وحشیانہ چمک کمرے میں ڈولتی تنہائی نے جھرجھری سی لی تھی۔

☆ ☆ ☆

ہوٹل میں بارات کا شان دار استقبال کیا گیا تھا۔ استقبال کرنے والوں میں لائٹ پنک لمبی فراک چوڑی دار پاجامہ اور تیز گلابی دوپٹے میں ملبوس ماریہ پیش پیش تھی اور اس کی والدہ سائر کے گھر والوں کو بڑی اچھی طرح اٹینڈ کر رہی تھیں۔ میرب کی "قریبی کزنز پلس رشتے دار" دور کے عزیزوں کی طرح اجنبی سے بنے بیٹھے تھے۔ کچھ غیروں کو سب انتظام سونپ دینے پر خفا بھی تھے۔ جس دم سرخی مائل براؤن کلر کی شیروانی جس پر گولڈن اور سرخ خوب صورت کام بنا ہوا تھا زیب تن کیے اور گولڈن اور فان کلاہ سر پر تاج کی طرح سجائے شہزادوں کی سی آن بان والے سائر کے برابر میں سرخ جس پر سنہری اور فیروزی بھاری کام بنا ہوا تھا۔ سونے کی فیروزے جڑی جیولری سے آراستہ و پیراستہ میرب کو ماریہ نے لاکر بٹھایا اک پل کو اس خوب صورت سے شادی ہال میں موجود تمام نفوس نے بے ساختہ اس پرفیکٹ جوڑی کو سراہا تھا۔ وقار صاحب اور ابراہیم صاحب کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ ان کی دیرینہ دوستی آج بالآخر رشتے داری میں تبدیل ہونے جا رہی تھی اور اجیہ... اس کی تو آج چھب ہی نرالی تھی۔ سیاہی مائل گرین اور ڈارک میرون چنری کے خوب صورت کام سے مزین لانگ شرٹ اور شرارے میں وہ شعلہ جوالا بنی ہوئی تھی۔ پشت پر لہراتے کالے سیاہ ریشمی بال پیشانی پر سونے کا بڑا سا گول ٹیکا جس کے سرے پر زمرد لٹکا ہوا تھا اپنی خوش نصیبی پر نازاں تھا۔ آج کئی دل اسے دیکھ کر ڈول گئے تھے۔ وہ بے چینی سے اپنی نئی نویلی دوست شہنا کی منتظر تھی۔ نئی نویلی اس لیے کہ شہنا سے اس کی دوستی تقریباً چھ ماہ قبل کمپیوٹر کورس کے سلسلے میں جوائن کیے گئے ادارے میں ہوئی تھی۔ حسب عادت اجیہ نے اپنی افتاد طبع سے مجبور ہو کر انسٹی ٹیوٹ تو کب کا چھوڑ دیا تھا مگر شہنا یوں چپکی کہ چھٹ نہ سکی۔ وہ بھی اس کی طرح امیر خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ مگر اجیہ کے برعکس کافی شوخ بولڈ اور آزاد خیال سی لڑکی تھی۔ اجیہ کی ہر دور کی ایک دوست ہوا کرتی تھی۔ جو چند قدم ساتھ چلنے کے بعد کسی نہ کسی وجوہ کی بنا پر اس سے علیحدہ ہو جاتی یا اجیہ ہی اس سے ملنا ترک کر دیتی۔ آج کل شہنا سے اس کی دوستی زوروں پر تھی۔ تب ہی دور سے شہنا آتی دکھائی دی۔ اجیہ کا چہرہ کھل اٹھا۔

"اتنی دیر لگا دی رسمیں بس شروع ہی ہونے والی ہیں۔" وہ قریب آکر کسی قدر فہمائش سے بولی۔

"سانس تو لیا کرو لڑکی... نہ حال پوچھا نہ چال لگیں

رعب جھاڑنے۔" وہ اس سے لپٹ کر گال سے گال ملا کر بولی۔ "خدا کی قسم پہچانی نہیں جارہیں۔" اس نے اجیہ سے الگ ہو کر اوپر سے نیچے تک بغور اسے ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ تب ہی شہنا کے عقب میں آکر بلیک ڈینم اور بلیک ہی سفید لائنوں والی خوب صورت سی شرٹ میں ملبوس وہ وجیہہ و شکیل سا مرد آکر کھڑا ہوا۔

"میٹ مائی برادر آغا شایان اور آغا... یہ ہے میری پیاری سی دوست اجیہ فاروقی۔" شہنا نے رسم تعارف نبھائی۔

"ہیلو..." اجیہ نے خیر مقدمی سی مسکراہٹ اس کی جانب اچھالی اور جواب لیے بنا ہی شہنا کو لے کر اسٹیج کی جانب پلٹ گئی۔

اور آغا شایان... وہ تو شاید یہاں رہا ہی نہیں آنکھیں ایسی چکا چوند ہوئیں تھیں کہ اس کے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ پھر جب اس کی بینائی بحال ہوئی تو خطبہ نکاح کے وقت سر پہ دوپٹے کا پلو ڈالے ہوئے، دودھ پلائی کے موقع پر دلہن کی رشتے کی کزنز سے بحث و تکرار کرتے ہوئے، دولہا دلہن کے ساتھ تصویریں اترواتے ہوئے بعد ازاں چھری کانٹوں سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اسے صرف وہ... وہ... اور وہ ہی نظر آئی۔

"آغا اب چلے بھی چلو کیا دلہن کو رخصت کروانے اس کے گھر تک جانا ہے؟" ہوش میں تو وہ تب آیا جب شہنا نے اس کا کندھا بری طرح جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

"آں... چلو... اپنی فرینڈ سے اجازت لے لی؟" وہ متلاشی نگاہوں سے یہاں وہاں دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

"ہاں بھئی... چلو اب..." وہ بے پروائی سے اسے جواب دے کر ہال کے مین دروازے کی جانب بڑھنے لگی تو چار و ناچار اسے بھی قدم بڑھانے پڑے۔ دوسری جانب مہ پارہ اپنی طرف کے مہمانوں کا شکریہ ادا کر رہی تھیں۔

"بڑا اچھا لگا آپ سب آئے اب ان شاء اللہ ولیمہ پر ملاقات ہو گی۔" وہ اپنی ایک رشتے دار سے ہاتھ ملا کر بولیں۔

"شکریہ کی کیا بات ہے پارو۔ اب بس یہ شادی بیاہ ہی کے مواقع ہی تو ہوتے ہیں جس پر سب اکٹھا ہو کر سب سے مل جل لیتے ہیں ورنہ آج کل تو ہر شخص اتنا مصروف رہتا ہے کہ قریبی عزیزوں ہی کے ہاں بمشکل جانا ہوتا ہے۔" وہ خاتون مسکرا کر متانت سے بولیں۔ مہ پارہ سر ہلا کر آگے بڑھیں۔

"میں بس تمہاری ہی جانب آرہی تھی۔ بیگم شاہانہ، مہ پارہ کے گال کا بوسہ لے کر بولیں۔ "بھانجے کی شادی بہت بہت مبارک ہو۔"

"خیر مبارک... اور تمہارا آنے کا بہت بہت شکریہ۔" وہ بولیں۔

"اخلاق بھائی اور حمزہ نہیں آئے؟" بیگم شاہانہ نے ان کے بیٹے اور شوہر کا نام لیا۔

"بس اخلاق کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی، پھر آج کل کام کا بھی کافی لوڈ تھا اور حمزہ کا لاسٹ سمسٹر تھا۔ اس کی پڑھائی کا بہت حرج ہو جاتا، بس اسی لیے وہ چاہنے کے باوجود بھی نہ آسکا۔" بیٹے اور شوہر کے تذکرے پر وہ کچھ اداس سی ہو گئیں۔

"اچھا بھئی میں اب چلتی ہوں۔ ولیمہ پر شاید نہ آسکوں، میری بہن کی بیٹی کی منگنی طے ہے اس دن اور یاد آیا..." وہ بولتے بولتے اچانک چونکیں "تمہاری کوئی رشتے دار آئی تھیں میرے گھر، میرا مطلب ہے انہیں شاید معلوم نہیں تھا کہ وہ گھر تم بہت پہلے ہمیں بیچ چکی ہو۔ تم سے ملنا چاہ رہی تھیں، کہہ رہی تھیں، اندرون سندھ سے آئی ہیں، کئی برس سے تم سے ملاقات نہیں ہوئی۔"

"اچھا..." مہ پارہ حیرت سے بولیں... میں نہیں جانتی، خیر نام کیا بتایا تھا؟" وہ جیسے یاد کرنے کو پوچھنے لگیں۔

"نام..." وہ سوچنے لگیں۔ "شاید راشدہ یا ساجدہ ایسا ہی کچھ نام لیا تھا، بہر حال میں نے انہیں وقار بھائی کا ایڈریس دے دیا تھا کہ تم وہاں موجود ہو گی، کیوں کیا ابھی تک انہوں نے تم سے رابطہ نہیں کیا۔ حالانکہ خاصی

بے چین لگ رہی تھیں۔" مہ پارہ سوچ میں پڑ گئیں۔
"خالہ جانی۔ پلیز چلیں۔ رخصتی کروانے کو کہہ رہی ہیں پھوپھو لوگ۔" اجیہ نے آکر چڑے ہوئے لہجے میں کہا تو وہ جلدی سے انہیں خدا حافظ کہتی رخصتی کروانے کی غرض سے اجیہ کے ساتھ آگے بڑھ گئیں۔

☼ ☼ ☼

تھکی تھکی سی میرب نے بالآخر جب اپنی تختہ ہوتی کمر بیڈ کراؤن سے ٹکائی تو اسے یک گونہ سکون سا محسوس ہوا۔ اس نے بھاری آنچل سے بوجھل سر اٹھا کر کمرے کا جائزہ لینا شروع کیا۔ وسیع و عریض کمرے میں اس کے جہیز کا بیش قیمت فان کلر کا بھاری فرنیچر سجا تھا۔ فان اور میرون صوفہ سیٹ' بیڈ کے سیدھے ہاتھ پر رکھا گیا تھا۔ سامنے دیوار پر LED سجی تھی' الٹے ہاتھ پر بنا ڈریسنگ روم اور واش روم تھا۔ کمرے سے ملحقہ ٹیرس گلاس ڈور ہونے کی وجہ سے دکھائی دیتا تھا۔ ریشمی سرسراتے میرون پردے اور زمین پر بچھا اخروٹی رنگ کا ایرانی قالین' وہ جائزہ لینے میں مشغول ہی تھی کہ ہلکا سا کھٹکا سنائی دیا۔ ساری رسمیں اور نیگ وغیرہ وہ پہلے ہی نپٹا چکا تھا۔ اسی لیے بنا کسی رکاوٹ کے وہ اندر چلا آیا۔ تازہ گلابوں سے سجی' سیج پر بیٹھی ہوئی میرب کا دل اب کانوں میں دھڑک رہا تھا۔ ساحر نے اطمینان سے اپنا کلاہ اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر رکھا اور پھر شیروانی کی قید سے خود کو آزاد کروا کر اسے ہینگ کرنے کے بعد کرتے کی جیب سے مخملیں ڈبیہ برآمد کرتا اب وہ اس تک آیا تھا۔
"السلام علیکم!"
جواباً" اس نے بھی اپنی نرم آواز کا جادو بکھیرا تھا۔
"یہ تمہاری منہ دکھائی' یہ لو۔" اس نے ڈبیہ بنا کھولے اس کی جانب بڑھائی۔ جو اس نے "جی شکریہ" کہہ کر تھام بھی لی۔ تاہم دل میں یہ خیال ضرور جاگزیں ہوا کہ کیا رونمائی ایسے ہی جاتی ہے…؟ کچھ لمحے یوں ہی سرک گئے۔ میرب نے ڈرتے ڈرتے نظر اٹھا کر دیکھا' وہ ایک بازو کے نیچے تکیہ دبائے کہیں خلاؤں میں گھور رہا تھا۔
"آج ہماری نئی زندگی کی پہلی رات ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ میرب نے سرعت سے نگاہیں ایک مرتبہ پھر جھکا لیں۔
"نئی زندگی تمہارے ساتھ شروع کرنے سے قبل میں تم سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں کیا تم سن رہی ہو؟" اس نے اپنی نگاہیں اس کی جانب کیں۔
"جی جی بالکل! میں ہمہ تن گوش ہوں۔" وہ منمنائی۔
"عورت کبھی بھی میرے لیے کسی بھی صورت میں دلچسپی کا باعث نہیں رہی' میں شاید اس ٹائپ کا بندہ ہی نہیں ہوں۔ عورت کا حسن میرے لیے ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ میرے نزدیک اس کا کردار ہی اس کا سب کچھ ہے' تم سمجھ رہی ہو میری بات؟" وہ پھر رکا۔
"آپ کہتے رہیے' میں سن رہی ہوں۔" وہ دھیمے مگر نسبتاً" پر اعتماد لہجے میں بولی۔
"مجھے منوانے والی نہیں بات ماننے والی بیوی درکار ہے۔ میں ایک مشکل آدمی ہوں' شاید تمہیں میرے ساتھ ایڈجسٹ کرنے میں مسائل کا سامنا کرنا پڑے' مگر اس سب کے باوجود میں ایک وفادار شخص ہوں۔ جو اپنی بیوی سے بھی یہ ہی چاہے گا کہ وہ اس کی وفادار رہے۔ میرے گھر میں چھوٹی بہن ہے' میں چاہتا ہوں کہ تم اس کا بڑی بہنوں کی طرح خیال رکھو۔ میرے جان سے پیارے بابا ہیں اور میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ تم ان کا بالکل اپنے والد کی طرح دھیان رکھو۔ بس میں صرف یہ چاہتا ہوں' اس کے علاوہ میری تم سے کوئی ڈیمانڈ نہیں۔ تمہیں کچھ کہنا ہے؟" وہ اس کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔
"میں آپ کی ہر خواہش کا احترام کروں گی۔ بس اس کے علاوہ کیا کہوں؟" وہ اپنی بڑی بڑی ساحر آنکھیں اٹھا کر بولی کہ ساحر اس سارے عرصے میں پہلی بار کھل کر مسکرا دیا۔ ساحر کی مسکراہٹ سے اسے حوصلہ ہوا اور وہ بولی۔
"اچھا۔ اب میں چینج کر لوں؟"

"وہ بھی نہیں۔۔۔ ابھی میں نے تمہارے بارے میں تو کچھ کہا ہی نہیں۔" وہ نرم آواز میں بولا اور وہ جو کپڑے تبدیل کرنے اٹھ رہی تھی اس کا ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھالیا۔ پھر اس کا نازک سا مہندی سے سجا دودھیا ہاتھ تھام کر بولا۔

"تمہارے ہاتھ بہت خوب صورت ہیں۔"

"پوچھ رہے ہیں یا بتا رہے ہیں۔" وہ شوخی سے بولی۔

"بتا رہا ہوں۔" وہ اس کا شوخ انداز نہ سمجھ کر سادگی سے کہہ گیا۔ جواباً" وہ مسکرادی۔ اسے مسکراتا دیکھ کر سائر کی مسکراہٹ دوچند ہوگئی۔

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا

اور میرب اس رات اس عجیب و غریب بندے پر مرمٹی تھی۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح کا نقشہ بالکل ویسا ہی تھا۔ جیسا کہ عموماً" شادی والے گھر میں شادی کی اگلی صبح ہوا کرتا ہے۔ جب گھڑی بارہ کا ہندسہ عبور کرگئی تب مہ پارہ نے لالی کے سپرد انہیں بیدار کرنے کا کام سونپا۔ لالی ابھی اوپر جا ہی رہی تھی کہ ایپل گرین خوب صورت سے فراک پاجامے میں سر پہ دوپٹا لیے میرب اپنے کمرے سے باہر آتی دکھائی دی۔

"سلام بیگم صاحب!" لالی نے خوشدلی سے سلام کیا۔ اس نے جواب دے کر استفسار کیا۔

"لاؤنج میں کون کون ہے؟"

"سب ہی ہیں جی۔" وہ بولی تو میرب جھجک گئی۔

"ایسا کرو تم اجیہ کو بلاؤ۔" اس نے اکیلے نیچے اترنے کے خیال سے گھبرا کر کہا۔ نہ جانے یہ لوگ کیا خیال کریں۔

"جی جی بی بی۔" وہ پلٹ گئی۔ میرب وہیں متذبذب سی کھڑی تھی تب ہی اجیہ آتی دکھائی دی۔

"ہیلو سوئٹ بھابھی۔۔۔ نئی صبح مبارک ہو آپ کو۔" وہ چٹاچٹ اس کے گال چوم کر رک رک کر بولی۔

"چلیں جلدی نیچے چلیں' آپ کے گھر والے ڈرائنگ روم میں آئے بیٹھے ہیں۔" اس نے اطلاع دی۔ میرب اجیہ کی معیت میں نیچے آئی۔ مہ پارہ نے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا۔

"السلام علیکم!" میرب نے ادب سے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام! جیتی رہو' خوش رہو' اللہ شادو آباد رکھے' سدا سہاگن رہو۔" مہ پارہ نے اسے اپنے ساتھ لگا کر دعا دی۔

"جاؤ اجیہ۔ بھابھی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں جاکر بیٹھو۔ لالی چیزیں گرم کرکے ناشتہ لگاتی ہے تو میں آواز دے دوں گی۔" مہ پارہ نے کہا۔ اجیہ اسے ساتھ لیے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔

"شادی کی اگلی صبح پہننے کے لیے تو کم از کم تیز رنگ کا انتخاب کرنا چاہیے نا' مگر یہ آج کل کی فیشن زدہ لڑکیاں انہیں کون سمجھائے۔" اس کے جانے کے بعد نعیمہ کڑوے لہجے میں بولیں۔

"اچھا خاصا بھاری سوٹ ہے نعیمہ آپا۔" مہ پارہ نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بتانا چاہا' انہوں نے نخوت سے ہونہہ کردیا۔

ماریہ اسے دیکھ کر والہانہ آگے بڑھی' میرب بھی بے ساختہ اس کے گلے لگ گئی تھی۔ ماریہ کے ساتھ میرب کی دو تین کزنز بھی تھیں۔ ماریہ کا بھائی سعد انہیں ڈراپ کرکے جاچکا تھا۔ ناشتے کے بعد وہ انہیں پک کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

"کیسے لگے سائر بھائی؟" ماریہ نے شرارت سے پوچھا' وہ آسودگی سے مسکرا کر بولی۔

"بہت اچھے۔"

"اف اللہ! کہاں تو رخصتی سے پہلے اندیشے پال پال کر ہمارا خون خشک کررکھا تھا اور اب یہ شرمگیں انداز' بہت اچھے۔" ماریہ نے چڑ کر اس کی نقل اتاری تو وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔ ناشتے کی ٹیبل پر نکھرا ستھرا نیلے کرتا شلوار میں سائر بھی موجود تھا۔ ناشتا ہلکے پھلکے ماحول میں کیا گیا۔ سائر' ماریہ کی چھیڑ چھاڑ کو انجوائے

کررہا تھا۔ اسے مسکراتا دیکھ کر وقار صاحب کے دل میں ڈھیروں اطمینان اتر آیا۔ ناشتے کے بعد ان لوگوں نے مہ پارہ سے میرب کو لے جانے کی اجازت مانگی۔ ان کے جانے کے بعد گھر میں سناٹا پھیل گیا۔ شام کو رواج کے مطابق سارُ کے گھر والوں نے میرب کو لینے جانا تھا۔ سارُ اخبار دیکھنے لگا۔ یہ الگ بات کہ اسے اپنا دل بہت خالی خالی سا لگ رہا تھا۔

"کب ہوگی یہ شام۔" اس نے اکتا کر اخبار واپس میز پر رکھا اور گھڑی کو دیکھا جو دن کے تین بجا رہی تھی۔ پھر نہ جانے کیا ہوا کہ اس کے لب آپ ہی آپ مسکرا اٹھے۔

☼ ☼ ☼

گل نے دو تین مرتبہ اجیہ کا نمبر ملایا تھا' مگر اس نے ریسیو ہی نہ کیا۔ اس وقت اس کی جھنجلاہٹ مزید بڑھ گئی' جب اس پارلر' جہاں وہ کام کرتی تھی کی ہیڈ میڈم نشی نے اسے کسی شوٹ کے سلسلے میں مری ساتھ چلنے کا کہا۔ وہ ان سے کانٹریکٹ کی وجہ سے انکار کرنے کی مجاز نہ تھی۔ سو نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ان کے ساتھ جانا ہی تھا اور وہ چلی بھی گئی۔

عام طور پر تو گل اس تبدیلی کو بے پناہ پسند کرتی تھی مگر آج کل وہ جس ذہنی کیفیت سے گزر رہی تھی وہاں یہ تبدیلی کوفت آمیز بے زاری کے علاوہ اس کے لیے اور کچھ نہیں تھی۔ وہ شدت سے کراچی لوٹنے کی منتظر تھی۔

☼ ☼ ☼

ولیمہ کے بعد نعیمہ اور سائرہ واپس لوٹ گئیں۔ مہ پارہ البتہ چوتھی کی دعوت کے بعد واپسی کا ارادہ رکھتی تھیں۔ شادی کی رونق ماند پڑتے ہی روزمرہ کی مصروفیات شروع ہوگئیں۔ سارُ نے آفس سے ایک ہفتے کی چھٹی لے رکھی تھی۔ مہ پارہ نے انہیں ہنی مون پر جانے کا مشورہ دیا۔ سارُ اتنی جلدی ہنی مون پر جانے کے حق میں نہ تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ تھوڑی بہت انڈر اسٹینڈنگ کے بعد ہی وہ ہنی مون پر جا کر خود کو ریلیکس محسوس کر سکتا ہے۔ سو اس نے سہولت اور طریقے سے مہ پارہ کو انکار کردیا۔ میرب کو البتہ اس نے اصل بات سے آگاہ کردیا تھا اور وہ اس کے خیال سے متفق بھی تھی۔ وہ روز صبح اٹھ کر فریش ہو کر نیچے آتی۔ پھر سب ساتھ میں ناشتا کرتے' اس کے بعد وہ کبھی وقار صاحب کے ساتھ کسی کتاب پر تبصرہ کرتی' کبھی مہ پارہ کے ساتھ زنانہ باتیں کرتی۔ کبھی اجیہ کے ساتھ اس کے کالج اور دوستوں کے قصے سننے میں دلچسپی ظاہر کرتی۔ سارُ اسے بغور دیکھتا۔ کبھی تو مسکرا دیتا' کبھی یوں ہی سنجیدگی طاری کیے بیٹھا رہتا۔ شادی کے پہلے ہفتے میرب اتنا تو اندازہ لگا ہی چکی تھی کہ اس گھر میں اگر کوئی مشکل پسند بندہ ہے تو وہ خود اس کا مجازی خدا ہی ہے اور میرب خود کو بھی جانتی تھی۔ وہ مشکلات کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اسے خود پر پورا بھروسا تھا۔ مگر کبھی کبھی انسان خود کو کتنا اوور اسٹیمیٹ کر جاتا ہے۔

☼ ☼ ☼

"اف کتنی بوریت بھری ہے زندگی میں۔" اجیہ نے اکتا کر لیپ ٹاپ شٹ ڈاؤن کیا۔ وہ پچھلے ڈھائی گھنٹے سے فیس بک پر بیٹھی اپنی فرینڈز سے چیٹ کررہی تھی۔ اس نے لیپ ٹاپ رائٹنگ ٹیبل پر رکھا اور بھرپور انگڑائی لی۔ ڈھیلے ڈھالے پنک ٹراؤزر اور ملگجی سی وائٹ ٹی شرٹ میں ملبوس بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹے وہ واقعی بے زار بے زار سی دکھائی دے رہی تھی۔ رواج کے مطابق چوتھی کی دعوت سے قبل میرب اپنے گھر رہنے جاچکی تھی۔ پھر اس کا جی اس منظر سے بھی اچاٹ سا ہوگیا۔

"شاور لے لوں' شاید سستی دور ہوجائے۔" وہ اپنی وارڈروب کی جانب بڑھی اور وائٹ نیو اور ملٹی کلر کی لانگ شرٹ برآمد کرکے واش روم کی جانب بڑھی۔ تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ ناگواری سے بولی۔

"ہاں کون۔" انداز لالی کا تھا' وہ پہچان گئی تھی۔

"وہ چھوٹی بی بی! آپ کی دوست آئی بیٹھی ہیں

شمینا بی بی! لالی نے مطلع کیا۔

"اچھا۔" پل بھر میں اس پر چھائی ساری بے زاری ہوا ہو گئی۔ "تم ایسا کرو اُسے یہیں روم میں بھیج دو۔" وہ کہہ کر پلٹنے لگی۔

"مگر بی بی وہ صاب جی۔" لالی ہچکچا کر بولی وہ آپ جانتی ہیں ناکہ صاحب آپ کی سہیلیوں کا آپ کے کمرے میں آکر بیٹھنا پسند نہیں کرتے۔" اس کی بات پر اجیہ کے چتون تیکھے ہوگئے۔

"زیادہ بک بک مت کرو' جو کہا ہے۔ اس پر عمل کیا کرو' جاؤ جاکر بلا لاؤ اسے یہاں۔" وہ اسے جھڑک کر چھپاک سے واش روم میں گھس گئی۔ لالی 'مجھے کیا' والے تاثرات چہرے پر سجائے شمینا کو اس کے کمرے میں پہنچا گئی۔ جس وقت سر پر تولیہ لپیٹے نکھری نکھری فریش سی اجیہ باہر نکلی کاؤچ پر بیٹھی کسی فیشن میگزین کی ورق گردانی کرتی شمینا نے میگزین سائیڈ پر رکھ کر اسے خفگی سے گھورا۔

"کتنی دیر لگادی' میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔"

"ہیں... ہیں..." وہ مسکرا کر بولی "کتنا انتظار کرلیا' فوراً" ہی تو نکل آئی ہوں میں...." وہ اس کے پاس بیٹھتی ہوئی بولی۔

"خیر۔ اتنے دن سے کہاں غائب ہو' نہ فون کیا' نہ خیر خبر لی؟" اجیہ نے بھی جواباً" خفگی آمیز لہجے میں کہا۔ "شادی اٹینڈ کر کے یوں غائب ہوئیں' جیسے گدھے کے سر سے سینگ...."

"نہ پوچھو... وہ ہاتھ اٹھا کر نفی میں سر ہلاتی ہوئی بولی' یہ آغا جب سے اسٹیٹس سے لوٹا ہے' مجھے لیے لیے نہ جانے کہاں کہاں کی سیریں کرتا پھر رہا ہے۔ یو نو میرے ڈیڈ تو خیر اپنے بزنس میں بزی رہتے ہیں اور مام اپنی سوشل ایکٹوٹیز میں اب لے دے کے کون رہ جاتا ہے اسے کمپنی دینے کو... آف کورس میں' سو اسی لیے نہ کسی فرینڈ سے مل سکی' نہ ہی تمہیں فون وغیرہ کر سکی اور تم نے بھی کون سا کرلیا۔" وہ اس کے سوال کا تفصیلی جواب دیتے دیتے' آخر میں جتاتے لہجے میں بولی۔

"ہاں بس یوں ہی یار بھائی جان کی شادی میں بزی تھی ذرا۔" وہ یوں بولی گویا شادی کا سارا بار اس نے اپنے نازک کندھوں پر اٹھا رکھا ہو۔ حالانکہ ایسی بات بالکل نہیں تھی' وجہ صرف یہ تھی کہ وہ ان دنوں عجیب سی ذہنی کیفیت کا شکار ہو رہی تھی۔ مہ پارہ کو اپنے گھر میں چلتے پھرتے دیکھ کر لاشعوری طور پر وہ اپنی ماں کو یاد کر رہی تھی۔ اگر وہ ہوتیں تو کیا گھر یوں ہی بے جان سا لگتا۔ مہ پارہ جس طرح گھر میں دلچسپی لے رہی تھیں' یہ اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ کبھی مالی کے سر پر کھڑی ہو کر لان میں لگے پودوں کی کانٹ چھانٹ کروا رہی ہوتیں۔ کبھی شریف سے اپنی نگرانی میں گھر کی صفائی کروا رہی ہوتیں۔ تو کبھی کچن میں کھڑی لالی کی مدد سے ایک سے ایک ذائقے دار پکوان تیار کر رہی ہوتیں۔ ان کا گھر پہلے بھی بہت صاف ستھرا چمکتا دمکتا سجا سنورا رہتا تھا۔ کھانے بھی لالی مزے دار اور ورائٹی والے بناتی تھی مگر اس سب کے باوجود بھی کچھ کمی تھی جس کا احساس اب اجیہ کو شدت کے ساتھ ہو رہا تھا۔ اس کے پاس سب کچھ تھا' مگر یہ کمی اس سب کچھ پر حاوی ہوتی چلی جا رہی تھی۔

"چلو اب تو ہو گئی نا شادی اب چھوڑو۔ ویسے بھی مجھے تم سے ایک انتہائی اہم بات شیئر کرنی ہے۔" وہ آنکھیں گھما کر تجسس پھیلا کر بولی۔

"اوکے... اوکے' کیا پیو گی یا کچھ کھانے کا موڈ ہے۔" اجیہ نے انٹرکام پکڑ کر شمینا سے پوچھا۔

"فی الحال کچھ نہیں۔ البتہ کوئی ڈرنک منگوالو۔" وہ ہاتھ بڑھا کر ریموٹ پکڑتی ہوئی بولی اور ٹی وی آن کر دیا۔ جس وقت اجیہ لالی کو اورنج جوس لانے کی ہدایت دے کر پلٹی وہ کوئی انڈین فضول سا گانا لگا کر اس پر مزے سے پیر جھلا رہی تھی۔

"فرمایئے... اب۔" وہ اس کے نزدیک بیٹھتے ہوئے بولی اور گیلے بال تولیے سے آزاد کر کے اس میں تیز تیز انگلیاں چلانے لگی۔

"یار! یہ کرینہ نے کچھ وزن نہیں بڑھا لیا۔" اس

نے بغور اسکرین پر برہنہ تھرکتی ہیروئن کو دیکھ کر تبصرہ کیا۔

"پلیز..." اجیہ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر بے ساختہ کہا۔ "اب تم کریسنہ نامہ نہ اسٹارٹ کر دینا۔" تب ہی لالی نے دستک دی اور اندر آ کر فریش جوس اور نمکین کاجو رکھ کر پلٹ گئی۔

"خیر جانے دو۔" شہنا کاجو کی پلیٹ اپنے نزدیک کھسکا کر بولی۔ "تم تو ہو ہی بے وقوف' پتا نہیں آغا کو تم میں کیا دکھائی دے گیا ہے کہ جب سے تمہاری ایک جھلک دیکھی ہے' بالکل پاگل سا ہو گیا ہے۔"

"ایکسکیوز می... کیا کہا تم نے؟" جوس کے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھاتی اجیہ یک لخت تھم سی گئی' اسے لگا اس نے سننے میں کچھ غلطی کی ہے۔

"ہاں تو اور کیا' اس دن شادی پہ تمہیں دیکھ کر وہ جیسے دیوانہ ہی ہو گیا ہے تمہارا۔ ہر وقت مجھ سے تمہاری باتیں کرتا رہتا ہے۔ وہ تو اسی رات تمہارا نمبر مجھ سے مانگ رہا تھا مگر میں نے اسے بتایا کہ تم کتنی کنزرویٹو لڑکی ہو' کہیں برا ہی نہ مان جاؤ' ویسے میں اتنا ضرور بتا دوں۔ آغا ڈیشنگ ہے۔ ویل ایجوکیٹڈ ہے۔ امریکا میں اپنا بزنس کر رہا ہے' کوئی کمی نہیں ہے میرے بھائی میں۔ اسے شادی کرنے کے لیے عرصے سے کسی آئیڈیل کی تلاش ہے اور وہ کہتا ہے کہ تم اس کے آئیڈیل پر پوری اترتی ہو۔ خیر اب تم بتاؤ' پھر میں دے دوں اسے تمہارا نمبر۔" اس کی کترکتر زبان بلا تکان چل رہی تھی۔

ایک سنسنی سی اس کی رگ و پے میں دوڑ گئی۔ جو بھی تھا اجیہ کو اس کی یہ پیش کش اچھی لگی تھی۔

"کیا چپ کا روزہ رکھ بیٹھی ہو۔ بتاؤ بھی' آغا مجھے لینے آتا ہی ہو گا' بڑا بے تاب ہے وہ تم سے بات کرنے کے لیے۔" وہ شوخی سے بولی۔ اجیہ کے کان کی لویں دہکنے لگیں۔

"اوکے تم دے دینا میرا نمبر..." وہ بنا سوچ بچار کیے ہاں کہہ گئی۔

"اوہ نو...!" شہنا فلک شگاف قہقہہ لگا کر ہنسی۔ "فار گاڈ سیک' تم بالکل سیونٹیز کی دہائی کی کوئی اسٹوپڈ سی لمبے لمبے سانس لینے والی ہیروئن لگ رہی ہو۔ آغا بہت انسپائرڈ ہو گا تم سے۔ وہ شرماتی ہوئی لڑکیوں کی شرم بہت انجوائے کرتا ہے۔" وہ بات کرتے کرتے اپنے موبائل کے بجنے پر چونک کر رک گئی۔

"لو بھئی... آغا آ گیا ہے میں تو چلی۔" وہ فون سننے کے بعد بولی اور گلاس میں بچا ہوا جوس یوں ہی چھوڑ کر اپنا ہینڈ بیگ اٹھا کر' اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اوکے' بائے... اچھا وہ جلد ہی تمہیں کال کرے گا ٹھیک؟" اس نے ایک مرتبہ پھر پوچھا تو اجیہ نے میکانکی انداز میں سر ہلا کر اس سے ہاتھ ملایا۔ وہ ابھی تک اس کے کہے لفظوں کے سحر میں جکڑی ہوئی تھی۔

وہ اسے یوں ہی سحر زدہ سا چھوڑ کر کمرے کا دروازہ عبور کر گئی۔ لاؤنج میں بیٹھے تینوں نفوس نے اس جینز میں پھنسی لڑکی کو ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھا جو ابھی ابھی اجیہ کے کمرے سے برآمد ہوئی تھی۔

"دیکھا تم نے مہ پارہ۔" وقار صاحب نے ناراضی بھرے لہجے میں کہا۔ "میں سخت عاجز ہوں اجیہ کی نت نئی دوستیوں سے۔ اگر میں اسے کچھ سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں تو وہ مجھ سے ناراض ہونے لگتی ہے' تم ہی بتاؤ میں کیا کروں۔" وہ واقعی اس کی دوستیوں سے سخت نالاں تھے۔

"کوئی بات نہیں بھائی صاحب... ابھی بچی ہی تو ہے' آہستہ آہستہ سمجھ جائے گی۔ یوں بھی بن ماں کی بچی ہے۔ کوئی گائیڈ کرنے والا بھی نہیں تھا۔ اب ماشاء اللہ میرب بیٹی آ گئی ہے' بہت سلجھی ہوئی' سمجھ دار لگی ہے وہ مجھے۔ دیکھیے گا ان شاء اللہ اجیہ کے لیے اس کا ساتھ بہت مفید ثابت ہو گا۔" مہ پارہ تسلی دینے والے انداز میں بولیں۔

"ہاں مہ پارہ..." وقار اثبات میں سر ہلا کر بولے۔ "واقعی بہت گنوں والی بچی ہے۔ میں نے اس کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے' مجھے بھی اس سے یہی امید ہے۔" وہ مان بھرے لہجے میں بولے۔

اتنی دیر سے ان دونوں کی گفتگو خاموشی سے مگر بغور

سنتا سائر میرب کے ذکر پر بے چین سا ہو گیا۔ دو دن ہو گئے تھے اسے گئے ہوئے۔ نہ جانے وہ کیا کر رہی ہو گی۔ اس نے سوچا اور پتا نہیں یہ سوچ اسے کیوں مزید مضطرب کر گئی گو کہ وہ ہر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد اسے فون کر رہا تھا مگر پھر بھی کوئی چبھن سی تھی جو اس کے دل کو مطمئن نہیں ہونے دے رہی تھی۔ وہ ان دونوں کے پاس سے اٹھا اور ایک مرتبہ پھر اپنے کمرے میں آکر اسے کال ملانے لگا۔

☆ ☆ ☆

"اور سناؤ کیسی گزر رہی ہے؟" یہ عشا کے بعد کا وقت تھا۔ ماریہ اور میرب کا میرب کی شادی سے پہلے کا معمول تھا کہ وہ دونوں چائے کا بڑا سا کپ لے کر اس وقت میرب کی چھت پر چہل قدمی کیا کرتی تھیں۔ ساتھ ہی ساتھ خاندانی مسائل، دیگر دوستوں کے معاملات، کالج، اساتذہ وغیرہ کی باتیں بھی ڈسکس کی جاتیں۔ جب سے میرب یہاں رکنے آئی تھی یہ معمول پھر سے دہرایا جا رہا تھا۔

"ابھی تو شادی کو صرف ہفتہ، ڈیڑھ ہفتہ گزرا ہے۔ ابھی تک تو بظاہر سب ٹھیک ہی ہے؟" اس نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔

"تمہاری نند، وہ کیسی ہے تمہارے ساتھ، آئی مین اس کا رویہ مجھے تو خاصی نک چڑھی سی لگتی ہے۔" ماریہ ناک چڑھا کر بولی۔

"ارے نہیں۔۔۔" میرب نے مدافعانہ انداز میں کہا۔ "ایسی نہیں ہے وہ، البتہ لگتی کچھ اسی طرح کی ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی بھلا، لگتی ہے، ایسی ہے نہیں؟" ماریہ نے کچھ چڑ کر پوچھا۔

"یار دیکھو۔۔۔ وہ محض دو ماہ کی تھی تو سائر کی مما کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔ تم تصور تو کرو کہ انکل نے کیسے کتنی مشکلات جھیل کر اسے پالا ہو گا، پھر خالہ، پھوپھی بھی قریب نہ تھیں، ماں کی محرومی کے سائے تلے پلی بڑھی ہے وہ۔ بس اسی لیے اس کی شخصیت میں کچھ کمی بھی رہ گئی ہے۔ جہاں تک میں نے اندازہ لگایا ہے، وہ موڈی ضرور ہے، بے مروت نہیں۔ ہاں البتہ جذباتیت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔" اس کے انداز میں ہمدردی کی جھلک نمایاں تھی۔

"تو انکل کو اتنے پراہلمز فیس کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ ینگ تھے، پیسے والے تھے، اجیہ کی خاطر دوسری شادی کر لیتے۔" وہ بولی۔

"بات صرف اجیہ کی ہوتی تو شاید کر بھی لیتے، مگر چھ سالہ سائر بھی تو تھے۔ انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں سائر ان کے اس فیصلے سے ڈسٹرب نہ ہو جائیں۔ سائر نے تو بہرحال اپنی مما کو دیکھ رکھا تھا۔ ان کی محبت کا ذائقہ انہیں کسی دوسری عورت سے تو نہ مل سکتا تھا نا۔" وہ ہمدردانہ بولی۔

"بی بی میرب۔۔۔" ماریہ شوخ سے لہجے میں یک دم ٹہلتے ٹہلتے رک کر بولی۔ "یہ تمہیں ایک ہی ہفتے میں اس کی فیملی کی ہسٹری بھی پتا چل گئی اور تو اور تم تو ناک تک سسرال کی ہمدردی میں ڈوب چکی ہو۔" اس کی بات پر میرب دھیمے سے ہنس دی۔ پھر کچھ توقف کے بعد سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"بات ہمدردی کی ہے بھی۔ میری نظر میں ماں جیسی ہستی سے محرومی دنیا کی سب سے بڑی محرومی ہے ماریہ۔ میرا بچپن اجیہ اور سائر سے مماثل ہے۔ شاید اسی لیے میں ان کا درد کچھ زیادہ محسوس کر رہی ہوں۔ پھر مجھے تو تمہاری امی کا ساتھ بھی میسر تھا۔ مگر اجیہ اور سائر یہاں بھی محروم رہے۔"

"ہوں۔۔۔ یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" ماریہ نے متفق ہو کر سر اثبات میں ہلایا۔

"خیر۔۔۔ یہ بتاؤ تمہارا ہنی مون کا کیا پلان ہے۔" ماریہ نے اس کا افسردہ چہرہ دیکھ کر موضوع بدلنا چاہا۔

"سائر کا کہنا ہے کہ پہلے تھوڑی انڈر اسٹینڈنگ ہو جائے ہمارے مابین، پھر سوچیں گے۔" میرب نے چائے کا خالی کپ منڈیر پر رکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو حیرت ہوتی ہے تمہیں دیکھ کر میرب، شادی سے قبل تو نہ جانے کون کون سے اندیشے اور بدگمانیاں پال رکھی

تھیں تم نے اس بندے کے متعلق اور اب اپنا حال دیکھو۔" ماریہ نے شرارت آمیز لہجے میں کہتے ہوئے مصنوعی تاسف سے سرہلایا۔ "تمہاری گفتگو کا محور د مرکز ہی سائرن کر رہ گیا ہے۔ پتا نہیں یہ شادی کے بعد لڑکیوں کو کیا ہو جاتا ہے چچ چچ۔"

"کچھ دن بعد پوچھوں گی تم سے کہ کیا ہو جاتا ہے۔" میرب منہ پر بدلہ لینے والے انداز سے ہاتھ پھیر کر بولی۔

"ویسے میں سنجیدگی سے پوچھ رہی ہوں کہ آخر ایسا کیا ہو جاتا ہے کہ جب دیکھو تب لڑکیاں 'وہ یہ کہتے ہیں' وہ یوں کرتے ہیں۔ کہتی نظر آتی ہیں بتاؤ۔" وہ استفسار کرنے لگی۔

"شاید محبت ہو جاتی ہے۔ نکاح کے بولوں میں واقعی اثر ہوتا ہے۔ میرا تجربہ تو یہ ہی کہہ رہا ہے۔" وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔

"اوراے۔۔ یعنی سائر کو ہوا یہ خوش گوار تجربہ؟" وہ جانچتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں کیوں نہیں' اس کے شنگرفی لبوں پر شرگیں مسکراہٹ پھیل گئی۔ جب سے یہاں آئی ہوں سینکڑوں مرتبہ مجھے کال کر چکے ہیں' یہ انداز محبت نہیں تو اور کیا ہے۔" وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگی۔

"اسے محبت نہیں 'نئی نئی شادی کا خمار کہتے ہیں۔" ماریہ نے جیسے تپ کر کہا۔ وہ اس کے لہجے پر بے ساختہ ہنس دی۔ تب ہی اس کا بھائی عاشر' میرب کا موبائل ہاتھ میں لیے اسے ڈھونڈتا ہوا چھت پہ چلا آیا۔

"میرب تمہارا فون کب سے بج رہا ہے۔ سائر کی کال آرہی ہے۔ دیکھو اسے کوئی اہم بات نہ کرنی ہو۔" عاشر نے موبائل اسے پکڑاتے ہوئے کہا۔

"اب تم میرڈ ہو میرب 'ایسی باتوں سے لاپروائی اچھی نہیں ہوتی۔" وہ اسے سرزنش کرنے لگا' تب ہی فون پھر بجنے لگا تو وہ دونوں ہاتھ منڈیر پر رکھ کر نیچے جھانکتی ماریہ کے پاس چلا آیا۔

"ہیلو۔" میرب نے سرعت سے فون ریسیو کیا۔

"ہیلو۔ سب خیریت تو ہے' کہاں تھیں تم فون کیوں نہیں ریسیو کر رہی تھیں۔" وہ ٹھہرے ہوئے گمبھیر لہجے میں استفسار کرنے لگا۔

"وہ سائر میں چھت پر ہوں' فون نیچے ہی رہ گیا تھا تو اس لیے ریسیو نہ کر سکی۔" اس نے وضاحت دی۔

"اچھا۔ اس نے کہا' پھر ٹھہر کر پوچھنے لگا' کون کون ہے چھت پر؟"

"میں اور ماریہ تھے اور ہائے۔۔" وہ نسبتاً" چھت کے اندھیرے گوشے میں آکر بات کر رہی تھی' اچانک کسی کے ہاؤ کرنے پر جواب دیتے دیتے بُری طرح اچھلی۔

"خدا کی پناہ سعد۔" وہ پیٹ پکڑ کر دوہرے ہوتے سعد کو دیکھ کر بے پناہ خفگی سے بولی۔ "تم نے تو میری جان ہی نکال دی۔" ابھی تک اس کے بدن پر کپکپی طاری تھی۔

"بس دیکھ لیا تمہارا جگرا۔ تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے لڑکی۔" وہ اس کے ڈر کر اچھلنے پر ہنستے ہنستے بے حال ہوا جا رہا تھا۔ سو اپنا کارنامہ عاشر اور ماریہ کو سنانے ان کی طرف چل دیا۔

"اچھا تو یہاں مصروف تھیں تم' سوری تمہیں ڈسٹرب کیا۔ اوکے' پھر بات ہو گی' اپنا خیال رکھنا۔" سائر نے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔ وہ جو کچھ کہنا چاہ رہی تھی۔ اس نے بڑی پریشان کن حیرانی کے ساتھ اپنے ہاتھ میں موجود سیل کو دیکھا۔ پھر خود سے کال ملائی۔ اس کا فون بند ہو چکا تھا۔

"اسے کیا ہوا؟" وہ سخت متعجب تھی۔ اسے سمجھ ہی نہ آیا۔

"کیا وہ بدگمان ہوا ہے؟" یہ بہت جلد اسے سمجھ آجاتا تھا۔ یک دم ہر شے سے جی اچاٹ سا ہو گیا تھا۔ تاہم وہ سر جھٹک کر ان کی طرف بڑھی' جہاں وہ تینوں کسی بات پر قہقہے لگانے میں مصروف تھے۔

☼ ☼ ☼

"کیا میں نے آغا سے بات کر لینے کی ہامی بھر کے کچھ غلط تو نہیں کیا؟" شہنا کے جانے کے بعد بھی وہ کافی دیر

تک اسی ادھیڑبن میں رہی۔ ایک طرف دل اس سے بات کرنے پر مائل تھا تو دوسری جانب دماغ کی سرزنش۔

"اوں ہوں... یہ غلطی بھول کر بھی مت کرنا۔" وہ سوچتی رہی' الجھتی رہی' لالی کھانے کا کہنے آئی' اس نے انکار کردیا۔ مہ پارہ متفکر سی ہو کر اسے پوچھنے چلی آئیں۔

"کیا بات ہے بیٹا' طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" وہ نیم دراز اجیہ کی پیشانی چھو کر بولیں۔

"جی خالہ جانی' ٹھیک ہوں میں بالکل... آپ بیٹھیں۔" اس نے اپنے بکھرے بال سمیٹ کر جوڑا بناتے ہوئے کہا۔

"کچھ پریشان سی لگ رہی ہو۔ سب خیریت تو ہے نا؟" انہوں نے ٹٹولتی نگاہوں سے اس کا ستا ہوا مگر حسین چہرہ دیکھ کر سوال داغا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ موسم تبدیل ہو رہا ہے' شاید اسی کا اثر مجھ پر بھی ہو گیا ہے۔" اجیہ نے اپنے بکھرے بال سمیٹ کر جوڑے کی شکل میں قید کیے۔

"اپنا خیال کیا کرو جان... دیکھو تو کتنا سا منہ نکل آیا ہے۔ یقیناً" تمہیں نظر بھی خوب لگی ہوگی۔ لگ بھی تو بالکل شہزادی رہی تھیں تم۔ میں تو ایک پل کے لیے حق دق ہی رہ گئی تھی' لگا جیسے گل بجسم سامنے چلی آئی ہو۔ خیر ابھی وضو کر کے معوذتین پڑھ کر دم کیے دیتی ہوں' نظر و ظر سب اتر جائے گی۔ گرم دودھ بھجوا رہی ہوں' پی کر ٹیبلٹ لے کر لیٹ جانا' ٹھیک ہے بیٹا۔"

وہ اسے شفقت سے پچکار کر بیڈ سے اٹھیں۔ تب ہی پیچھے سے اجیہ نے ان کا ہاتھ تھام لیا۔

"خالہ جانی... آپ بہت اچھی ہیں' اگر کبھی میں نے آپ کا دل دکھایا ہو تو اس کے لیے سوری۔" وہ اتنی بے ساختہ قسم کی معصومیت سے بولی کہ مہ پارہ نثار ہی ہو گئیں۔

"نہیں میری جان۔" وہ اس کا چاند چہرہ اپنے ہاتھوں کے ہالے میں لے کر بولیں۔ "تم تو اتنی کیوٹ ہو' تم بھلا کیسے میرا دل دکھا سکتی ہو۔ اب الٹی سیدھی سوچوں کو خیرباد کہہ کر ریلیکس کرو۔ میں ٹیبلٹ اور دودھ بھجواتی ہوں۔" وہ اس کا ماتھا چوم کر نم آنکھوں سے بولیں۔ سچ تو یہ تھا کہ نہ جانے کیوں مہ پارہ کا دل اجیہ اور سائر کو دیکھ کر کٹ سا جاتا تھا۔ اجیہ نے اثبات میں سر ہلایا اور بیڈ کراؤن سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ مہ پارہ جاتے ہوئے دروازہ بند کر گئیں۔

کبھی کبھی دل اتنا خالی خالی سا کیوں لگنے لگتا ہے۔ وہ پشت سے سر ٹکائے سوچ گئی۔ تب ہی کمرے کی پرسکون فضا میں اس کے موبائل نے ارتعاش پیدا کیا۔ نم آنکھوں سے ٹپکا آنسو انگلی کی پور سے جھٹک کر موبائل کی اسکرین دیکھی۔ وہاں کوئی انجان نمبر تھا۔ کئی روز سے اسے کوئی انجان نمبر سے کال کر رہا تھا۔ سوئے قسمت کہ وہ اٹھا ہی نہیں پاتی تھی۔

"ہیلو..." اس نے فون ریسیو کر کے کہا۔

"زہے نصیب... کیا میں اجیہ سے بات کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔" زندگی سے بھرپور شوخ آواز! اجیہ چونک کر سیدھی ہوئی تھی۔

"کک... کون بات کر رہا ہے؟" اس کی آواز اٹکنے لگی۔ اپنا دل اسے کانوں میں دھڑکتا سنائی دینے لگا۔

"خاکسار کو آغا شایان کہا کرتے ہیں زمانے والے۔ آپ کا جو جی چاہے نام دے لیجیے' محبت کی زبان میں ہمارا نام مجنوں' فرہاد' رومیو کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ شرط یہ کہ آپ لیلیٰ' شیریں یا جولیٹ بننے پر راضی ہوں۔" کیا خوب صورت و دلنشین انداز تکلم تھا' اجیہ عش عش کر اٹھی۔

"سن رہی ہیں نا آپ؟" اس نے جیسے اس کی مسلسل چپ سے مجبور ہو کر پوچھا۔

"جی میں سن رہی ہوں' آپ کہیے۔" وہ کچھ توقف کے بعد اپنی دھڑکنوں پر قابو پا کر بولی۔

"میں نے کہہ دیا... اب آپ کی سمجھ داری کا امتحان ہے کہ پلے کچھ پڑا ہے یا نہیں۔" وہ متبسم لہجے میں بولا۔

"بے وقوف نہیں ہوں' سمجھ گئی ہوں' اچھا!" وہ

برا مان کر بولی۔ دوسری جانب اس کا قہقہہ بڑا جان دار تھا۔

"خوب خوب وہ جیسے مزہ لے کر بولا۔ "بیوٹی ود برین کا کامبینیشن شاذونادر ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔ خیر آپ کے پاس برین نہ بھی ہوتا تو چلتا۔ میں تو آپ کے حسن جہاں سوز پر مرمٹا ہوں مجھے اور کسی شے سے کیا لینا دینا۔"

"میں حیران ہوں آپ اسٹیٹس میں رہ کر بھی اتنی ثقیل اردو کیسے بول لیتے ہیں۔" وہ تحیر سے آنکھیں پھیلا کر بولی۔

"کیا بدمذاقی ہے۔ یہاں حال دل بیان کر رہا ہوں اور آپ میری زبان و بیان پر سوال اٹھا رہی ہیں۔ افسوس صد افسوس۔" وہ مایوسی سے سر ہلا کر بولا۔ تو وہ کچھ کنفیوژ سی ہو گئی۔

"پھر خاموشی۔۔۔! میں نے آپ کی خاموشی سننے کے لیے تو فون نہیں کیا۔ وہ تو میں چشم تصور میں روز ہی سن لیتا ہوں۔" وہ کچھ جھنجلایا تھا۔

"دراصل میں میری سمجھ میں ہی نہیں آرہا ہے کہ میں آپ سے کیا بات کروں؟" وہ جیسے بے بسی سے بولی تھی۔

"اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا۔۔۔ کاش تم اس وقت میرے سامنے ہوتیں۔ میں تمہاری معصومیت پر تمہیں ضرور خراج پیش کرتا۔" اس کا لہجہ آنچ دیتا تھا وہ قطرہ قطرہ پگھلنے لگی۔

"آپ اسٹیٹس میں کیا کرتے ہیں؟" وہ بوکھلا کر پوچھ بیٹھی۔

"جھک مارتا ہوں۔" وہ چڑ کر بولا۔ تب وہ یک دم ہنس دی۔ نرم پھوار سی ہنسی۔ آغا شایان کا تن من بھیگنے لگا۔

"سنو اجیہ فاروقی۔۔۔ تم مجھے بری طرح بھا گئی ہو۔ میں زیادہ لاگ لپٹ کرنے کا قائل نہیں صاف گو بندہ ہوں تم سے ملاقات کرنے کا متمنی ہوں۔ کیا مجھ سے مل سکو گی؟" اب کی بار اس نے صاف صاف بات کرنے کی ٹھانی۔

"کیا بندے ہو تم؟ پہلی ہی مرتبہ میں اظہار محبت کر ڈالا اور اب ملنے کی فرمائش ایسا بھی بھلا کہیں ہوتا ہے؟" وہ استعجابیہ لہجے میں کہہ گئی۔

"میری طرف تو ایسا ہی ہوتا ہے اور یہ ہی طریقہ مجھے پسند بھی ہے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں جو کتنی ہی فون کال محض یہ اندازہ لگانے میں ضائع کر دیتے ہیں کہ آیا محبوبہ کے دل میں ان کے لیے نرم گوشہ ہے یا نہیں۔ میں تیز رفتار دنیا کا باسی ہوں۔ اسی لیے ڈائریکٹ تم سے یوں بات چیت کر رہا ہوں اب تم بتاؤ تمہارا کیا ارادہ ہے؟" اس کے لہجے سے لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ پہلی بار اجیہ سے گفتگو کر رہا ہے۔ اجیہ اس کے دوٹوک اور کھرے انداز گفتگو سے متاثر ہوئی تھی۔

"مگر شایان۔۔۔ مجھے کچھ دن لگیں گے۔ مجھے تو ٹھیک سے تمہارا چہرہ بھی یاد نہیں میں اتنی جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔" وہ بھی صاف گوئی سے بولی۔ وہ اب اپنی کیفیت پر مکمل قابو پا چکی تھی۔

"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں جب تک ملو گی نہیں مجھے دیکھو گی کیسے۔ جب دیکھو گی ہی نہیں تو مجھے سمجھنے میں بھی دشواری ہو گی۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولا۔ تب ہی دروازے پر ہونے والی دستک سے اجیہ ہڑبڑا سی گئی۔

"اوکے۔۔۔ میں کل بتاؤں گی ٹھیک؟" وہ جلدی سے بولی اور دوسری طرف وہ کھل کر مسکرا دیا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔ اپنا بہت خیال رکھنا بائے۔۔۔" اس نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔

"ہاں آجاؤ۔۔۔" وہ اسی کیفیت کے زیر اثر بولی۔ آنے والی لالی تھی۔ اس نے دودھ کا گلاس ٹیبل پر رکھا ٹیبلٹ نکال کر اسے پانی کے ساتھ دی۔ جو اس نے بلا حیل و حجت نگل بھی لی۔ کب لالی باہر گئی اسے خبر نہیں۔

محبت تو اپنا آپ بھی بھلا دیتی ہے۔ اسے اگر ارد گرد کا ہوش نہیں رہا تھا تو یہ کچھ ایسا عجیب بھی نہ تھا۔

⋆ ⋆ ⋆

تاحد نگاہ تک جلتا بلتا صحرا پھیلا ہوا تھا۔ سورج سوا نیزے پر پہنچا' بڑے طیش و حقارت سے نیچے دیکھ رہا تھا۔

ایسے میں وہ کوئی پانچ یا چھ سال کا بچہ تھا جو نیکر اور بنیان پہنے اس قہر بار صحرا میں پاپیادہ تن تنہا بھاگ رہا تھا۔ سر پر آگ انڈیلتا سورج اور زمین پر تپتی لاوا بنی چادر اس کے پیر جھلسا رہی تھی' مگر نہ جانے کیسی دیوانگی اس پر طاری تھی کہ وہ بنا رکے بنا ٹھہرے بھاگے چلا جا رہا تھا۔ دور افق کی لکیر کے پاس کوئی آنچل سا پھڑپھڑاتا دکھائی دیا اور اس کے بھاگنے میں شدت پیدا ہوگئی۔

"رکو۔۔۔ رکو۔۔۔ دیکھو میں آرہا ہوں تمہارے پاس' مجھے چھوڑ کر مت جاؤ' خدارا ٹھہر جاؤ۔۔۔ چاروں طرف پیاس ہی پیاس بکھری ہے۔ دھوپ کی تمازت مجھے جھلسائے دے رہی ہے' مجھ پر آنچل کا سایہ کرو' مجھے زندگی کی نوید سنا دو' میں تھک رہا ہوں' خدارا رک جاؤ۔" وہ چیختا رہا آگے بڑھتا رہا' یہاں تک کہ وہ جو کوئی بھی تھی۔ اس کے قریب پہنچنے پر اس کی طرف پلٹی۔ گلابی ساڑھی میں ملبوس اس وجود پر موجود آنکھوں میں اس کے لیے ایک نرم شفیق سا تاثر تھا۔ خوب صورت لبوں پر نمودار ہوتی مسکراہٹ۔

اسے حوصلہ ہوا تھا۔ یکلخت موسم بدلا۔ آگ اگلتے سورج کا گلا سرمئی اور نارنجی بادلوں نے دبا دیا۔ ہوائیں سرسرانے لگیں۔ جلتے خشک پیڑوں کی آگ سرد پڑنے لگی۔ اس نے لپک کر پھڑپھڑاتا ساڑھی کا پلو تھام لیا۔ وہ اب پرسکون سا ہو کر مسکرا رہا تھا' مگر یہ کیا۔۔۔ یک بیک ہی گلابی ساڑھی میں ملبوس وجود کی آنکھیں بدل گئیں۔ ان آنکھوں کا نرم تاثر غائب ہو گیا' اس کی جگہ قہر نے لے لی۔ مسکراہٹ تو ہونٹوں پر اب بھی موجود تھی' مگر نامہربان' کریہہ مسکراہٹ۔۔۔ پھر یک بیک اس کا ہاتھ اٹھا اور ایک زناٹے دار تھپڑ کی صورت اس پھولے پھولے گالوں والے بچے کے گال پر پڑا۔ وہ الٹ کر پیچھے گرا تھا۔ ساڑھی کا پلو اس کے ہاتھ سے پھسل گیا تھا۔

"سن پولے۔۔۔ تو دیکھنا ایک دن تیرا گلا گھونٹ دوں گی۔ آ' اب میرے نزدیک آ۔" وہ دونوں بانہیں پھیلا کر آگے بڑھی۔ اسی وقت ایک اور وجود نہ جانے کہاں سے نمودار ہوا اور وہ بھی گلابی ساڑھی والی کی تقلید میں اس کی جانب دونوں بانہیں پھیلائے بڑھا۔

"آؤ سائر! میرے پاس آ۔۔۔ آؤ نزدیک آؤ۔"

"آ' اب آ میرے قریب' چھری سے تیرا گلا کاٹ دوں گی' اگر اپنی زبان کھولی تو۔" وہ بے تحاشا قہقہے لگا رہی تھی۔ بے ربط سے مگر دل دہلانے والے الفاظ بول رہی تھی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں مجھے چھوڑ دو۔۔۔ چھوڑ دو۔" وہ اپنی جان بچانے کے خیال سے دوڑ پڑا۔

"سائر ٹھہرو۔۔۔ میں بھی آتی ہوں' نیچے فون بھول گئی تھی نا چھت پر اکیلی تھی۔" وہ مکاری سے آنکھیں مٹکا کر بولی۔

"ہائے۔۔۔" کسی نے زور سے کہا تھا' وہ ہنسنے لگی۔

"نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں خدا کے لیے تم دونوں مجھے چھوڑ دو۔" وہ دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ کر دوڑ رہا تھا۔ آسمان اب بارش برسا رہا تھا۔ انگاروں کی بارش۔۔۔

"ہاہاہا۔۔۔ آاب آ نزدیک آ۔"

"سائر میں ماریہ کے ساتھ اکیلی تھی ہاہاہا۔"

دونوں آوازیں مدغم ہو رہی تھیں۔ وہ دوڑتا رہا' یہاں تک کہ وہ دونوں بہت دور رہ گئیں۔ کسی چیز سے اس کا پاؤں الجھا تھا۔ وہ منہ کے بل زمین پر آرہا۔ ایک جھٹکے سے سائر کی آنکھ کھلی تھی۔ اس کی سانس دھونکنی کی مانند چل رہی تھی۔ سر سے پیر تک باوجود اے سی کی ٹھنڈک کے وہ پسینے پسینے تھا۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ ارد گرد نگاہ دوڑائی اور دونوں ہاتھوں پر سر گرا لیا۔ کچھ دیر بعد حواس یکجا ہوئے تو اٹھ کر کمرے کے فریج تک آیا۔ اس میں موجود ٹھنڈے پانی کی بوتل نکال کر بے تابی سے لبوں سے لگا کر ایک سانس میں خالی کر دی۔ پھر

اسے یوں ہی پھینک کر سائیڈ ٹیبل سے سگریٹ اٹھا کر ٹیرس پر نکل آیا۔

چار سو مہیب سناٹا بکھرا پڑا تھا۔ آسمان کی گود چاند سے خالی تھی۔

"کیوں آخر کیوں' یہ بھیانک خواب میرا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتا۔ میں کب تک اس خواب کا بوجھ ڈھوتا رہوں گا۔" اس نے سگریٹ کا ایک گہرا کش لے کر گاڑھا دھواں فضا میں بکھیرا۔

زندگی کتنی آگے بڑھ گئی' مگر یہ خواب آج بھی وہیں کھڑا ہے۔ میں اپنا دامن اس سے کیوں نہیں چھڑا پایا اور میرب۔۔۔ ہاں میرب بھی تو تھی آج اس خواب میں۔ وہ بھی میرا پیچھا کر رہی تھی۔ خواب الہام ہوا کرتے ہیں' تو کیا آج کا یہ برسوں پرانا خواب میرے لیے کوئی اشارہ ہے؟ کیا میرب اس عورت کی جگہ لینے والی ہے؟ اف خدایا میں کیا کروں؟" اس نے بے چینی سے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔ گویا کہ وہاں سے جواب کا طالب ہو۔

"مگر میں تو وقار نہیں ہوں' کچھ دیر مضطرب رہنے کے بعد اس کی بادامی ساحر آنکھوں میں چمک سی لہرائی تھی۔ ہاں۔۔۔ اگر وہ اس عورت کی جگہ بھی آگئی میں تب بھی سائر ہی رہوں گا' وقار ہرگز نہیں بنوں گا۔ وقار شاید مجبور تھا یا کم ہمت' مگر سائر فاروقی نہ ہی مجبور ہو سکتا ہے اور نہ ہی بے بس اور یہ بات وقت آنے پر میں بہت اچھی طرح ثابت کروں گا۔ اس نے جیسے تہیہ کیا' سگریٹ زمین پر پھینک کر چپل پہنے پاؤں سے یوں مسلی جیسے وہ چشم تصور میں کسی کا سر کچل رہا ہو۔

آسمان پر نمودار ہوتی سفید دھاری نے بڑی مشکل سے یہ تاریک منظر دیکھا تھا۔ چرند پرند ثناء خوانی میں مشغول ہو چکے تھے۔ فجر کی اذان بلند ہونے لگی۔ وہ واپس اندر پلٹ آیا۔

☆ ☆ ☆

"یہ لیجیے کھایے' آپ نے یہ سیب پورا ختم کرنا ہے۔" میرب نے پیار بھری دھونس اپنے والد ابراہیم صاحب پر جماتے ہوئے کہا۔

کل رات اس پر بے حد گراں گزری تھی۔ سائر کا بند فون بند ہی رہا۔ وہ اس کی ناراضی کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھی۔ اور کچھ کچھ خود بھی اس سے ناراض ہی تھی۔ اگر کوئی شکایت تھی تو کہنا چاہیے تھا یہ کیا کہ فون بند کر دیا۔ اب مقابل پریشان ہو تا رہے۔ بڑی مشکل سے اس کی آنکھ لگی تھی۔ فجر کی نماز بھی قضا ہو گئی۔ وہ کف افسوس ملتی ساڑھے نو بجے اپنے کمرے سے باہر آئی تھی۔ ان کی ملازمہ رکھی صفائی ستھرائی سے فارغ ہو کر اب ناشتے کی تیاری کر رہی تھی۔ میرب نے اس کے ساتھ مل کر عاشر کے من پسند قیمے کے پراٹھے بنائے۔ میز لگوا کر اور رکھی کو تھوڑی دیر بعد چائے لانے کا کہہ کر وہ میز پر آبیٹھی۔ اب وہ ابراہیم صاحب کو بڑی نفاست سے سیب کاٹ کاٹ کر دے رہی تھی۔ ساتھ ساتھ یہاں وہاں کی باتیں بھی کر رہی تھی۔

"اوں ہوں بس بھئی۔" ابراہیم صاحب نے اسے مزید ایک قاش اپنی طرف بڑھاتے ہوئے دیکھ کر نفی میں ہاتھ ہلایا' انہوں نے ایک ہاتھ سے اخبار پکڑ رکھا تھا۔

"ایک سیب تو پورا کھا لیجیے بابا۔" وہ اصرار کرنے لگی۔ "اپنی صحت کا آپ ذرا بھی دھیان نہیں رکھتے ہیں۔ جب کھائیں گے پئیں گے' نہیں تو صحت بھلا خاک بنے گی۔" وہ ناراضی سے بولی۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو؟" اسی وقت نکھرا نکھرا سفید کاٹن کے شلوار کرتے میں گیلے گھنے بالوں میں انگلیاں چلاتا عاشر کرسی گھسیٹ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"میری تو ایک نہیں سنتے تم ہی کچھ سمجھاؤ۔" وہ اپنے آگے رکھی پلیٹ میں گرما گرم پراٹھا ہاٹ پاٹ سے نکال کر رکھتے ہوئے بولا۔

"کیا سنوں برخوردار! تم مانتے ہو میری' جو میں تمہاری بات سنوں۔" اب کی مرتبہ وہ بھی خفگی سے بولے۔

"ارے کیا ہوا خیریت؟" میرب نے چونک کر رغبت سے پراٹھوں سے انصاف کرتے عاشر کو دیکھا۔

''بابا تم سے خفا ہیں کیا؟'' وہ مسکرا کر پوچھنے لگی۔ ان دونوں کے مابین کسی نہ کسی وجہ سے کبھی کبھی اختلاف رائے ہو جاتا تھا' وہ یہی سمجھی۔

''میں تو نہیں جانتا تم خود ہی پوچھ لو۔'' وہ تجاہل عارفانہ سے گویا ہوا۔

''آپ ہی بتا دیں۔'' وہ ان کے نزدیک نیم گرم دودھ کا گلاس رکھ کر بولی۔ جو وہ بنا کچھ کہے اٹھا کر غٹاغٹ پی گئے اور نیپکن سے منہ صاف کر کے اپنا اخبار سنبھال کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔ تم اسے اچھی طرح سمجھاؤ' مجھ سے گھر میں چھائے سناٹے مزید برداشت نہیں ہوتے۔ بہتر ہو گا کہ یہ اپنے لیے کوئی فیصلہ کر لے۔'' وہ جاتے جاتے اسے اصل بات سے آگاہ کر گئے۔ میرب کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''اچھا تو یہ بات ہے۔'' اس نے اپنے سے دو تین سال بڑے مگر بے تکلف بھائی کی جانب شرارت آمیز نگاہوں سے دیکھ کر کہا۔

''ہوں۔ بات تو یہی ہے۔'' عاشر نے اقراری انداز میں سر ہلایا۔

''تو تم بابا کی بات مان کیوں نہیں لیتے؟ آخر اس میں حرج ہی کیا ہے' یوکے میں اچھی جاب ہے تمہاری' کہو تو تمہارے لیے میں کوئی لڑکی دیکھوں؟'' میرب نے خلوص دل سے پیشکش کی۔ رکھی چائے رکھ کر پلیٹ رہی تھی اسے رکنے کا اشارہ کیا اور چائے بنا کر اسے کپ تھما کر بولی ''یہ بابا کو دے آؤ۔''

''اس کی ضرورت نہیں۔'' وہ قہقہہ لگا کر اپنے لیے چائے بنانے لگا۔

''یہ تو غلط بات ہے عاشر۔'' وہ فہمائشی لہجے میں بولی۔ ''تم شادی اب نہیں تو پھر کب کرو گے؟'' وہ چائے کا گھونٹ بھر کر اسے دیکھنے لگی۔

''یار دیکھو۔ اس سال تو بالکل بھی ارادہ نہیں ہے۔ بابا کی خواہش اپنی جگہ' مگر میرا کیریئر اس وقت بڑے اہم موڑ پر ہے۔ ویسے ہی تمہاری شادی کے سلسلے میں اتنی چھٹیاں لے چکا ہوں۔'' وہ چائے کا گھونٹ بھر کر ٹالنے والے انداز میں بولا۔

''میں شادی کا پوچھ رہی ہوں تم چھٹیوں کا کہہ رہے ہو۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی؟'' وہ ناراضی آمیز لہجے میں بولی۔

''بھئی شادی کے لیے بھی تو چھٹیاں درکار ہوں گی یا نہیں۔'' عاشر نے جیسے بڑے پتے کی بات کی۔

''اب اتنی چھٹیاں لیتا رہا تو کہیں وہ لوگ میری مکمل چھٹی ہی نہ کر دیں۔ یوں بھی آج کل میری کمپنی میں ڈاؤن سائزنگ زوروں پر ہے۔'' وہ نچلا لب بھینچ کر شرارتی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے گویا تھا۔

''تم بھی عجیب بات کرتے ہو' شادی اتنی آسانی سے تھوڑی ہوتی ہے؟ ابھی تو لڑکی ہی نہیں دیکھی گئی' باقی معاملات تو بعد کی بات ہیں۔'' وہ جیسے اس کی سادہ لوحی پر مسکرائی تھی۔

''لڑکی دیکھنے کی زحمت مت کرنا۔'' اس نے ٹوکا۔

''لڑکی نہیں دیکھیں گے تو پسند کیسے کریں گے؟'' وہ حیرانی سے بولی۔

''وہ میں پسند کر چکا ہوں۔'' وہ قطعی لہجے میں بولا۔

''رئیلی' میرب نے خوشگوار حیرت سے کہا۔ ''گھنے ہو پورے' کہاں پسند کی؟ کیسی ہے؟ وہیں لندن میں یا یہاں پر تمہارے کسی دوست کی بہن ہے؟'' خوشی سے کھنکتی آواز میں سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

''میرا خیال ہے کہ دس بارہ اندازے اور لگا لو شاید جواب تک رسائی ہو ہی جائے۔'' وہ جیسے چڑ کر بولا۔

''سوسوری۔'' وہ جلدی سے بولی۔ ''چلو تم ہی بتا دو کون ہے وہ؟'' اس نے مشتاق لہجے میں پوچھا۔

''سائر کی بہن۔ اجیہ۔'' وہ نہایت سکون سے بولا۔ اور چائے کا آخری گھونٹ بھر کر پلیٹ پرے سرکا دی۔

''اجیہ؟'' اس نے تحیر سے دہرایا۔ پتا نہیں کیوں مگر وہ یہ نام بلکہ غیر متوقع نام سن کر کچھ پریشان سی ہو گئی۔

''ہاں کیوں؟ کیا اچھی نہیں ہے وہ۔'' اس مرتبہ عاشر نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔

''بہت اچھی ہے۔'' وہ سنبھل کر بولی۔

"مگر" اس کے آگے وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔
"کیوں کیا کہیں انکیجڈ ہے؟" وہ خود سنجیدگی سے پوچھنا گیا۔
"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں مگر شاید سائرہ اس کا رشتہ یہاں کرنا پسند نہ کریں۔ دہرا رشتہ جوڑنے میں بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔" وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔
"خیر۔ خیر۔" وہ دونوں ہاتھ اٹھا کر ہلکے پھلکے لہجے میں گویا ہوا۔ "وہ مجھے واقعی پسند آئی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں سب کچھ داؤ پر لگا کر اسے پانے کا متمنی ہوں۔ رشتوں کی نزاکتیں اور باریکیاں شاید میں اتنی نہیں سمجھتا مگر پھر بھی یہ جانتا ہوں کہ ایسی شادیاں بعد میں مسائل بھی پیدا کر سکتی ہیں۔ تم بالکل فکر مت کرو میں نے تو یوں ہی ایک بات کی ہے۔ اگر تم مناسب سمجھو تو معاملہ پروسیڈ کرنا ورنہ نہیں' میں تمہیں تفکرات میں دھکیل کر اپنی خواہش کو پورا کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔" وہ یقین دلانے والے لہجے میں بولا۔ وہ یقین نہ بھی دلاتا تب بھی میرب اپنے بھائی کو اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ اس پہ اور بابا پر اپنی جان بھی نچھاور کر سکتا تھا۔ یہ تو محض ایک چھوٹی سی خواہش تھی۔ اس کے محبت بھرے انداز پر میرب کی آنکھیں نم ہو گئیں۔
"میں جانتی ہوں تم ایک بہت اچھے بھائی ہو۔" وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھ کر مسکرائی۔
"ہوں تو سہی۔" وہ بھی مسکرا دیا۔ تب ہی تیز تیز بولتی ماریہ ڈائننگ ایریا میں داخل ہوئی۔
"واہ جناب واہ۔ یہاں اطمینان کا یہ عالم ہے کہ ابھی تک ناشتہ ہی تمام نہیں ہوا۔ اور وہاں ہماری والدہ ماجدہ نے رات ہونے والی دعوت کی فکر میں ہمیں ٹھیک سے ناشتہ بھی نہیں کرنے دیا۔ چلو لڑکی بتاؤ' ناشتے میں کیا ہے' بڑے زوروں کی بھوک لگی ہے اور یہاں بڑی اشتہا انگیز خوشبو چکراتی پھر رہی ہے۔" ماریہ نے بے نقط بولتے کرسی کھینچی اور اس پر بیٹھ گئی۔
"ماریہ بولنے کے درمیان سانس لینے کا وقفہ تو لیا کرو۔" عاشر نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے ٹوکا۔ "میں ذرا ایک کام سے اپنے دوست کی طرف جا رہا ہوں ایک گھنٹے تک واپسی ہو جائے گی۔ انتظامات کے سلسلے میں کوئی بات ہو تو مجھے فون پر کانٹیکٹ کر لینا۔ باقی میں آ کر دیکھتا ہوں' اوکے۔" وہ کہہ کر میز سے اٹھ گیا۔ میرب نے ہلکے سے اثبات میں سر ہلا دیا پھر انتہائی تیزی سے بڑے بڑے نوالے نگلتی ماریہ کی جانب متوجہ ہوئی۔
"ماریہ آرام سے کھاؤ' اور آنٹی سے کہو رات کی دعوت کی اتنی ٹینشن مت لیں' سب ہو ہی جائے گا۔" وہ رسان سے بولی۔
"ایسا ہے کہ یہ بات تم خود آکر امی سے کہہ دو۔" نوالہ چبانے کے دوران مشورہ دیا گیا۔ "میری تو سنیں گی نہیں۔ انہیں کون سمجھائے کہ بی بی میرب شادی کے دو ہی ہفتے بعد ان کی محبتوں کو احسان سمجھنے لگی ہیں۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔
"میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے؟" میرب سرعت سے کھسیاہٹ آمیز لہجے میں بولی۔ "آنٹی کی محبتوں کو میں احسان ہرگز نہیں سمجھتی۔ ماریہ کیا تم مجھے اتنا کم ظرف گردانتی ہو؟" اس نے متاسف لہجے میں سوال کیا۔
"بس بس زیادہ ملکہ جذبات بننے کی ضرورت نہیں۔ امی نے تمہیں رات کا مینو ڈسکس کرنے کے لیے بلوایا تھا۔ لیکن روسٹ اور بریانی وہ خود بنائیں گی۔ میٹھا وغیرہ ہمارا شیف بنا لے گا۔ چائنیز وہ کسی اچھی سی جگہ سے منگوا لیں گی۔ سیخ کباب اور بوٹی میری نیت کر چکی ہیں وہ۔ ڈنر سے پہلے گوگی (شیف) انہیں باربی کیو کرے گا۔ اور کچھ ذہن میں آتا ہو تو بتاؤ اور ہاں چائے نکالو میرے لیے ذرا۔" اس نے ٹشو سے ہاتھ اور منہ صاف کرتے ہوئے کہا۔
"بس بس یہ سب تو ٹھیک ہے۔"
"باقی باتیں تم امی سے ڈسکس کر لو۔ ابھی چلو' پھر شام میں تمہیں پارلر بھی جانا ہو گا۔" وہ اسٹرونگ چائے کا گھونٹ بھر کر بولی۔

"کس خوشی میں؟" اس کے چتون تیکھے ہوئے۔
"اپنی چوتھی کی دعوت کی خوشی میں۔" وہ ترنت بولی۔
"میں گھر میں ہی تیار رہوں گی۔" وہ چبا چبا کر بولی۔
"ہاں اور ماشاء اللہ ایسا ہوں گی کہ سائرہ بھائی چیخ مار کر بھاگیں گے۔ بڑی آئیں روحانہ اقبال کی جان نشین۔ آئی لائنر تک تو لگانا آتا نہیں تمہیں۔" اس نے گھر کا۔ مگر اس کا دھیان کہیں اور اٹک گیا تھا۔ سائرہ اور اس کے بند فون کی جانب اس کی ناراضی کی جانب۔ اور ناراضی کی نا سمجھ میں آنے والی وجہ کی جانب۔ ماریہ نے چائے ختم کی اور اسے ساتھ لیے اپنے گھر کی طرف بڑھنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے بیٹا۔ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔"
رات بھر نیند نامہربان رہی تھی۔ ذہن مختلف سوچوں میں گھرا تھک سا گیا تھا۔ تو ایسا کیوں کر ممکن تھا کہ ذہن کی تھکاوٹ چہرے اور بے خوابی آنکھوں سے عیاں نہ ہوتی۔ گو کہ وہ اپنی جانب سے اچھی طرح شاور لے کر اور فریش ہو کر ہی ناشتے کی میز پر آیا تھا مگر کچھ آنکھیں ایسی ہوتی ہیں جو آپ کے چہرے نہیں من پڑھنا جانتی ہیں۔ ان ہی آنکھوں نے یہ سوال پوچھا تھا۔
"جی بابا' ٹھیک ہے طبیعت۔" وہ توس پر مکھن لگاتے ہوئے بولا۔
"پھر تمہارا چہرہ ستا ہوا کیوں ہے؟" انہوں نے تشویش سے پوچھا۔
"بس نیند پوری نہیں ہوئی رات میں اور کوئی بات نہیں۔" وہ اپنے ازلی سنجیدہ و محتاط انداز میں بولا۔
"تو بیٹا ابھی تھوڑا اور سو لیتے تم۔ اتنی جلدی کیوں جاگ گئے۔ یوں ہی تھکے تھکے سے جاؤ گے کیا رات میں اپنی دلہن لینے۔" مہ پارہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"جلدی جاگنا میری عادت ہے۔ میں چاہوں نہ چاہوں' جلدی جاگ ہی جاتا ہوں۔" وہ بظاہر چائے کے گھونٹ لے رہا تھا مگر اس کا دھیان واضح طور پر کہیں اور تھا۔ یہ بات مہ پارہ بھی محسوس کیے بنا نہ رہ سکیں۔
"کیا بات ہے بیٹا! کوئی مسئلہ ہے تو ڈسکس کرلو' اپنے اعصاب پر طاری کیے کیوں بیٹھے ہو؟" وہ نرمی سے بولیں۔
"کہہ دینے سے بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔" وقار متانت سے بولے۔
کئی بار بڑھ بھی جاتا ہے بابا کئی گنا۔ اس نے من ہی من سوچا۔ تاہم بولا تو یہ کہ۔
"آپ لوگ ناحق پریشان ہو رہے ہیں میں بالکل ٹھیک ہوں۔ دوپہر کو تھوڑی نیند لے لوں گا تو مزید فریش ہو جاؤں گا۔"
"ہاں یہ ٹھیک ہے ویسے ڈنر کے لیے کب تک نکلنا چاہیے نو بجے تک ٹھیک رہے گا؟" مہ پارہ' وقار صاحب سے باتیں کرنے لگیں۔ وہ ان دونوں کی گفتگو سے بے نیاز چائے کے سپ لیتا ہوا نجانے کیا سوچ رہا تھا۔ اس کا اندازہ اسے بھی نہ ہو سکا۔

☼ ☼ ☼

یہ ایک متوسط علاقے کے متوسط درجے کے گھر میں اتری صبح کا منظر تھا۔ سامنے لائن سے بنے تین کشادہ کمرے۔ برآمدے اور بڑے سارے صحن کے سیدھے ہاتھ پر بنے باورچی خانے' غسل خانے پر مشتمل اس گھر کے مکینوں کے مزاج میں شرافت سادگی اور اخلاص بدرجہ اتم پایا جاتا تھا۔ شیخ عبدالحمید جن کی محلے ہی میں چلتی ہوئی پرچون کی دکان تھی۔ صوم و صلوٰۃ کے پابند سیدھے سادے آدمی تھے۔ پارلیش' سرخ و سفید چہرہ۔ محلے میں ان کی بڑی عزت تھی۔ ان کی شریک حیات بی بی رقیہ بڑی نیک اطوار' نیک سیرت اور باپردہ خاتون تھیں۔ قاسم ان کا بڑا بیٹا بی اے کرنے کے بعد اپنے والد کی دکان سنبھال رہا تھا۔ ہاشم ابھی میٹرک میں تھا۔ قاسم کے بعد نازو' چندا اور نانو تھیں۔ نازو انٹر کے بعد تعلیم کو خیرباد کہہ چکی تھی۔ اب گھر کے کاموں میں ہمہ وقت مصروف دکھائی دیتی۔

اس کی نسبت اس کے ماموں زاد سے طے تھی۔ مانو اور چندا بالترتیب کالج کے پہلے اور دوسرے سال میں تھیں۔ مانو خاصی پڑھاکو لڑکی تھی۔ جبکہ چندا۔

اس کا دل زیادہ تر غیر نصابی سرگرمیوں میں لگتا۔ کالج کا کوئی بھی رنگا رنگ ایونٹ ہو اس کے بغیر ادھورا تھا۔

گھر کے تمام افراد خانہ صحن میں بچھی دری پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔

"ارے کوئی چندا کو تو آواز دو۔ اس نے نہیں کرنا کیا ناشتہ؟" شیخ صاحب نے رات کی روٹی چائے سے نگل کر پریشانی سے کہا۔

"وہ شہزادی تیار تو ہو جائے پہلے۔" بی بی نے کچھ بے زاری سے سر جھٹکا۔

"گھر کے تمام افراد خانہ کو ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا چاہیے' اس سے برکت ہوتی ہے۔" وہ نرم روی سے ناصحانہ انداز میں بولے۔

"سب ہی ساتھ کھاتے ہیں سوائے اس شہزادی کے۔ ان نیک بختوں سے زیادہ آپ کی نصیحتوں کی ضرورت اس مہارانی کو ہے۔" وہ ناپسندیدہ لہجے میں بولیں۔

"اری نیک بخت۔۔۔؟ نہ اس کے لیے ایسا کڑوا لہجہ اختیار کیا کر۔ جب اللہ سائیں نے اس کا مزاج ہی دوسرے طرح کا بنایا ہے تو اسے سمجھانا اور سکھانا بھی دوسرے طریقے سے پڑے گا۔ بس کچھ نازک مزاج ہے میری چنداؤں کی بری نہیں۔ یوں اسے جھڑک جھڑک کر اس کا دل نہ میلا کیا کر۔"

"اوئی اللہ۔" بی بی گویا کرنٹ کھا کر اچھلیں' "تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میری وجہ سے وہ بگڑے مزاج کی بن گئی ہے۔ اس میں بھی میری ہی کوتاہی ہے۔ واہ شیخ صاحب واہ! خوب انصاف ہے آپ کا۔ ارے۔ میں ماں ہوں اس کی۔ میں اسے بگاڑوں گی۔" وہ روہانسے لہجے میں بولیں۔ شیخ صاحب گڑبڑا گئے۔

"اری' میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ صفائی دینے والے لہجے میں بولے۔

"چھوڑیں اماں! ابا کا واقعی یہ مطلب نہیں تھا۔ چندا او چندا جلدی باہر آکر ناشتا کرو کالج سے دیر ہو رہی ہے۔" قاسم نے گونج دار آواز میں پکارا۔ تب ہی بڑی سی کالی چادر میں ملفوف چندا بیگ تھامے باہر آئی۔

"مجھ سے نہیں کھایا جاتا صبح ہی صبح پراٹھا۔ میرے لیے ڈبل روٹی منگوا لیا کریں۔" اس نے دسترخوان پر دیکھ کر نخوت سے کہا۔

"ناشکری۔۔۔ حلق میں اٹکتے ہیں کیا تیرے پراٹھے۔" اس کی بات پر بی بی بھنا گئیں۔

"ہاں اٹکتے ہیں میرے حلق میں' اب چلو مانو کھا چکی ہو تو۔" وہ بڑے اطمینان سے کہہ کر گھر کے بیرونی دروازے کی سمت بڑھی۔ مانو نے چپ چاپ ناشتا ختم کیا اور رسی پر پڑی اپنی سفید چادر اوڑھ کر بیگ تھامے اس کی تقلید کی۔

"خدا حافظ ابا۔" اس نے مڑ کر ابا کو کہا۔

"خدا حافظ بچیوں فی امان اللہ۔" انہوں نے ملائم آواز میں جواب دیا۔

"دیکھا شہزادی کو حلق میں رزق اٹکتا ہے اس کے۔" وہ تلملائیں۔

"چھوڑو نیک بخت۔۔۔ اب نہیں کھاتی اگر وہ کوئی چیز شوق سے تو مت زبردستی کرو۔ ہاں بھئی قاسم! دکان سے روز لے آیا کرو ڈبل روٹی۔ پیسے میں ادا کر دیا کروں گا کھاتے میں مت لکھنا۔" انہوں نے گویا بات ہی ختم کر دی اور دسترخوان سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ نازو چپ چاپ برتن سمیٹنے لگی۔ ہاشم کو اسکول سے دیر ہو رہی تھی وہ بھی سب کو خدا حافظ کہتا دروازہ عبور کر گیا۔

"ہو بہو تمہاری چھوٹی پھوپھو کی شکل ہے۔ اپنی چھوٹی بہن کو دیوانوں کی طرح چاہتے تھے شیخ صاحب۔ جب میری شادی ہوئی ساس تو بستر سے لگی ہوئی تھیں۔ بڑی بیٹیاں بیاہی ہوئی' چاچیاں تمہاری اسے رکھنے پر تیار نہیں۔ پہلے دن ہی مجھے کہہ دیا تھا شیخ صاحب نے' رقیہ۔۔۔ میرے دل میں جگہ چاہتی ہو تو میری چندا کا خیال کرنا' ورنہ تو تمہاری اس گھر میں کوئی جگہ نہ

ہو گی۔ اپنے بچوں کی طرح رکھا اسے مگر ماں ماں ہوتی ہے ادھر تمہاری دادی ختم ہوئیں بے چاری ایک سال میں ہی ان کے پیچھے چلی گئی۔ برسوں غم زدہ رہے تمہارے ابا۔ تم لوگ کی پیدائش پر البتہ سنبھل گئے مگر اس نامراد کی دفعہ تو ایسے خوش ہوئے گویا ہفت اقلیم کی دولت ہاتھ آگئی ہو۔ بس اسی کا فائدہ اٹھاتی ہے۔" بی بی جو کہانی سنا رہی تھیں قاسم اور نازو کے لیے نئی نہیں تھی پھر بھی چپ چاپ سنے گئے' یہاں تک کہ وہ خود ہی خاموش ہو گئیں اور قاسم اپنی دکان اور نازو برتن دھونے چل دیں۔

☼ ☼ ☼

"ماریہ... میں کیسی لگ رہی ہوں؟" میرب نے کچھ کنفیوز ہو کر ماریہ سے دریافت کیا۔ وہ ابھی ابھی ڈرائنگ روم سے نکل کر ڈنر کے انتظامات وغیرہ کا جائزہ لینے کی غرض سے باہر آئی تھی کہ اس کے پیچھے میرب چلی آئی۔

"ہزاروں روپے پارلر میں جھونک کر تمہیں اچھا ہی لگنا ہے۔ اچھی بلکہ بہت اچھی لگ رہی ہو۔" وہ رکھی کو برتن لگانے کی ہدایت کر کے اس کی جانب پلٹ کر بولی۔

"واقعی اچھی لگ رہی ہوں نا؟" اسے نجانے کیوں اطمینان نہیں ہوا تھا۔

"اُفوہ" وہ جھنجلا گئی۔ "کیا سائر بھائی کی آنکھوں نے نہیں بتایا کہ تم بہت اچھی لگ رہی ہو جو یوں پوچھتی پھر رہی ہو۔ اب جا کر بیٹھو اپنے سسرالیوں کے پاس۔ میں ذرا ٹیبل لگوا کر آتی ہوں سب کو بلانے۔" وہ مصروف سے انداز میں بولی۔

"میں مدد کرواؤں؟" وہ اندر نہ جانے کے لیے یوں ہی بولی۔

"یار... ضرورت ہی نہیں ہے ابھی میں کر لوں گی سب کچھ مگر بہت جلد ہی تمہیں بدلہ چکانے کا موقع ملنے والا ہے' تب یوں خالی نہیں بیٹھنے دوں گی۔" وہ چمکانے لگی تو میرب خوشدلی سے اس کا اشارہ سمجھ کر ہنس دی۔

"ضرور... ضرور۔"

وہ ناچار ڈرائنگ روم میں چلی آئی۔ وہاں اس وقت میرب اور سائر کی فیملی کے علاوہ ماریہ کی فیملی بھی براجمان تھی۔ ماریہ کی امی سعدیہ' مہ پارہ کے ساتھ بیٹھی میرب ہی کی باتیں کر رہی تھیں۔ مہ پارہ کو ان کا میرب سے لگاؤ اچھا لگا' جبکہ وقار اس کے اور ماریہ کے والد وغیرہ ایک طرف بیٹھے ہمیشہ کی طرح ملکی حالات وغیرہ پر تبصرہ کر رہے تھے۔ سائر' حاشر اور سعد نجانے کون سا مسئلہ ڈسکس کر رہے تھے۔ وہ بے زار بیٹھی اجیہ کے پاس ٹک گئی۔

"بھابھی یور لکنگ سو بیوٹی فل... میک اپ کہاں سے کروایا ہے آپ نے؟" وہ دلچسپی سے پوچھنے لگی۔ واقعی موو اور گولڈن کلر کے لانگ فراک اور پاجامے میں نوک پلک سے درست وہ بے حد خوب صورت لگ رہی تھی۔ اس کی نگاہ بے ساختہ سنجیدہ بیٹھے سائر کی جانب اٹھی۔ وہ بھی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ مگر یہ نگاہیں ستائشی یا پرشوق نہیں تھیں۔ وہ اسے دیکھ کر دھیمے سے مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ میں اپنائیت تھی جواباً" اس کے خوب صورت لبوں پر جو چیز نمودار ہوئی وہ مسکراہٹ کے علاوہ سب کچھ تھی۔

"اچھی تو تم بھی بہت لگ رہی ہو۔" اس نے پیار سے اس کا دودھیا گال تھپتھپایا۔ واقعی شاکنگ پنک اور لائٹ پنک لانگ شرٹ ٹراؤزر میں وہ کوئی اپسرا ہی لگ رہی تھی۔ تب ہی تو بار بار عاشر کی نگاہیں چوری کا ارتکاب کر رہی تھیں۔ تب ہی ماریہ نے کھانا لگنے کا اعلان کیا۔ وہ لوگ ڈائننگ ٹیبل تک آئے۔ خوش گوار ماحول میں کھانے کا آغاز ہوا۔

"یہ روسٹ لیں سائر" سعد نے قاب اس کے نزدیک رکھ کر اخلاق سے کہا۔

"آپ زحمت مت کریں' مجھے جو چیز درکار ہو گی' میں لے لوں گا۔ سائر نے کچھ ایسی رکھائی سے کہا کہ سعد کے لب یک دم بھنچ گئے۔ میرب بے دلی سے لقمے لینے لگی۔ بالآخر کھانا تمام ہوا۔ پھر قہوے کا دور چلا اور آخر

میں واپسی۔

میرب کا سامان سعد اور عاشر نے گاڑی میں رکھ دیا۔ وہ اپنے بابا کے گلے لگی 'اپنا خیال رکھنے کی تاکید کرتی رہی۔ سب ایک دوسرے سے الوداعی کلمات کہنے لگے۔ مہ پارہ نے شاندار ڈنر پر سعدیہ بیگم کا بہ طور خاص شکریہ ادا کیا۔ اور انہیں بھی جلد ہی اپنے ہاں آنے کی دعوت دے ڈالی۔ میرب نے سعدیہ بیگم اور ماریہ دونوں ہی کا شکریہ ادا کیا۔ حسب معمول وہ خفگی دکھانے لگیں۔

"چلو بھئی میرب۔۔۔ بیٹھ بھی جاؤ گاڑی میں۔" عاشر نے ٹوکا تو وہ اس کے کندھے سے آ لگی۔

"اللہ حافظ۔" نم آنکھوں سے عاشر نے اسے الوداع کہا اور گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ ملے جلے احساسات میں گھری گاڑی میں آ بیٹھی۔ گاڑی سائر ہی ڈرائیو کر رہا تھا۔ وہ اس کے ساتھ کی سیٹ پر تھی اس نے کن اکھیوں سے سائر کو دیکھا۔ وہ ہنوز سنجیدگی و بے گانگی کا نمونہ محسوس ہوا۔ وہ گردن موڑ کر باہر دیکھنے لگی۔ وقار اور مہ پارہ آپس میں یہاں وہاں کی باتیں کر رہے تھے جبکہ اجیہ اپنے سیل پر مسیجنگ میں مصروف تھی۔

راستہ یونہی تمام ہوا گھر پہنچ کر سب اپنے اپنے کمروں کی جانب بڑھ گئے۔ اس کا سامان کار سے شریف نکال کر اس کے کمرے میں رکھ گیا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی کمرے میں چلی آئی اور چپ چاپ آکر صوفے پر بیٹھ گئی۔ سائر ڈریسنگ روم سے ڈھیلی ڈھالی ٹی شرٹ اور ٹراوزر میں برآمد ہوا۔ وہ اسے مکمل طور پر نظر انداز کیے ہوئے تھا۔ وہ اس سے ناراض تھا' وجہ بتائے بغیر اور یہ چیز اسے جھلاہٹ میں مبتلا کر رہی تھی۔ وہ سگریٹ کا پیکٹ اور لائٹر سائیڈ ٹیبل سے اٹھا کر ٹیرس پر جانے لگا۔

"سائر۔۔۔" تب ہی وہ بے ساختہ پکار بیٹھی۔ وہ رکا مگر پلٹا نہیں۔

"کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟" وہ کچھ جھجک کر بولی۔ اب کی بار وہ پلٹا۔

"تمہیں ایسا کیوں لگا؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر پوچھنے لگا۔

"کیوں کہ آپ کا رویہ میرے ساتھ نارمل نہیں ہے۔" وہ جتانے والے انداز میں بولی۔

"کیا کہنا چاہتی ہو تم۔۔۔ ایب نارمل ہوں میں۔" وہ درشتی سے پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔

"خدانخواستہ" وہ سرعت سے بولی۔ "میں نے یہ تو نہیں کہا۔" وہ سر اٹھائے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"تو پھر کیا کہنا چاہتی ہو تم؟" وہ اکھڑے لہجے میں بولا۔

"سیدھا سا سوال ہے میرا کہ آپ اگر مجھ سے خفا ہیں تو اس کی وجہ کیا ہے۔ مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی ہے تو اس کی نشاندہی کیجیے۔ اس طرح خاموش رہنے سے تو بات نہیں بنے گی۔" وہ پریشان کن لہجے میں بولی۔ یک لحظہ سائر نے اس کے چہرے کی جانب بغور دیکھا گویا اس کی بات کی گہرائی جانچی تھی۔

"میں ٹیرس پہ ہوں۔۔۔ چلو" وہ کہہ کر ٹیرس کی طرف چلا گیا۔ ٹھنڈی سانس بھر کر میرب نے تقلید کی۔ اس نے سگریٹ سلگا کر ایک گہرا کش لیا اور دھواں فضا میں بکھیر دیا پھر غیر مرئی نقطے پر نظر جمائے بولا۔

"میں نے شادی کی رات ہی تم پر واضح کر دیا تھا کہ میرے نزدیک عورت کی خوب صورتی کی کوئی ویلیو نہیں مجھے اس کا کردار اٹریکٹ کرتا ہے' مگر لگتا ہے بات تمہارے سمجھ میں نہیں آئی۔" وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔

"آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں' میں سمجھ نہیں پا رہی۔" میرب نے واقعی الجھ کر اسے دیکھا۔

"میں صاف لفظوں میں بتا رہا ہوں مجھے لڑکوں سے تمہاری بے تکلفی بالکل پسند نہیں۔ اب سمجھ میں آ گئی بات۔" اس نے فضا میں تکتے تکتے اچانک ہی گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"یہ کیسی بات کر رہے ہیں آپ میں بھلا کب کسی لڑکے سے بے تکلف ہوئی؟" ناگواری کی ایک شدید لہر

اس نے اپنے رگ و پے میں اترتی محسوس کی۔
"سعد لو ٹ کا نہیں ہے؟" وہ تمسخرانہ انداز میں بولا۔
"سعد؟" میرب نے تعجب سے دہرایا "اس کا یہاں کیا ذکر؟" وہ بھی تمسخرانہ انداز میں بولی۔
"ذکر تو اس وقت اسی کا ہو رہا ہے۔" وہ زور دے کر بولا۔
"مگر کیوں؟ میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں۔" شدید پریشانی کے زیر اثر وہ بولی۔
"بات اتنی پیچیدہ بھی نہیں کہ تم سمجھ ہی نہ سکو.... اس کی تمہارے ساتھ بے تکلفی مجھے بالکل پسند نہیں، اب آگئی بات تمہاری عقل میں یا ابھی بھی کسی تشریح کی گنجائش ہے۔" وہ اسے دیکھتا ہوا طنز آمیز لہجے میں بولا۔
"مگ... مگر وہ تو میرے بھائیوں کی طرح ہے۔" اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ یہ فضول بات سن کر کس طرح کے رد عمل کا مظاہرہ کرے۔
"تمہارا ایک بھائی ہے کیا وہ تمہارے لیے کافی نہیں؟" وہ کرختی سے بولا۔
"لیکن ہمارے مابین تو بچپن سے بہت بے تکلفی اور دوستی ہے یہ اور بات کہ اس بے تکلفی نے کبھی حد سے تجاوز نہیں کیا۔ میں تو حیران ہو رہی ہوں کہ آپ ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہیں۔" وہ شدید رنجیدگی سے بولی۔
"تم میری بیوی ہو کر میرے سامنے کسی غیر کو ڈیفینڈ کر رہی ہو...." وہ یخ بستہ لہجے میں مستفسرانہ نگاہوں سے اسے دیکھ کر کہنے لگا۔
"نہیں...." وہ بوکھلائی۔ "نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ اچھا ٹھیک ہے اگر آپ کو اس بے تکلفی پر اعتراض ہے تو میں آئندہ خیال رکھوں گی۔" وہ اس کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے جلدی سے بولی۔ دینے کو اس کے پاس بہت سے دلائل تھے اور وہ دے بھی دیتی مگر اچانک ہی اس پر منکشف ہوا تھا کہ وہ جتنی وضاحت کرتی، وہ مزید خدشات میں گھرتا جاتا اور وہ اتنی ناسمجھ اور بے وقوف ہرگز نہیں تھی کہ اس "نان ایشو" پر اپنی شادی کے محض دو ہفتے بعد ہی جھگڑا کھڑا کرلیتی۔ نیا نیا تعلق تھا ایک دوسرے کو سمجھنے میں ایک دوسرے پر اعتماد کرنے میں وقت تو لگنا تھا اور پھر یہ بھی تھا کہ سائر نیا نیا شوہر بنا تھا، سو اس لحاظ سے بھی اس کے لیے خود غرض ہو رہا ہوگا۔ بس یہی سب سوچ کر اس نے اس بات پر مزید بحث مناسب نہیں سمجھی۔ چند ثانیے سائر اس کی جانب کھوجتی نگاہوں سے دیکھتا رہا پھر یک دم بولا۔
"اٹس اوکے، جاؤ.... چینج کرلو۔"
"اوکے۔" وہ مڑ کر اندر جانے لگی۔
سائر کی پرسوچ نگاہیں کالی سیاہ چادر پر چمکتے نگینوں پر تھیں اور اس کے ماتھے پر ابھری رگ اس کی سوچ کی گہرائی کی غمازی کر رہی تھی۔ رات بھیگ رہی تھی اور وہ جھلس رہا تھا ان دیکھی آگ میں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

امثل عزیز شہزاد

ایک ڈھلتی عمر کی عورت سڑک پار کرتے ہوئے ایک لڑکی کو دیکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک ماڈرن عورت ہے۔ وہ اسے چلا کر رکنے کے لیے کہتی ہے لیکن وہ دونوں سڑک پار کر کے گاڑی میں بیٹھ کر چلی جاتی ہیں۔

وقار صاحب کے دو بچے ہیں۔ اجیہ اور سائر... وہ سائر کی شادی کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ان کی بیوی اس دنیا میں نہیں ہے۔ ان کی سالی مہ پارہ خاص طور پر لندن سے اس شادی میں شرکت کرنے آئی ہیں' اجیہ وقار صاحب کو بتاتی ہے کہ سائر اس شادی سے ناخوش نظر آتا ہے۔ وقار صاحب یہ سن کر پریشان ہو جاتے ہیں۔

اجیہ بہت خوب صورت ہے۔ وہ دو ماہ کی تھی جب اس کی ماں چلی گئی۔ وہ اپنی خالہ مہ پارہ سے پوچھتی ہے' اس کی ماں کیسی تھیں۔ مہ پارہ بتاتی ہیں کہ اس کی ماں بہت خوب صورت تھی بالکل کانچ سے بنی مورت۔ وقار صاحب کی بہنیں بھی انہیں احساس دلاتی ہیں کہ سائر اس شادی سے خوش نہیں ہے۔ تب وقار صاحب سائر سے براہ راست بات کرتے ہیں کہ سائر کہیں اور انٹرسٹڈ تو نہیں ہے۔ تب سائر کہتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور وہ اپنے باپ کی کوئی بھی خواہش رد نہیں کر سکتا۔

سائر کی شادی میرب سے ہو رہی ہے۔ میرب دو سال کی تھی جب اس کی ماں بھی دنیا سے چلی گئی تھیں۔ ابراہیم صاحب نے اس کے بعد شادی نہیں کی۔ ان کے پڑوسی اور دوست احمد سعید اور ان کی بیگم نے میرب کا خیال اپنے بچوں کی طرح

مکمل ناول

رکھا۔ سعید صاحب کی بیٹی ماریہ کی میرب سے گہری دوستی ہے۔ ان کا ایک بیٹا عاشر ہے جو اجیہ کو پسند کرتا ہے۔ شادی کی تقریبات میں سائر کا رویہ بہت اکھڑا اکھڑا رہتا ہے۔ شادی کی رات بھی وہ میرب سے بہت رکھائی سے پیش آتا ہے۔ وہ میرب سے کہتا ہے کہ وہ اس سے صرف وفاداری کی توقع رکھتا ہے اور اسے اپنی بہن اور والد کا خیال رکھنے کو کہتا ہے۔
اجیہ کی دوست شینا بہت آزاد خیال لڑکی ہے۔ اس کا بھائی آغا شایان اجیہ میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔ اجیہ بھی اس کی طرف مائل ہے۔ جبکہ میرب کا بھائی سعد، اجیہ کو پسند کرتا ہے۔
سائر کا رویہ میرب کے ساتھ بہت عجیب ہے۔ وہ معمولی باتوں پر شدید رد عمل ظاہر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ کسی بھی لڑکے سے بات نہ کرے۔
وہ عورت جس نے سڑک پر مہ پارہ کو دیکھا تھا۔ ایک خستہ فلیٹ میں رہتی ہے۔ وہاں سے کوئی پرانا پتا نکال کر مہ پارہ کے گھر جاتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ مہ پارہ وہ گھر چھوڑ چکی ہے۔ لیکن وہاں کے مکین اسے وقار صاحب کے گھر کا پتا دے دیتے ہیں۔
تب وہ کہتی ہے وقار آج سے سالوں پہلے تم نے جو اذیت مجھے پہنچائی تھی، اس کے بدلے کا وقت آپہنچا ہے۔"

دوسری قسط

"یار ہو کہاں تم آخر..." فون ریسیو کرنے پر آغا چھوٹتے ہی بولا۔ اجیہ اس وقت ناشتے کے بعد دوبارہ اپنے کمرے میں آکر فیس بک پر مصروف تھی جب ہی آغا کی کال ریسیو کی۔
"یہیں ہوں میں نے کہاں ہونا ہے۔" وہ مسکرا کر بولی اور سامنے ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں دیکھ کر اپنے کھلے بال خوامخواہ سنوارنے لگی۔
"کسی بات کی حد ہوتی ہے اجیہ... تمہارے نزدیک میری کوئی اہمیت ہے بھی یا نہیں۔" وہ بے حد خفا لہجے میں گویا ہوا۔
"تم اتنا ہائپر کیوں ہو رہے ہو۔ آخر بات کیا ہے کچھ بتاؤ گے بھی۔" وہ نرمی سے پوچھنے لگی۔
"بات کیا ہے گزارش ہے جو اتنے دن سے کر رہا ہوں تم سے کہ مجھ سے ملاقات کر لو مگر تم ہو کہ میری بات کو سنجیدگی سے لے ہی نہیں رہی ہو۔" وہ بولا۔
"آغا! گھر میں دعوتوں کا چکر تھا، میں کیسے آتی۔" وہ وضاحتی انداز میں بولی۔
"ختم ہو گیا یہ واہیات چکر؟" وہ چبا چبا کر بولا۔
"ہاں بھئی، ختم ہی سمجھو۔" وہ اب اٹھ کر ٹہلنے لگی تھی۔
"تو پھر کب بجھا رہی ہو پیاس؟" وہ بے تابانہ بولا۔
"پیاس؟" وہ شرارتی لہجے میں بولی۔ "پیاس لگی ہے تمہیں تو جا کر فریج سے پانی پی لو، میں کیسے بجھا سکتی ہوں تمہاری پیاس۔"
"سویٹی" اس نے اس کی شرارت بھانپ کر بڑے پیار سے کہا۔ "یہ دید کی پیاس ہے، تمہیں ہی بجھانی پڑے گی۔"
"تم اتنے مشکل جملے کیسے بول لیتے ہو۔" وہ محظوظ انداز میں بولی۔
"سب تمہارے حسن کے کرشمے ہیں۔" وہ جذبوں سے پر آواز میں بولا۔ اجیہ کے کان دہکنے لگے۔
"تمہارا دماغ خراب ہے۔" وہ اس سے خاصی حد تک بے تکلف ہو چکی تھی۔
"پہلے نہیں تھا، تمہیں دیکھا ہے جب سے تب سے سب یہی کہتے ہیں۔" ادھر شوق کا وہی عالم تھا۔
"تم باتیں بہت بناتے ہو۔ کچھ کام..." اس کی بات ادھوری رہ گئی دروازے پر دستک دے کر لالی نے اندر جھانکا اور بولی۔
"مہ پارہ بیگم صاب نے ادھر بلایا ہے جی آپ کو۔"
"اسٹوپڈ... میں نے کہا تھا کیا کمرے میں داخل

ہونے کو' جاؤ' آرہی ہوں میں۔" وہ اسے ڈانٹ کر بولی۔ وہ بے چاری سر ہلا کر واپس مڑ گئی۔

"کیا ہوا کس پر ناراض ہو رہی ہو؟"

"کچھ نہیں۔۔۔ اچھا آغا میں ایک دو دن میں بتاتی ہوں تمہیں ملنے سے متعلق' بلکہ ایسا کرتے ہیں کل تم شینا کو مجھے لینے بھیج دینا میں کہہ دوں گی کہ اس کے گھر تیں گیٹ ٹوگیدر ہے کیوں ٹھیک ہے؟"

"واہ واہ۔ یہ ہوئی نا بات۔ شینا کو کہہ دیتا ہوں میں' پھر کس وقت آؤ گی بتاؤ۔"

"سات بجے تک ٹھیک رہے گا۔" وہ کچھ سوچ کر بولی۔

"اوکے' پھر ملتے ہیں کل زندگی۔" وہ دلبرانہ لہجے میں بولا۔

"اوکے۔" اجیہ نے فون کا لال بٹن پش کیا اور لیپ ٹاپ شٹ ڈاؤن کرتی ہوئی لاؤنج میں چلی آئی۔ وہاں مہ پارہ' میرب اور وقار صاحب محفل جمائے بیٹھے تھے۔

"جی خالہ جانی آپ نے بلوایا تھا مجھے؟" وہ پوچھنے لگی۔

"ہاں' آؤ بیٹا بیٹھو۔" انہوں نے بڑے پیار سے کہہ کر اپنے نزدیک صوفے پر جگہ بنائی۔ سامنے کے صوفے پر میرب اور دوسرے پر وقار براجمان تھے۔

"کیا ہوا سب خیر ہے؟" وہ بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"ہاں بھئی' الحمد للہ سب ٹھیک ہے۔ یوں ہی ہم ذرا گپ شپ لگا رہے تھے تو سوچا تمہیں بھی شامل کرلیا جائے۔ اکیلی کمرے میں تھسی بور ہو رہی ہوگی۔" وہ مسکرا کر بولیں۔

"بھئی اب بوریت کا کیا سوال عنیر سے میرب بیٹی جو ہے ہماری اجیہ کو کمپنی دینے کے لیے۔" وقار خوش دلی سے بولے۔

"جی بالکل ابو۔۔۔ مجھے تو خود اجیہ میں اپنی چھوٹی بہن دکھائی دی ہے۔" میرب نے دھیمے سے مسکرا کر ان کے کہے کا مان رکھا۔

اجیہ بھی ہلکے سے مسکرا دی مگر اس کے ذہن میں کل کی ملاقات گردش کر رہی تھی۔

"بس بیٹا۔" وفعتاً" مہ پارہ بولیں۔ "میں تو چند روز میں واپس چلی جاؤں گی اب یہ گھر اور گھر والوں کو تم ہی نے سنبھالنا ہے۔ ہماری اجیہ تھوڑی لاابالی اور غیر ذمہ دار ضرور ہے مگر ہے بڑی پیاری بچی تم اس سے دوستی کرکے مایوس نہیں ہوگی۔ وقار بھائی تو تمہارے سامنے ہیں اور رہا تمہارے سرتاج کا سوال۔۔۔ مزاج کا سنجیدہ سہی مگر ہے لاکھوں میں ایک۔ میں امید کرتی ہوں کہ تم اس گھر کو اپنا گھر سمجھو گی اور اسے بھی اتنی ہی اہمیت اور توجہ سے سنوارو گی جتنا کہ اپنے والد کا گھر سنبھالا ہوا ہوگا۔"

"خالہ جان۔۔۔ آپ بالکل بے فکر رہیے ان شاء اللہ آپ مجھے اپنی امیدوں اور ارمانوں کے عین مطابق پائیں گی مگر بحیثیت انسان مجھ سے بھی کبھی کوئی کوتاہی ہوسکتی ہے اس کے لیے میں پیشگی معذرت خواہ ہوں۔" وہ اتنے حلیم لہجے میں بولی کہ وقار اور مہ پارہ

دعائے مغفرت

نگہت عبداللہ کی والدہ محترمہ مقصود بیگم طویل علالت کے بعد اس دار فانی کو الوداع کہہ گئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحومہ نہایت نیک نفس' صابر اور نرم خو طبیعت کی مالک تھیں۔ ان کی دائمی جدائی نگہت عبداللہ کے لیے بہت بڑا صدمہ اور محرومی ہے۔ ادارہ خواتین ڈائجسٹ نگہت عبداللہ کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت میں اعلا مقام سے نوازے' ان کی خطاؤں سے درگزر کرے' نگہت عبداللہ اور دیگر متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

نہال ہی ہو گئے۔

"جیتی رہو میری بچی۔ اللہ تمہیں دونوں جہاں میں ان گنت خوشیاں دکھائے۔"

"آمین۔ آمین" مہ پارہ خلوص دل سے بولیں، پھر کہنے لگیں۔

"بھائی صاحب... میں چاہ رہی تھی کہ میرب کا ہاتھ کل یا پرسوں کھیر میں ڈلوا دیا جائے، میری تو جمعہ کی فلائٹ ہے اس سے پہلے ہی یہ رسم ادا ہو جائے تو مناسب ہے۔ پھر بھلے میرب چاہے مہینہ دو مہینہ کچھ نہ بھی پکائے مگر یہ کچھ نہ کرنے کی جو قدغن ہے یہ بہر حال ختم ہو جائے گی، کیوں؟" انہوں نے تائید چاہنے والے انداز میں پہلے وقار پھر میرب کو دیکھا۔

"بھائی یہ تو خالص خواتین کا شعبہ ہے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ جیسا مناسب سمجھو تم۔ تم ان کی ماں جیسی ہو تمہیں اختیار ہے۔" وقار صاحب ہاتھ اٹھا کر متانت سے بولے۔ اور اجیہ تو اپنا کل کا پروگرام تہس نہس ہوتے دیکھ کر تلملا گئی۔

"وہاٹ نان سینس۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔ "یہ کھیر میں ہاتھ ڈالنا کیا ہوتا ہے؟" اس کی بات پر مہ پارہ بے ساختہ ہنس دیں۔

"بھئی یہ ایک رسم ہے جس کا مطلب ہے کہ نئی دلہن کچھ میٹھا پکا کر گھر کے کاموں کا آغاز کرے گی۔" انہوں نے اسے بتایا۔ میرب مسکرا رہی تھی۔

"مگر میں نے تو کبھی نہیں سنا اس رسم کے متعلق۔" وہ ناراض لہجے میں بولی۔

"کیسے سنتیں؟ رسموں رواجوں کے متعلق تو ماں یا خاندان کی خواتین ہی بتایا کرتی ہیں۔" وہ بولیں مگر اجیہ کا بجھتا چہرہ دیکھ کر انہیں لگا کہ شاید وہ کچھ غلط کہہ گئی ہیں۔ انہیں اس موقع پر یہ تذکرہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔

"چلو اب تو سن لیا نا، خالہ جانی سے۔" میرب نے جیسے اسے تسلی دی مگر وہ مزید کچھ نہیں بولی خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

"بڑی حساس بچی ہے۔ اپنی ماں کی کمی کو بہت محسوس کرتی ہے۔" وہ تاسف سے اسے جاتا دیکھے گئیں۔

"خالہ جانی۔ ماں رشتہ ہی ایسا ہے انسان اپنی عمر کے آخر تک اس کمی کو محسوس کرتا ہے۔" میرب دکھی لہجے میں بولی۔ وقار لب بھینچے خاموش بیٹھے تھے۔

"بس بیٹا، قسمت کے گورکھ دھندے بھلا کب کسی کی سمجھ میں آئے ہیں۔" ان کے سینے میں اک ہوک سی اٹھی۔ میرب نے ان کی بات پر کچھ نہیں کہا۔

"چلو دیکھتے ہیں پھر۔ سارے سے بھی بات کر لیتے ہیں رات کو، اس کی سہولت بھی دیکھنی ہو گی۔" مہ پارہ نے ایک بار پھر گفتگو کا رخ اس جانب موڑ دیا تھا مگر وقار ہنوز خاموش تھے۔ بالکل خاموش۔

☼ ☼ ☼

"یہ نازو کے لیے ہے یہ مانو اور یہ چندا تیرے لیے۔" بی بی نے شاپر میں سے مختلف پرنٹ کے لان کے سوٹ ان تینوں کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔ وہ صبح سے نازو کے ساتھ خریداری کے لیے قریبی بازار گئی ہوئی تھیں۔ اب وہی خریداری انہیں دکھاتے ہوئے ان کے لیے لائے گئے کپڑے انہیں تھمانے لگیں۔ شیخ صاحب اپنے کمرے میں اپنے مخصوص تخت پر بیٹھے حقہ گڑگڑا رہے تھے۔

"بہت پیارا سوٹ ہے اماں۔" مانو چمکتی آنکھوں سے بولی۔

"سامنے سلوانے دے دیں گے۔" نازو بولی۔

"یہ کیسا واہیات کپڑا ہے اماں۔ جب آپ کو معلوم ہے میں اپنی مرضی کے کپڑے خریدتی ہوں تو کیوں بلاوجہ یہ گھٹیا جوڑا لانے میں پیسے خرچ کیے۔ نہ رنگ اچھا ہے نہ ڈیزائن اور نہ ہی کپڑا۔" وہ از حد ناگواری سے بولی۔

"لو خوامخواہ اتنا پیارا تو ہے چندا" مانو بولی۔

"تم چپ کر دو بیٹھو۔ اور تمہیں اتنا ہی اچھا لگ رہا ہے تو تم لے لو میں تو ویسے ہی یہ کپڑا نہیں سلواؤں گی۔" وہ بے زاری سے بولی۔

''ری ناشکری... کیوں کیا کانٹے اگے ہوئے ہیں اس کپڑے میں اور ڈی زین (ڈیزائن) میں تجھے کون سے کیڑے دکھائی دے گئے کم بخت ماری ذرا اس وقت سے جب تیرے بدن پر چیتھڑے لٹک رہے ہوں۔ ارے غضب خدا کا مزاج ہی نہیں ملتے شہزادی کے۔'' وہ آگ بگولہ ہو گئیں۔

''کیوں چندا! اچھا بھلا تو سوٹ ہے۔ شاباش رانی رکھ لے اسے بھی کل پیسے دوں گا اپنی پسند سے بھی لے لینا اور یہ ماں دل سے لائی ہے۔ رکھ لے چل میرا چندا۔'' شیخ صاحب نے حقہ منہ سے نکال کر اسے چمکارا۔

''آپ کہتے ہیں تو رکھ لیتی ہوں مگر کل ضرور مجھے پیسے چاہئیں۔'' وہ احسان کرنے والے انداز میں سوٹ اٹھانے لگی مگر اس سے قبل ہی بی بی نے جھپٹ لیا۔

''بس بس... ان کیڑا لگے کپڑوں کو سینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ دے گا نہ تیرا باوا پیسے لے آنا اپنے لیے اطلس و کمخواب کے ہیرے موتی جڑے سوٹ۔ اسے ہم فقیرنیوں کے لیے چھوڑ دے۔'' وہ بری طرح برانگیختہ ہوئی تھیں۔

''نیک بی بی... یہ کیا بچپنا ہے۔'' وہ ناگواری سے بولے۔

''ہاں بچپنا میں کر رہی ہوں مت سمجھانا کبھی اپنی اس لاڈو رانی کو بیٹھے بیٹھے اور شہ دیے جاؤ۔ ارے جوان جہان لڑکی ہے اس کے بچپنے دکھائی نہیں دے رہے الٹا مجھے بچہ کہہ رہے ہیں۔'' وہ تلخ لہجے میں بولیں۔

''چلو بچیوں دوپہر کی روٹی کی تیاری کرو۔ سامان سمیٹو شاباش۔'' شیخ صاحب نے انہیں جواب دینے کے بجائے بچیوں کو مخاطب کیا۔ چندا ان کی تکرار شروع ہوتی دیکھ کر پہلے ہی پیر پٹخ کر جا چکی تھی جبکہ مانو اور نازو نے پھیلے شاپر سمیٹے اور کمرہ عبور کر گئیں۔

''بی بی دیکھ تیری ہی بات درست ہے میں مانتا ہوں مگر یوں ہر وقت زبان کڑوی کرنا بھی تو دانشمندی نہیں۔ جوان لڑکی ہے ذرا پیار سے سمجھایا کر ماں کی بات میں بڑا اثر ہوتا ہے۔'' وہ اپنے ازلی نرم و ناصحانہ لہجے میں بولے۔

''آپ کافی ہو نا پیار کرنے کے لیے میں تو ہوں ہی اس کی دشمن مگر میں کہہ رہی ہوں شیخ جی... اس کے انداز مجھے ہولاتے ہیں۔ اس کا مزاج آسمانوں پر رہتا ہے کچھ تدبیر کرو۔ اسے نیچے لاؤ کل کو یہ نہ ہو کہ اللہ نہ کرے ہمیں پچھتانا پڑے۔'' وہ اندیشوں سے پر لہجے میں بولیں۔ شیخ صاحب پھر سے حقہ گڑگڑانے میں مصروف ہو گئے۔

☆ ☆ ☆

مہمان کچھ دیر پہلے ہی آئے تھے۔ میرب نے لالی کے ساتھ اندر فریش پائن ایپل جوس بھجوا دیا تھا۔ مہ پارہ نے اسے صرف بادام کی فرنی تیار کرنے کا کہا تھا جو اس نے کر دی تھی۔ باقی سارا انتظام انہوں نے لالی کے ساتھ مل کر کر لیا تھا۔ اجیہ ''نامعلوم وجوہات'' کی بنا پر بگڑے تیور لیے گھوم رہی تھی۔ باقی سب ڈرائنگ روم ہی میں تھے۔ وہ بھی سر پر دوپٹا جما کر وہیں چلی آئی۔

''صد شکر تم نے اپنی شکل تو دکھائی۔'' جوں ہی وہ ماریہ کے قریب بیٹھی اس نے کچھ ناراضی سے کہا۔ تو وہ ہنس دی۔

''چپکے چپکے کیا باتیں ہو رہی ہیں ہمیں بھی بتاؤ۔'' ان کے ساتھ ہی ٹو سیٹر پر سعد اور عاشر تھے۔ یہ سوال سعد کی طرف سے آیا تھا۔

اچانک ہی میرب کے لب بھنچے تھے کہ سیدھے ہاتھ پر موجود صوفے پر سائر بیٹھا اس کی جانب سنجیدہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''کیا ہوا لگتا ہے میرب نے کوئی بھوت دیکھ لیا شاید۔'' وہ اپنے مخصوص شریر انداز میں بولا۔

''ہاں تمہیں دیکھ لیا ہے نا۔'' ماریہ نے مزے سے کہا۔

''حالانکہ اس کا اشارہ تمہاری طرف تھا۔'' عاشر

نے اس کی "اسموکی آئیز" پر چوٹ کی۔

"یہ اشارے وشارے ہماری سمجھ میں نہیں آتے۔ ہم سیدھے سادے لوگ ہیں۔ سیدھی سادی گفتگو ہی پلے پڑتی ہے۔" وہ شاہانہ انداز میں بولی۔

"اشارے بوجھنا تو میرب کا کام ہے اور لگتا ہے اس نے بوجھ لیا ہے۔" سعد ہلکا سا قہقہہ لگا کر بولا۔

"نہیں بوجھ پائی تب ہی گم صم بیٹھی ہے۔" عاشر ہنسا۔

"جی نہیں یہ سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ کر "کسی کو" امپریس کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔" سعد نے "کسی" پر زور دے کر کہا۔

"اپنی اپنی چونچیں بند کر کے سائر بھائی کے پاس جا کر بیٹھو۔ چلو کھسکو یہاں سے۔" ماریہ نے دونوں کو جھاڑا، میرب کا کھویا کھویا انداز وہ بھی نوٹ کر رہی تھی مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ میرب کہیں کھوئی ہوئی ہرگز نہیں تھی بلکہ محتاط سی بیٹھی تھی کہ جانتی تھی کہ سائر کی نظروں کے حصار میں ہے۔ دوسری طرف ابراہیم صاحب، وقار صاحب سے کہہ رہے تھے۔

"میں نے عاشر کے ساتھ انگلینڈ جانے کا فیصلہ کر لیا ہے، کچھ عرصہ اس کے پاس رہوں گا پھر واپسی ہوگی۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ بیٹی بیاہنے کے بعد تو آپ یوں بھی خود کو تنہا محسوس کر رہے ہوں گے۔" وقار نے ان کے فیصلے کی تائید کی۔

"نہیں بھئی... ماشاء اللہ ماریہ بیٹی اور سعد مجھے فی الحال تو تنہائی محسوس نہیں کرنے دے رہے مگر کب تک۔ ان بچوں کی بھی اپنی مصروفیات ہیں پھر عاشر کا بھی اصرار ہے بس اسی لیے ہمت پکڑ ہی لی میں نے۔" وہ بتانے لگے۔

"سعد کے والد نہیں آئے؟" مہ پارہ نے سعدیہ سے پوچھا۔

"بس ان کی کچھ طبیعت ناساز تھی اسی لیے نہیں آسکے۔" وہ بولیں۔

"بھائی صاحب کے جانے کے بعد تو میرب بالکل اکیلی پڑ جائے گی۔" مہ پارہ بولیں۔

"ارے ایسے کیسے۔" وہ برا مان کر بولیں۔ "میرب میری بیٹی ہے۔ میرا گھر اس کا میکہ ہے۔ وہ جب چاہے آئے، ہم بھی خبر گیری کرتے رہیں گے۔"

"سچ سعدیہ! آج کل آپ جیسے پرخلوص لوگ ناپید ہیں۔" وہ ستائشی لہجے میں بولیں۔

"آپ خواہ مخواہ شرمندہ کر رہی ہیں۔ انسان کا دوسرے انسان پر اتنا تو حق ہے ہی۔" وہ انکساری سے بولیں۔

تب ہی اجیہ نے آکر کھانا لگنے کی اطلاع دی، ہلکی پھلکی باتوں کے درمیان کھانا کھایا گیا مگر ایک بات جو ماریہ نے شدت سے محسوس کی وہ میرب کا پہلے کی نسبت خاموش اور الجھا الجھا ہونا تھا۔ بہرحال ڈنر کے بعد ان کی واپسی ہوئی۔ لالی دعوت کا بکھیڑا سمٹنے لگی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اپنے کمرے میں داخل ہوئی۔ کمرے میں صرف نائٹ بلب روشن تھا اور وہ کمبل تانے کروٹ لیے غالباً "سو چکا تھا یا جاگ رہا تھا" میرب اندازہ نہ کرسکی۔

ایک عجیب سی تھکن نے اس کے پورے وجود کا احاطہ کر لیا تھا۔ وہ اسی اندھیرے میں بیڈ پر بیٹھ کر اپنی چوڑیاں، جیولری وغیرہ اتارنے لگی۔

"تم آج کے بعد اپنے پڑوسیوں کے گھر نہیں جاؤ گی۔" کچھ دیر بعد سرسراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ چوڑیاں اتارتے اتارتے اس کے ہاتھ ایک لحظہ کو تھم سے گئے۔

"سنا تم نے؟" وہی درشت آواز پھر سنائی دی۔

"سن لیا۔" کہنے کو اس نے کہہ دیا مگر نامعلوم کیوں اس کے آنسو تواتر سے گالوں پر بہنے لگے تھے۔

✲ ✲ ✲

"اچھا بچوں... کوئی غلطی ہو گئی ہو تو معاف کر دینا اپنی خالہ کو... ان شاء اللہ جیسے ہی موقع ملا دوبارہ پاکستان کا چکر لگاؤں گی اور سائر تم میری بیٹی کا بہت

خیال رکھنا' بہت پیاری بچی ہے یہ.... اچھا بھائی صاحب! خدا حافظ۔" مہ پارہ ایئرپورٹ کے لیے نکل رہی تھیں۔ سائر انہیں ڈراپ کرنے جارہا تھا۔ سب سے مل ملا کروہ رخصت ہوئیں۔

"بڑا احسان کیا مہ پارہ نے؟ بے چاری اپنا گھربار چھوڑ کر اتنے دن یہاں ٹھہری رہی۔" وقار صاحب لاؤنج کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔ اجیہ پہلے ہی اپنے کمرے میں جاچکی تھی۔

"جی بابا' بہت ہی نائس خاتون ہیں خالہ جان۔ میں انہیں بہت مس کروں گی۔" میرب افسردگی سے بولی۔ تب ہی لاؤنج میں رکھے ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ سی ایل آئی پر میرب کے گھر کا نمبر چمک رہا تھا اس نے لپک کر فون اٹھایا۔

"بیٹا کیسی ہو؟" علیک سلیک کے بعد اس کے بابا نے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہوں بابا جان۔"

"بیٹا پرسوں ہماری فلائٹ ہے اگر مناسب سمجھو تو یہ دو دن ہمارے ساتھ گزار لو۔" وہ ملائمت سے بولے۔ وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔ پھر کچھ خیال آنے پر بولی۔

"لیں بابا سے بات کریں۔" اس نے فون وقار کو تھمایا۔ ابراہیم صاحب نے سلام دعا کے بعد اپنا مدعا دہرایا۔

"کیسی باتیں کررہے ہو ابراہیم.... ارے بھئی بیٹی ہے میری۔ میرب ٹھیک ہے تم بھیج دو اس کے بھائی کو' میں اسے تیاری کا کہتا ہوں۔" اتنا کہہ کر انہوں نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔

"بیٹا.... دو دن اپنے باپ کے پاس رہ آؤ۔ تمہیں یاد کررہا ہے ابراہیم۔" وہ پرشفقت لہجے میں بولے۔

"میں سائر کی اجازت کے بغیر نہیں جاسکوں گی۔" وہ بے چارگی سے بولی۔

"خوب بھئی بہت اچھی بات ہے۔" وہ جیسے اس کی تابعداری پر خوش ہو کر بولے۔

"مگر بیٹا! سائر کو ایئرپورٹ سے آنے میں کچھ دیر تو بہرحال لگ ہی سکتی ہے اور پھر گھر لوٹ کر کیا معلوم وہ تمہیں لے جاسکے یا نہ لے جاسکے۔ صرف کل کا دن ہی تو ہے درمیان میں' پرسوں تو فلائٹ ہے ابراہیم کی۔ ابھی چلی جاؤ تو اچھا ہے پورا دن ابراہیم اور اپنے بھائی کے ساتھ گزار لوگی' ٹھیک ہے نا بھئی۔" وہ اسے تائید طلب نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

"مگر سائر کی اجازت' میں ان ہی کے ساتھ جاؤں گی۔" وہ متذبذب لہجے میں بولی۔ وہ ہنس دیے۔

"ارے بھئی! سائر کا باپ اجازت دے رہا ہے نا تمہیں' پھر تم کیوں فکر کرتی ہو۔ جاؤ بیٹا تیاری کرو تمہارا بھائی آتا ہی ہوگا تمہیں لینے۔ یوں کرنا سائر کو کال کرلینا۔ اب جاؤ دیر ہورہی ہے۔" اتنا کہہ کر انہوں نے ٹی وی آن کرلیا۔

کچھ دیر تو وہ یونہی عالم تذبذب میں کھڑی رہی پھر کچھ سوچ کر اپنے کمرے کی جانب چل دی۔

☼ ☼ ☼

"کیوں کیا ہے فون؟" آغا نے شدید ناراض لہجے میں استفسار کیا وہ اس وقت کہیں باہر نکلنے کے لیے تیار ہورہا تھا تب ہی اجیہ کی کال موصول ہوئی۔

"تم نے نہیں کیا دو دن سے تو میں نے کرلیا۔" وہ اطمینان سے بولی۔ وہ حسب معمول اپنے کمرے میں بند تھی۔

"وہی تو پوچھ رہا ہوں اس مہربانی کی وجہ۔" وہ اکھڑے لہجے میں بولا۔ اور شیشے میں دکھائی دیتے اپنے عکس پر ناقدانہ نگاہ ڈالی۔

"کبھی کبھی مہربان ہونے میں کچھ حرج نہیں ہوتا۔" وہ اسے تنگ کررہی تھی بات دراصل یہ تھی کہ اس دن اچانک ہی ملاقات کا پروگرام کینسل کرنا پڑا تھا بس تب ہی سے نہ اس نے اجیہ کو کال کی تھی نہ کوئی میسج وغیرہ۔

"مجھے تمہاری بھیک میں ملی ہوئی مہربانی نہیں

چاہیے بہتر ہے اپنے پاس رکھو۔" وہ رکھائی سے بولا۔ اب وہ سائیڈ ٹیبل سے اپنی گاڑی کی چابی موبائل وغیرہ اٹھا رہا تھا۔

"آغا اگر تم نے مجھ سے ایسے ہی روڈ بات کرنی ہے تب میں فون رکھ رہی ہوں' میرا اچھا خاصا موڈ اسپائل کر رہے ہو تم۔" وہ بھی ناراضی سے بولی۔

"اور تم نے جو اس دن ملاقات کا پروگرام بنا کر اچانک منع کر دیا' میرا موڈ بھی ایسے ہی اسپائل ہوا تھا۔" اس نے جتایا۔

"مجبوری ہو گئی تھی' بتایا تھا نا تمہیں۔" وہ خفگی سے بولی۔

"پھر اب کب مل رہی ہو؟" وہ اپنے کمرے سے باہر آتا ہوا ایک دم بولا۔

"کل... تم شینا کو بھیج دینا۔" وہ بولی۔

"اس بار پروگرام ڈن ہے یا ابھی بھی اس کے درہم برہم ہونے کے چانسز ہیں؟" وہ جیسے چڑ کر بولا۔ اور اپنے گھر کا لمبا لاؤنج عبور کر کے گارڈن میں نکل آیا۔

"نہیں' پروگرام ہے بالکل۔" وہ مضبوط لہجے میں بولی۔

"اوکے' پھر کل ملتے ہیں۔" اس نے کہا اور الوداع کہہ کر فون رکھ دیا۔ اجیہ نے ایک آسودہ سانس اپنے لبوں سے خارج کی۔ تب ہی دروازے پر دستک ہوئی وہ چونک گئی۔ لالی تھی۔

"چھوٹی بی بی... بڑی بی بی جا رہی ہیں اپنے گھر۔ صاحب کہہ رہے ہیں انہیں الوداع کہہ دیں۔" وہ کہہ کر مڑ گئی۔ اجیہ لاؤنج میں چلی آئی۔

"اچھا اجیہ... اللہ حافظ" میرب نے گلے لگ کر اسے کہا۔

"اوکے۔" وہ مسکرائی۔ اس کی مسکراہٹ ہمیشہ سے زیادہ روشن اور تابناک تھی۔ میرب کو لینے آئے عاشر کی نگاہیں چکا چوند ہو گئیں۔

"اوکے انکل زندگی رہی تو پھر ملیں گے۔ اوکے اجیہ۔" اس نے وقار صاحب سے مصافحہ کرنے کے بعد چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اس نے بھی خوش دلی سے اوکے کہہ دیا اور یوں عاشر اس کے روپ کا ایک اور انداز آنکھوں میں سموئے گھر لوٹ آیا۔

☆ ☆ ☆

گرمیوں کی چھٹیوں میں کالج میں مینا بازار اور ڈرامہ فیسٹیول کا انعقاد کیا گیا تھا۔ لڑکیوں کی خوشی دیدنی تھی۔ ہر لڑکی اپنی جگہ بہت پرجوش اور خوش تھی۔ مگر چندا کی تیاریوں کی تو بات ہی اور تھی اسے ایک ڈرامے میں قلوپطرہ کا کردار جو ادا کرنا تھا۔ اسے اپنے کپڑے' زیورات' میک اپ وغیرہ کی بڑی فکر ہو رہی تھی۔ کالج میں دیگر ساتھی لڑکیوں کے ساتھ پریکٹس ہو رہی تھی اور اس ریہرسل نے اس وقت مزید سنجیدگی اختیار کر لی' جب لڑکیوں نے سنا کہ ان کا ڈرامہ دیکھنے ملک کے ایک نامور و مشہور ڈائریکٹر بھی بطور مہمان خصوصی تشریف لا رہے ہیں جن لڑکیوں کو اداکاری کا شوق تھا وہ اپنے ہتھیار تیز کرنے کے لیے پوری طرح مستعد ہو گئیں۔ چندا کو اداکاری کا شوق تھا یا نہیں ہاں... مگر اسے یہ شوق ضرور تھا کہ اس کا چہرہ بھی ان چہروں میں سے ہو' جنہیں روبرو دیکھنے کے لیے اک خلقت تڑپا کرتی ہے۔ اور یہی شوق آگے کیا رنگ اختیار کرنے والا تھا یہ تو خود چندا بھی نہیں جانتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کیا بات ہے۔ میرب! میں نے اس دن محسوس کیا تھا کہ تم کچھ پریشان سی رہنے لگی ہو تم ٹھیک تو ہو۔" ماریہ نے ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے دفعتاً" پوچھا۔

"کیوں۔ مجھے کیا ہوا۔" میرب چونک کر بولی۔ وہ دونوں اس وقت گھر کی چھت پر ٹہل رہی تھیں۔ ابراہیم صاحب آرام کرنے چلے گئے تھے۔ عاشر اور سعد کچھ شاپنگ کرنے گئے ہوئے تھے۔

"میں نے محسوس کیا ہے۔ اسی لیے پوچھ رہی ہوں تم کچھ بجھی بجھی سی لگنے لگی ہو۔ جب تم پچھلی بار یہاں آئی تھیں تب تک تو ٹھیک تھیں۔" ماریہ نے پیکٹ کھول کر اس میں سے نمکین مونگ پھلیاں

جھانکتے ہوئے کہا۔
"نہیں تو ایسی تو کوئی بات نہیں۔" میرب نے تردید کی "مگر تمہیں ایسا کیوں محسوس ہوا۔" وہ ٹہلتے ٹہلتے اسے دیکھنے لگی۔
"چلو، تم کہتی ہو تو مان لیتی ہوں۔ ذرا ایک بات تو بتاؤ" اس نے مونگ پھلیوں کا پیکٹ اس کے آگے کرتے ہوئے کہا "یہ سائر بھائی ہمیشہ اتنے سنجیدہ کیوں رہتے ہیں۔ ہنسنے والی بات پر تو بندہ ہنس لیتا ہے، میں نے تو انہیں اس سچویشن میں بھی بے زار ہی دیکھا ہے۔ تم سے کچھ باتیں واتیں کرتے ہیں یا یوں ہی خاموش رہتے ہیں۔" ماریہ نے اب اسے دوسری جانب سے کریدنے کی کوشش کی۔
"دراصل وہ کم گو ہیں۔ مگر یہ کوئی عیب تو نہیں۔" وہ مدافعانہ لہجے میں بولی۔
"نہیں، نہ ہی کم گوئی کوئی عیب ہے، نہ ہی سنجیدگی مگر کچھ تو ہے جو اس بندے میں مسنگ ہے۔" وہ پرسوچ لہجے میں بولی۔
"بہتر ہے کہ تم اپنے انجینیر صاحب پر اپنی توجہ مرکوز رکھو۔ سائر پر توجہ دینے کے لیے میں کافی ہوں۔" وہ دانستہ ہلکے پھلکے لہجے میں بولی۔ مگر درحقیقت وہ پریشان ہو اٹھی تھی۔ ان کا نیا تعلق تھا اگر ابھی سے لوگوں پر سب کچھ آشکار ہونے لگا تو بہت مسئلہ ہو جائے گا۔ ابھی تو ان کا تعلق انڈر اسٹینڈنگ کے ابتدائی مراحل میں تھا۔ اور نجانے کتنے مراحل مزید باقی تھے۔ وہ تو شاید ابھی سے تھکنے لگی تھی۔ تب ہی تو اس کے تاثرات دوسروں پر عیاں ہونے لگے تھے۔
"منہ دھو رکھو مجھے کوئی شوق نہیں ان پر توجہ دینے کا۔" وہ چڑ گئی۔
تب ہی عاشر کی گاڑی پورٹیکو میں آکر رکی۔ اور اس میں سے مسکراتے ہوئے شاپنگ بیگز تھامے عاشر اور سعد برآمد ہوئے۔
"چلو نیچے چل کر ان کی شاپنگ دیکھیں۔" ماریہ نے کہا۔
"تم جاؤ مجھے ذرا سائر کو کال کرنی ہے۔" اس نے ٹالا۔
"کم آن یار۔ کل فلائٹ ہے عاشر کی۔ ہم نے تو سوچا تھا کہ آج کی رات اپنی بچپن کی یادوں کو تازہ کریں گے۔ کیرم کھیلیں گے۔ گپ شپ کریں گے اور تم ہو کہ آج بھی ان ہی "مزاجی خدا" سے باتیں کرنے کو مچل رہی ہو۔" اس نے برہمی سے کہا۔
"تم چلو تو میں آتی ہوں۔" اس نے زور دے کر کہا۔ وہ تاسف سے سر ہلا کر نیچے اتر گئی۔
اس نے ایک گہری سانس لے کر خود کو نارمل کرنا چاہا۔ اور ایک مرتبہ پھر سائر کو کال ملانے لگی۔ بیل جا رہی تھی مگر وہ فون ریسیو نہیں کر رہا تھا۔
اس نے تھک کر فون کان سے ہٹا دیا۔ اور اسے میسج کرنے لگی کہ کن حالات میں وہ یہاں آئی ہے اور یہ بھی کہ اس کا فون ریسیو کرے۔ یا خود اسے فون کرے۔ فون اس نے چھت پر رکھی کین کی چھوٹی سی ٹیبل پر رکھ دیا۔ اور خود لایعنی سوچوں میں گھری سامنے دکھائی دیتے لان میں جھانکنے لگی۔ تب ہی میسج کی بپ ہوئی۔ وہ تیزی سے فون تک آئی۔
"ہم کافی پر تمہارا ویٹ کر رہے ہیں۔ باتیں ہو چکی ہوں تو فوراً" نیچے آجاؤ" ٹیکسٹ ماریہ کا تھا۔ وہ ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔
کچھ دیر وہ یوں ہی گم صم رہی پھر چاروناچار نیچے اتر آئی۔ جہاں وہ تینوں انہماک سے کیرم کی بازی جمائے بیٹھے تھے۔
"بڑی جلدی آگئیں۔" اسے دیکھ کر ماریہ طنزیہ بولی۔
"آجاؤ میرو قسم سے وہ وہ شارٹ کھیل رہا ہوں کہ خود مجھے اپنے آپ پر حیرت ہو رہی ہے۔" سعد نے چہکتے ہوئے کہا۔
"میرے دوست انہیں دھپل شاٹس کہتے ہیں۔ آپ کی حیرت کچھ ایسی بھی بے جا نہیں۔" عاشر تپ کر بولا۔
"آؤ بیٹھو۔" ماریہ نے اپنے نزدیک جگہ بنائی۔
"نہیں تم لوگ بیٹھو۔ میرے سر میں درد ہے

سوؤں گی۔" وہ گہری سنجیدگی سے بولی تو ایک پل کے لیے سب ہی نے اسے حیرت سے دیکھا۔
"چلو کوئی بات نہیں' جاؤ سو جاؤ۔" اس کی اتری صورت نے اس کی کہی بات کا بھرم رکھ لیا تھا تب ہی عاشر نرمی سے بولا۔
"ہاں ہاں تم جاؤ' اس کے لیے تو میں ہی کافی ہوں۔" سعد شیخی سے بولا۔ مگر ماریہ کچھ نہیں بولی۔ حالانکہ صرف وہی تھی جس کے پاس بولنے کے لیے بہت کچھ تھا۔

☼ ☼ ☼

"وہ تو جانا نہیں چاہ رہی تھی میں نے ہی اسے زبردستی بھیج دیا' کہہ رہی تھی سائرے اجازت لے کر جاؤں گی۔ بہت تابعدار اور فرمانبردار بچی ہے۔ بہت خوش نصیب ہو تم سائر! ماشاء اللہ۔ ایسا ہے کہ تم اسے فون کرلینا تاکہ وہ کسی پریشانی کا شکار نہ ہوجائے۔" وہ ماپارہ کو ڈراپ کرکے گھر آیا تو یہاں یہ خبر منتظر تھی۔ وہ جو صوفے کی پشت سے سر ٹکائے ریلیکس بیٹھا ہوا تھا ان کی بات پر چونک کر سیدھا ہوا۔
"کب گئی؟" اس نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔
"کچھ ہی دیر گزری ہے۔" انہوں نے بتایا۔
"اوکے۔" وہ کہہ کر اٹھا اور اپنے کمرے میں چلا آیا۔ اس کا فون رنگ ہو رہا تھا۔ اس نے دیکھا میرب کا تھا۔ اس کے جبڑے یکدم بھینچ گئے اور اس نے فون بنا آف کیے ہی بیڈ پر اچھال دیا۔
عورت اور اس کے مکر' بابا کو اپنی ڈھال بنا رہی ہو میرب۔ بہت غلط کر رہی ہو۔ بہت ہی غلط۔ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

ساری تیاری وہ پہلے ہی مکمل کرچکی تھی۔ مگر وقار صاحب سے اجازت لینے کا مسئلہ اب بھی درپیش تھا۔ دوپہر اب ڈھل رہی تھی۔ وقار صاحب آرام کرنے کے بعد اب اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں چلے آئے تھے اور لالی کو چائے کا کہنے کے بعد اب صوفے پر براجمان چینل سرچنگ میں مصروف تھے۔ تب ہی اجیہ نے موقع غنیمت جانا اور ان کے پاس چلی آئی۔
"بابا۔ وہ بات دراصل یہ ہے کہ" اٹک اٹک کر کہنا شروع کیا۔ زندگی میں انسان بہانہ بازی کرتے ہوئے پہلی دفعہ اٹکتا ہے۔ اس کے بعد رواں ہوجاتا ہے۔ یہ اسے کھیل سا محسوس ہونے لگتا ہے۔
"ہاں بولو۔ کوئی پرابلم ہے۔ پیسے چاہئیں۔" انہوں نے ٹی وی سے نظریں ہٹا کر اسے دیکھا جو کہنے اور نہ کہہ پانے کی متضاد کیفیت کے زیر اثر تھی۔
"میری فرینڈ ثمینا ہے نا۔ اس کے گھر شام میں گیٹ ٹوگیدر ہے۔ مجھے بھی انوائٹ کیا ہے اس نے' ان فیکٹ مجھے لینے آرہی ہے۔ میں جاؤں۔" اس نے تمام تر ہمت مجتمع کرکے کہہ ہی دیا۔ ثمینا کے نام پر بابا کے تاثرات تیزی سے بگڑے تھے۔
"کس قسم کی گیٹ ٹوگیدر۔" انہوں نے خشک لہجے میں استفسار کیا۔
"ایسے ہی۔" اس کا حلق خشک ہونے لگا۔
"بھلا یہ کون سا طریقہ ہے اجازت لینے کا۔ شام میں پارٹی ہے۔ تم ایک گھنٹہ قبل بتا رہی ہو۔ اسے اجازت طلب کرنا نہیں مطلع کرنا کہتے ہیں۔" وہ ناگوار لہجے میں بولے۔
"بابا۔ آج تک میں اس کے گھر نہیں گئی۔ آج موقع تھا تو سوچا کہ" اسے سمجھ ہی نہیں آیا کہ کیا کہے۔ اس کا دل پتے کی طرح لرز رہا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ یہ خوف بھی لاحق تھا کہ اگر انہوں نے نہ جانے دیا تو۔
"آج تک گھر نہیں گئیں تو کیا ہوا۔ وہ محترمہ تو آئے دن یہیں پائی جاتی ہیں۔ پھر کوئی تقریب ہوتی تو اور بات تھی۔ یہ گیٹ ٹوگیدر میں شرکت کرنا کوئی ضروری تو نہیں۔" انہوں نے دوٹوک لہجے میں گویا اپنا فیصلہ سنا دیا۔ اس کے آنسو یکدم ہی بہنے لگے۔
"میری کوئی بہن نہیں۔ ہمارا کوئی رشتے دار نہیں۔ میرا بھی دل چاہتا ہے' کہیں جاؤں' دوست بناؤں تو آپ لوگ خفا ہوجاتے ہیں۔ بتائیں میں کیا کروں۔" وہ اپنا سر تھام کر روتی ہوئی سامنے صوفے پر ٹک گئی۔

وقار اس کے یوں رونے پر بے چین سے ہو گئے۔ لالی جو چائے رکھنے آئی تھی۔ فکر مندی سے اجیہ کو دیکھنے لگی۔

"لالی۔ ذرا پانی لے کر آؤ۔" وقار صاحب نے دھیمے لہجے میں کہا۔ وہ پلٹ گئی۔

"اس طرح رونے سے کیا ہو گا۔ شاباش' خاموش ہو جاؤ۔" انہوں نے نرم روی سے اسے پچکارا۔ انہیں نرم پڑتا دیکھ کر وہ اور زور زور سے رونے لگی۔

"لو پیو پانی۔ لالی بیٹا دو اجیہ کو گلاس۔" لالی پانی لے آئی تھی' انہوں نے صوفے پر بیٹھے بیٹھے ہی اسے کہا۔ در حقیقت اس کے رونے سے انہیں بے حد تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ ان کے بچوں نے ایک محروم زندگی گزاری ہے۔ مگر مجبور تھے' زندگی کبھی کبھار آپ کو اس زاویے سے پٹختی ہے کہ دوبارہ اٹھنا ناممکن میں سے لگنے لگتا ہے۔

"نہیں بیٹا مجھے پانی'" اس نے لالی کا ہاتھ پرے کیا۔

"پانی پیو اور جا کر تیار ہو جاؤ۔ تمہاری سہیلی تمہیں لینے آتی ہی ہو گی۔" انہوں نے دانستہ خوش دلی سے کہا۔

"سچ بابا۔" اس نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بے ساختہ کہا۔

"ہاں جاؤ مگر جلدی آجانا۔ کتنے بجے بھیجوں سائر کو۔" وہ اب ایک مرتبہ پھر ٹی وی پر مصروف ہو گئے۔

"سائر بھائی کو۔ دس' گیارہ بجے تک۔" پہلے تو اس نے سائر کو منع کرنا چاہا مگر آج ہی سارے مطالبات منظور نہیں ہو جانے تھے' اسی لیے واپسی کا وقت بتا دینا اس نے مناسب سمجھا۔ اور جلدی سے اٹھ کر کمرے میں چلی آئی' مبادا وقار کوئی اور سوال کر بیٹھیں۔ وقار نے اس کے کھلکھلاتے وجود کو طمانیت سے دیکھا۔

"چلو کیا حرج ہے۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے بچی۔ جاتی ہی کہاں ہے۔" وہ چائے لبوں سے لگا کر خبریں سننے بیٹھ گئے۔

☼ ☼ ☼

"میری بیٹی اداس ہو رہی ہے۔" ابراہیم آرام کرسی پر بیٹھے تھے جبکہ میرب نے اپنا سر ان کے گھٹنوں پر رکھا ہوا تھا۔

"جی بابا۔ یہ آپ کو یکایک ہی عاشر کے ساتھ جانے کی کیا سوجھی۔" وہ اداسی سے بولی۔

"بیٹا۔ اس کا ذہن مجھ میں ہی اٹکا رہتا اب تو۔ ایسے میں اس کی کام میں یکسوئی متاثر ہوتی۔ اب میں اس کے سامنے رہوں گا تو اسے تسلی رہے گی۔" وہ نرمی سے اس کا سر سہلا کر بولے۔

"اور میں۔ میرا نہیں سوچا آپ نے کہ میں آپ کو کتنا مس کروں گی۔" وہ گردن اٹھا کر انہیں ناراض نگاہوں سے دیکھ کر بولی۔

"مس تو میں بھی کروں گا بچے۔" ان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"مگر تم سے زیادہ اب عاشر کو میری ضرورت ہے۔ تمہاری تنہائی اور میری فکر اب ختم ہو چکی ہے۔ مگر عاشر تو ابھی تنہا ہے نا۔ اس کی تنہائی بانٹنا بھی تو ضروری ہے۔" وہ متانت سے بولے۔

میری تنہائی شاید ابھی ختم نہیں ہوئی بلکہ کچھ اور بڑھ گئی ہے بابا۔ وہ سوچنے لگی۔

"کہاں کھو گئیں۔ بھئی تم تو میرے جگر کا ٹکڑا ہو جو میں نے بڑے مان کے ساتھ وقار کو سونپا ہے۔ اس امید پر کہ وہ تمہارا بالکل اسی طرح خیال رکھے گا جیسا کہ میں رکھا کرتا ہوں اور میرا خیال ہے کہ وقار واقعی تمہیں بہت پیار اور اہمیت دیتا ہے' کیوں؟" وہ اس سے پوچھنے لگے۔

"جی بابا۔ وہ میرا بہت خیال رکھتے ہیں۔" اس نے مضبوط لہجے میں کہا۔ واقعی اس میں شک نہیں تھا۔ مگر جس کے حوالے سے وہ اس گھر میں گئی تھی کیا اسے بھی اس کا خیال ہے۔ وہ پھر سے سوچنے لگی۔

"اب تم اس طرح اداس ہو گی تو میرا دل تو یہیں رہ جائے گا بھئی۔" وہ کہنے لگے "ہم اسکائپ پہ بات کریں گے۔ میں تمہیں فون کرتا رہوں گا۔ اور پھر ایک سال کی تو بات ہے۔ عاشر کا کنٹریکٹ ختم ہوتے ہی ہم واپس لوٹ آئیں گے۔" وہ اسے تسلیاں دیتے رہے۔

"پرامس کریں مجھ سے روز بات کریں گے۔"
میرب نے بچوں کی سی معصومیت سے کہا۔ وہ ہنس دیے۔
"بھئی پرامس۔ اور ہاں' ماریہ کا گھر اب تمہارا میکا ہے' تمہارا جب دل چاہے یہاں آکر رہنا' ملنا۔ کیونکہ یہ گھر تو میں کرائے پر چڑھوا رہا ہوں یوں بھی خالی ہی پڑا رہتا ہے اس نے۔ ٹھیک اب جا کر عاشر کو دیکھو۔ اس کے کام ختم ہوئے یا نہیں۔ یہ نہ ہو کہ فلائٹ نکل جائے۔ اس کی پنکچوئیلٹی سے تو تم واقف ہو نا۔"
وہ مسکرا کر بولے۔
"جی بابا!" وہ اٹھ گئی۔
سارے گھر کا سامان طریقے سے دو کمروں میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ ان کمروں کو مقفل کر کے چابیاں سعدیہ بیگم کے حوالے کر دی گئی تھیں۔ خالی خالی گھر دیکھ کر اس کا دل بھی خالی ہونے لگا۔
اور بابا نے کیا کہا' ماریہ کا گھر میرا میکا ہے اب۔ آپ نہیں جانتے بابا زندگی بہت پیچیدہ ہو گئی ہے۔ اور میں نہیں جانتی کہ ان پیچیدگیوں کو میں کیسے آسان بناؤں گی۔ وہ سوچنے گئی۔

☆ ☆ ☆

مقررہ وقت پر شہنا اسے لینے آچکی تھی۔ وہ سرخ اور سیاہ جدید تراش خراش کے خوب صورت سوٹ میں ہمیشہ کی طرح بہت' بلکہ بے حد اچھی لگ رہی تھی۔ ایک انوکھی سی چمک نے اس کے دلکش وجود کا احاطہ کر رکھا تھا تب ہی اس کے گاڑی میں بیٹھتے ہی تیشنا نے ایک ستائشی سیٹی سے اس کا استقبال کیا۔
"واؤ۔ آج تو پہچانی نہیں جا رہیں تم۔" اس نے گاڑی زن سے آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔
"رہنے دو۔" وہ نجانے کیوں آج شہنا کے سامنے جھینپ رہی تھی۔
"نہیں بلیومی۔ آج تو آغا پاگل ہونے والا ہے۔ خیر وہ تو پہلے ہی سے تمہیں دیکھ کر پاگل ہو چکا ہے۔" وہ بولی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں۔" اس نے تیشنا کا تبصرہ نظر انداز کر کے پوچھا۔
"یار۔ گھر ہی جا رہے ہیں' وہیں ویٹ کر رہا ہے وہ تمہارا۔" اس نے بتایا۔ وہ بہت تیز ڈرائیو کر رہی تھی۔
"گھر۔ وہ گھبرا کر بولی۔" مگر میں گھر میں اس سے کیسے ملوں گی۔"
"کم آن۔ وہاں سے وہ تمہیں کہیں لے جانے والا ہے۔" وہ مسکرائی۔ یوں ہی ادھر ادھر کی باتوں میں اس کا گھر آگیا۔ جہاں آغا پہلے ہی اپنی بلیک بی ایم ڈبلیو میں اس کا منتظر تھا۔ وہ گاڑی سے اتری۔ شہنا زن سے گاڑی دوبارہ بھگا لے گئی۔ وہ کچھ جھجکتے ہوئے گاڑی میں آبیٹھی۔
"زہے نصیب" وہ اس کے بیٹھتے ہی شوخی سے بھرپور آواز میں بولا۔ اجیہ کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ گئے۔ اس کا اعتماد زائل ہونے لگا۔ گاڑی آگے بڑھ گئی۔
"کچھ بولو بھی۔ فون پر تو خاصی گفتگو کر لیتی ہو۔" وہ پھر بولا۔ وہ چاہ کر بھی کچھ بول نہیں پا رہی تھی۔ آغا کے وجود سے پھوٹتی مہنگے کولون کی خوشبو اس کے حواس مختل کیے ہوئے تھی۔
"چپ بیٹھنے کے لیے آئی ہو تو بہت غلط کیا ہے۔ ایسے تو بات نہیں بنے گی۔" وہ بولا۔
"نہیں تم بات کرو۔ میں سن رہی ہوں۔" وہ اپنے حواس کو مجتمع کر کے گویا منمنائی۔
"نہیں میں تمہیں سنوں گا' تم بولو۔" وہ ضدی لہجے میں بولا۔
"کیا بولوں؟" وہ بے بسی سے بولی۔
"یہی کہ میں کیسا لگا؟" وہ بہت خراماں خراماں ڈرائیو کر رہا تھا۔
"تم ہم اچھے ہو۔" وہ کسی قدر اعتماد سے بولی۔
"محض اچھا؟" وہ مایوسی سے بولا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ شاید یہ آتش عشق دونوں طرف برابر لگی ہوئی ہے۔"
"عشق وشق کا تو مجھے نہیں پتا مگر تم اچھے بندے ہو۔" وہ اب کی بار پختہ لہجے میں بولی۔

"چلو تم نے اچھا ہی سمجھ لیا اس ناچیز کو یہی بہت ہے۔" وہ فدویانہ انداز میں بولا۔

"مگر جانِ زندگی۔ میں تم سے عشق کر بیٹھا ہوں۔ اس جرم کی تم جو سزا تجویز کرو گی' مجھے قبول ہو گی۔" اور اجیہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے اس مکالمے کا کیا جواب دے۔

"بھئی' یہ جو تم تھوڑی تھوڑی دیر بعد خاموش ہو جاتی ہو نا' یہ غلط ہے۔" وہ جھلا کر بولا۔

"تمہارے عشق کا میں کیا جواب دوں؟" وہ ناسمجھی سے بولی۔

"بہت نادان ہو لڑکی۔ تمہیں تو بہت کچھ سکھانا پڑے گا۔" وہ جیسے تاسف سے بولا۔

"میں ایک اچھی شاگرد ثابت ہوں گی۔" وہ دلکشی سے مسکرائی۔

"خوب۔ حالات اتنے بھی برے نہیں۔" وہ محظوظ ہوا۔ پھر پوچھنے لگا۔

"کہاں چلنا ہے۔"

"جہاں تم لے چلو۔" اس نے گویا اجازت دی۔

"ہوں۔ جملہ خاصا خوش آئند ہے۔" وہ ذو معنی لہجے میں بولا۔ وہ مسکرا دی۔

اور اس کے سنگ سفر کرتے ہوئے۔ عہد و پیمان باندھتے ہوئے۔ ہر فکر کو چٹکیوں میں اڑاتے ہوئے اجیہ یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ جملہ خوش آئند نہیں تھا۔ بالکل بھی نہیں۔

☼ ☼ ☼

"یہ تمہاری بہن ہے نا' اللہ کی قسم بے حد حسین ہے۔"

مانو آڈیٹوریم میں ناظرین کی نشستوں پر اپنی دوستوں کے گروپ کے ساتھ براجمان تھی۔ آج ڈرامہ قلوپطرہ اسٹیج ہو رہا تھا۔ قلوپطرہ کا کردار چندا ادا کر رہی تھی۔ اداکاری تو خیر اس کی اوسط درجے کی تھی مگر اس کا حسن۔ آج اگر سینکڑوں لوگوں کے درمیان کوئی چہرہ جگمگا رہا تھا تو وہ اسی کا تھا۔ مانو کی سہیلیوں میں سے تھوڑی تھوڑی دیر بعد کوئی نہ کوئی یہ کمنٹ کر رہی تھی۔ کوئی متاثر ہو کر' کوئی رشک سے' کسی کا لہجہ حسد و جلن سے لبریز تھا۔ الغرض آج کی محفل بلاشبہ چندا نے تسخیر کر لی تھی۔

سب کی نگاہوں میں اس کے لیے واضح پسندیدگی تھی مگر کچھ "خاص" نگاہیں اسے کسی اور ہی زاویے سے جانچ رہی تھیں۔

قلوپطرہ۔ جو حسین اتنی نہیں تھی مگر وہ ساحرہ تھی۔ دیکھنے والی نگاہوں کو اس کے گرد ایک مقناطیسیت محسوس ہوتی۔ وہ ساحرہ تھی اور اس کے حسن کے چرچے کئی صدیاں گزر جانے کے بعد بھی تھے اور اسٹیج پر موجود یہ قلوپطرہ ساحرہ ہی نہیں تھی' بے تحاشا حسین بھی تھی۔ اور حسن و سحر کا یہ امتزاج کتنی صدیوں تک چرچوں میں رہنے والا تھا۔

اس کا اندازہ وہ دو نگاہیں لگا رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"گھر چلو شام تک تمہیں' تمہارے سسرال ڈراپ کر دیں گے۔" سعد جو ڈرائیو کر رہا تھا۔ میرب کی اتری شکل دیکھ کر بولا۔ وہ لوگ اس وقت ایئرپورٹ سے واپس آ رہے تھے۔ عاشر اور ابراہیم جا چکے تھے اسے ڈھیروں نصیحتیں' تاکیدیں کر کے۔

"ہاں۔ ویسے بھی اس وقت صبح کے نو ہی تو بجے ہیں۔ آرام سے نیند پوری کر کے جانا تم اپنے گھر۔" ماریہ بھی دل جوئی کرنے والے لہجے میں بولی۔

"نہیں۔ مجھے میرے گھر ہی ڈراپ کر دو۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"کچھ گھنٹوں کی تو بات ہے۔ اس طرح اترا ہوا منہ لے جانا کیا اچھا لگے گا۔" ماریہ نے اپنائیت سے ڈپٹا۔

"پلیز ماریہ! ویسے ہی میرے سر میں درد ہے' اپنے گھر جا کر ہی آرام ملے گا۔" اس نے بے مروتی سے کہا۔ تو ماریہ چپ کی چپ رہ گئی۔ پھر سعد نے بھی کوئی بات نہیں کی' خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔ یہاں تک کہ میرب کا گھر آ گیا اور وہ اپنا چھوٹا سا کالا بیگ تھامے

گاڑی سے اتر آئی۔
"تھینک یو اور اللہ حافظ۔ اس وقت سب سوئے ہوئے ہوں گے، نہیں تو اندر آنے کے لیے کہتی۔" وہ ذرا سا جھک کر اندر جھانکتے ہوئے بولی۔
"شکریہ کی ہمیں ضرورت نہیں' البتہ تمہارا شکریہ کہ تم نے ہمیں اندر آنے کی دعوت دی۔ اب جاؤ اندر۔ ہمیں بھی گھر پہنچنا ہے۔" ماریہ نے اس کی بات کا ناراضی آمیز جواب دیا۔ وہ کچھ کہے بغیر پلٹ کر گیٹ کی طرف چل دی جسے چوکیدار اس کے لیے وا کر چکا تھا۔ وہ تھکی تھکی سی اندر داخل ہوئی گو کہ اس کا بیگ اتنا بھاری نہیں تھا مگر نیند کی کمی' گہری اداسی اور نامعلوم سی تھکن جو وہ خود پر طاری محسوس کر رہی تھی' ان سب نے مل کر اس کا وزن کئی گنا بڑھا دیا تھا۔ تب ہی اس نے ایک جھٹکے سے بیگ پتھر کی روش پر رکھ دیا۔ چند ثانیے رک کر اس نے ایک لمبی سی سانس لی پھر بیگ کا ہینڈل تھامنے کے لیے جیسے ہی ہاتھ بڑھایا' کسی نے اس سے پہلے ہی اسے پکڑ کر اٹھا لیا تھا۔ وہ بے تحاشا چونک اٹھی۔ یہ سائر تھا۔ جو یقیناً" اس وقت جاگنگ سے واپس آیا تھا۔ وہ اس سے بنا کچھ کہے بیگ لیے گھر کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گیا۔ میرب کے قدم من من بھر کے ہوگئے۔ تاہم وہ بھی لان عبور کر کے گھر میں داخل ہوئی۔ اندر صبح کا مخصوص سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔ سائر اس کا بیگ صوفے پر رکھ کر شاور لینے جا چکا تھا۔ آنے والے وقت کے اندیشوں نے اس کا وجود لرزا رکھا تھا۔ سائر کے موڈ کا اندازہ وہ اچھی طرح لگا چکی تھی۔ تب ہی کچھ پریشان' کچھ گم صم سی وہ صوفے پر ٹک گئی۔ تب ہی تولیے سے بال رگڑتا' نکھرا نکھرا سا سائر باتھ روم سے برآمد ہوا۔
"سائر۔ مجھے بابا نے زبردستی بھیجا تھا۔ میں آپ سے پوچھ کر جانا چاہتی تھی مگر سچویشن کچھ ایسی ہو گئی کہ میں بابا کو انکار نہ کر سکی۔ پھر بابا جان اور عاشر کی فلائٹ بھی تھی۔ مجھے ان کے ساتھ بھی تو ٹائم اسپینڈ کرنا تھا نا۔ مگر میں نے آپ کو وہاں جاتے ہی کافی فون کیے مگر آپ نے ریسیو نہیں کیے' نہ ہی میرے کسی میسیج کا جواب دیا۔ بابا بھی آپ کا پوچھ رہے تھے۔ بہت۔ ان سے تو آپ نے فون پر بات کرلی تھی مگر مجھے کال نہیں کیا۔" پتا نہیں وہ کیا کہنا چاہ رہی تھی۔
"تمہارے نزدیک میری کیا اہمیت ہے۔ وہ میں اچھی طرح جان گیا ہوں اس لیے بہتر ہو گا کہ تم مجھے ڈسٹرب کیے بغیر چپ چاپ سو جاؤ یا جو دل چاہے کرو۔" وہ بال سنوارتے سنوارتے یک دم مڑ کر زہر خند لہجے میں بولا۔
"آپ کی اہمیت کیسے نہیں ہو گی سائر! آپ میرے شوہر ہیں۔" وہ احتجاجاً" بولی۔
"مجھے تمہاری بکواس سے دلچسپی نہیں۔" اس نے میرب کا احتجاج چٹکیوں میں اڑا دیا۔
"آخر میں نے ایسا کیا کر دیا ہے سائر! جو آپ مجھ سے شادی کے محض ڈیڑھ ماہ بعد ہی اتنا روڈ بی ہیو کر رہے ہیں۔" وہ روہانسے لہجے میں بولی۔
"اپنے آپ سے پوچھو۔" وہاں اطمینان کا وہی عالم تھا جب کہ اس کے اندر جوار بھاٹا اٹھنے لگا۔ اور وہ یک دم ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ وہ جو بڑے مطمئن انداز میں اپنے بال سنوار رہا تھا چونک کر مڑا۔
"اوہ نو۔ یہ کیا بچپنا ہے؟" وہ اس کے نزدیک آکر ناگواری سے بولا۔ اس کے رونے میں کچھ اور شدت آگئی۔
"پلیز۔ خاموش ہو جاؤ۔" وہ پریشانی سے بولا۔ پھر روم فریج تک گیا اور اس میں سے پانی کی بوتل نکالی۔ گلاس میں پانی انڈیلا اور اس کے قریب آیا۔
"یہ لو پانی پیو۔ اور خدا کے واسطے چپ ہو جاؤ۔ مجھے کسی کو روتے دیکھ کر وحشت ہوتی ہے۔" وہ مضطرب تھا۔
"نہیں چاہیے پانی۔" وہ بھی ضدی ہو گئی۔
"دیکھو۔ پانی پیو اور آرام کرو۔ اگر ناشتا کرنا ہے تو میں لالی سے کہہ دیتا ہوں۔" وہ اب ملائمت سے کہہ رہا تھا۔ اس نے گلاس تھام کر لبوں سے لگا لیا۔
"شکریہ میں سوؤں گی۔" وہ اپنے آنسو پونچھ کر بولی۔

"اوکے' میں باہر جا رہا ہوں۔ تم آرام سے سوجاؤ۔" وہ ہنوز نرم لہجے میں بولا۔ میرب نے لیٹ کر کمبل اپنے اوپر پھیلا لیا۔ وہ اے سی کی کولنگ بڑھاتا ہوا روشنی بجھا کر باہر آگیا۔
کیا عجیب شخص ہے یہ پہلے رلاتا ہے پھر بہلاتا ہے۔ اس نے سونے سے قبل آخری بات یہی سوچی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کیا کروں۔ کیا کروں آخر۔" وہ اپنے نیم تاریک بوسیدہ فلیٹ میں اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھامے بیٹھی تھی۔ اسے مری سے آئے ہوئے بھی ایک ہفتے سے زائد ہو چلا تھا۔ مگر نجانے کیا بات تھی جوں ہی وہ فون ملانے لگتی ایک دم ہی وحشت زدہ ہو کر کال بند کر دیتی۔ زندگی میں یہ پہلا موقع تھا جو وہ کسی معاملے میں اس قدر سوچ بچار سے کام لے رہی تھی۔ شاید سب کچھ لٹا کر جو آخری داؤ کھیلتے ہیں ان کی کیفیت یہی ہوتی ہو گی۔ امید و ناامیدی کے بین بین۔ ناامیدی سو فیصد۔ امید چند فیصد۔ ہارنے کی صورت میں کنگال ہو جانے کا امکان اس کی جان سولی پر اٹکائے ہوئے تھا۔ جبکہ ہارنے کے لیے اس کے پاس جان کے علاوہ شاید کچھ بچا بھی نہیں تھا مگر وہ یہ آخری داؤ کھیلنا چاہتی تھی۔ خود جیتنے کے لیے نہ سہی۔ کسی کو ہرانے کے لیے۔ بدترین شکست دینے کے لیے بہترین حکمت عملی ضروری ہے۔
"مگر جب تک پہلا قدم نہیں اٹھاؤں گی' آگے کے راستے کا تعین کیونکر کر سکوں گی۔" اس نے اپنا مورال بلند کرنا چاہا۔ اسے کچھ ڈھارس ہوئی۔ اور ایک مرتبہ پھر فون ہاتھ میں تھام لیا۔ دوسری طرف بیل جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو۔ کیا میں آصف شیرازی سے بات کر سکتی ہوں؟" چندا دوپٹا اچھی طرح سر پر جمائے فون پکڑے کھڑی تھی۔ یہ کالج سے چھٹی کا وقت تھا۔ اس سے قبل کہ مانو آجاتی اسے یہ اہم کال کرنی ہی تھی۔ وہ اس وقت کالج کے سامنے بنی فوٹو اسٹیٹ شاپ کے پی سی او پر موجود تھی۔
آصف شیرازی.... ملک کے نامور ڈائریکٹر شکیل احمد ملک کے گروپ کا ایک ورکر تھا' کام نئے ٹیلنٹ کو احمد ملک تک لانا تھا۔ آصف شیرازی کی گھاگ نگاہوں نے چندا کے قیامت خیز حسن کو تاڑ لیا تھا پھر اداکاری بھی وہ اچھی نہیں تو بری بھی نہیں کر رہی تھی۔ اسی لیے اپنا وزیٹنگ کارڈ اس نے چندا کو دے کر کال کرنے کو کہا تھا اور چندا پر تو گویا شادی مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔
"آپ کون؟" وہاں سے آپریٹر کی شیریں و ملائم آواز سنائی دی۔
"میں.... آپ ان سے کہیں کہ کالج فنکشن میں انہوں نے اپنا وزیٹنگ کارڈ مجھے دیا تھا۔" اس نے کچھ سوچ کر کہا۔
"ویٹ کیجیے۔" فون ہولڈ کر دیا گیا۔ کچھ دیر بعد کسی نے فون اٹھایا۔
"ہیلو...." وہ بے تابی سے بولی۔
"ہیلو.... جی کون؟" وہاں سے کچھ دیر بعد اجنبی لہجے میں استفسار کیا گیا۔ اسے کچھ سبکی سی محسوس ہوئی۔
"بھول گئے آپ.... آپ ہی نے تو مجھے اپنا وزیٹنگ کارڈ دیا تھا۔" اس نے یاد دلایا۔ اس کی نظریں کالج کے گیٹ کا بھی احاطہ کیے ہوئے تھیں۔
"اوہ.... اچھا اچھا آپ' بھئی کہیے کیسے یاد کیا۔" یک دم ہی خوش دلی سے پوچھا گیا۔
"آپ نے مجھے کہا تھا کہ میں اگر انٹرسٹڈ ہوں تو آپ مجھے ٹی وی پر کام دلا سکتے ہیں۔" وہ وقت ضائع کیے بغیر بولی۔
"جی کیوں نہیں' بالکل دلا سکتے ہیں۔" وہ خوش اخلاقی سے بولا۔
"تو میں کیا کروں اس کے لیے' میرا مطلب ہے کہ کہاں آؤں؟" وہ پوچھنے لگی۔
"دیکھیے ڈائریکٹ ٹی وی اسٹیشن آئیں گی تو شاید

آپ کا کام نہ بنے۔ ایسا ہے کہ پہلے آپ مجھ سے کہیں ملاقات کرلیں۔ میں آپ کو دیگر باتیں جو اس فیلڈ کے لیے ضروری ہیں' سمجھادوں گا اس طرح آپ کے لیے آسانی پیدا ہو جائے گی۔" وہ بولا۔

"کہاں ملنا ہو گا۔" وہ بہ عجلت بولی۔

"جہاں آپ کے لیے سہولت ہو۔" بندہ بہت سمجھ دار تھا۔

"کل ہی مل لیں۔۔۔ کالج ٹائم میں' میں آجاؤں گی نیشنل پارک میں۔" وہ بولی۔

"نیشنل پارک تو کافی بڑا ہے' وہاں کہاں ڈھونڈوں گا میں آپ کو۔" وہ کچھ پریشانی سے بولا۔

"کینٹین کی طرف آجایئے گا' ٹھیک نو بجے۔"

"چلیں ٹھیک ہے۔ پھر کل انتظار رہے گا آپ کا۔" وہ بولا۔

"ہاں۔۔۔ ہاں اوکے۔" اس نے کہہ کر کھٹ سے فون رکھ دیا۔ تب ہی گیٹ سے باہر مانو یہاں وہاں متلاشی نگاہوں سے دیکھتی نظر آئی۔

"چلو۔۔۔" وہ اس کے قریب آکر پھولی پھولی سانسوں کے درمیان بولی۔

"کہاں تھیں تم۔ اتنی دیر سے انتظار کر رہی ہوں۔ تھکتی نہیں ہو تم دوستوں سے باتیں بگھار بگھار کے۔" چندا نے مانو کو ڈپٹا۔ وہ ہونق بنی اس کی شکل دیکھے گئی۔

"مگر تمہیں تو میں کب سے اندر تلاش کر رہی تھی۔ ہم دونوں ساتھ ہی باہر آتے ہیں نا۔"

"تمہیں بھی میں نے اندر تلاش کیا تھا۔ تم کہاں تھیں۔" وہ اسے جھاڑ کر بولی۔

"میں تو کچھ دیر پہلے ہی اپنی کلاس سے نکلی ہوں۔" وہ صفائی دینے والے لہجے میں بولی۔

"بس بس۔۔۔ گھر چلو بہت گرمی ہے آج۔" وہ ڈپٹ کر بولی تو مانو کندھے اچکا کر اس کے ساتھ چل پڑی۔ چندا کی آنکھوں میں چمک تھی اور چال میں مستی مگر یہ باتیں مانو محسوس نہ کرسکی۔

☆ ☆ ☆

اوفوہ! کتنی بے ترتیبی پھیلا رکھی ہے یہاں۔ میرب نے خود کلامی کی۔ زندگی اپنی مخصوص ڈگر پر رواں دواں تھی سو اس نے بھی گھر کے توجہ طلب امور میں دلچسپی لینا شروع کردی۔ پہلے پہل صفائی والی سے گھر کی تفصیلی صفائی اپنی نگرانی میں کروائی۔ شریف سے لاؤنج کی سیٹنگ کچھ تبدیل کروائی۔ لان تو مناسب ہی تھا۔ ہاں البتہ کچھ پودے گل سڑ چکے تھے' انہیں اکھڑوا کر ان کی جگہ نئے پودے لگانے کا حکم صادر کیا۔ کچن کی صفائی وغیرہ کے لیے ایک پورا دن درکار تھا سو اسے بعد کے لیے اٹھا رکھا اور خود شاور لینے اپنے روم میں چلی آئی۔ وقار صاحب اسے اس انداز میں دیکھ کر بہت خوشی اور طمانیت محسوس کر رہے تھے۔ اجیہ کچھ دیر قبل کالج سے لوٹی تھی اس نے بھی بھرپور انداز سے اسے سراہا تھا۔ وہ شاور لے کر فریش ہوگئی۔ اک آسودگی سی اسے اپنے رگ و پے میں دوڑتی محسوس ہو رہی تھی اس نے سر پر لپٹا تولیہ اتار کر ڈائننگ چیئر پر رکھا اور گیلے بالوں میں انگلیاں چلانے لگی تب ہی اس کی نگاہ رائٹنگ ٹیبل کی بے ترتیبی پر پڑی۔

عجیب انسان ہیں۔ چیزوں کو ان کی جگہ پر رکھنا جیسے جانتے ہی نہیں۔ وہ سر جھٹک کر ہلکے سے مسکرائی اور ٹیبل پر پھیلے کاغذات سمیٹنے لگی۔ کاغذات سمیٹ کر اس نے ایک فائل میں رکھے۔ کچھ حساب کتاب کی ڈائریاں تھیں انہیں اوپر تلے ترتیب سے جمایا' پین ہولڈر میں رکھا۔ بزنس رسالوں کو یکجا کر کے ٹیبل میں بنے کیبنٹ میں رکھا' تب ہی اس کی نگاہ ٹیبل کی واحد دراز پر پڑی جس میں سے دو تین کاغذ' پرچیاں باہر جھانک رہی تھیں اس نے دراز کھولنا چاہی مگر وہ لاکڈ تھی۔ اس نے ایک چکنے سے کاغذ کو چھوا' وہ کسی تصویر کا پچھلا حصہ تھا۔ وہ فطری تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس تصویر کو باہر نکالنے کی سعی کرنے لگی۔ جو باہر نکل بھی آئی۔ وہ کسی بے پناہ حسین لڑکی کی تصویر تھی۔ میرب ساکت نگاہوں سے یہ تصویر دیکھے گئی۔ مابدولت کی زندگی میں کوئی اور لڑکی تھی۔۔۔ نہیں تھی

نہیں۔ شاید آج بھی ہے۔ ان کا روکھا پھیکا جذبوں سے عاری انداز چیخ چیخ کر کہتا ہے کہ یہ آج بھی ان کی زندگی میں موجود ہے۔۔۔ تو پھر میں کہاں ہوں۔ لحموں ہی میں اس کے آنسو بھل بھل بہنے لگے یہ انکشاف عجب طرح سے اسے دولخت کر گیا تھا۔ اس نے مردنی سے تصویر کسی ڈائری میں رکھ دی۔ دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔ لنچ پر سب اس کا انتظار کر رہے تھے وہ اپنے بقایا آنسو اپنے اندر اتار کر باہر چل دی کسی سے کچھ کہنے سننے کا اب فائدہ نہ تھا۔

اگر میرب تصویر ذرا غور سے دیکھ لیتی تو شاید ایسا نہ سوچتی۔۔۔

☼ ☼ ☼

"یہ آنکھیں نہیں جام سے بھرے پیمانے ہیں۔"

آصف شیرازی نے اس سے کہا تھا۔ وہ اس سے مل آئی تھی اور اس ملاقات نے اس کا دماغ عرش معلی پر پہنچا دیا تھا۔ زندگی میں پہلی بار کسی مرد کے منہ سے اتنی بے ساختہ اور کھلی ڈلی قسم کی تعریف سنی تھی اور زندگی میں پہلی بار ہی اسے یہ تجربہ بھی ہوا کہ کسی مرد کی کی گئی تعریف کیسا سرور بخشتی ہے۔

"ان لبوں پر مسکراہٹ تو سجا کر دیکھو۔ ہزاروں قتل نہ ہو جائیں تو کہنا۔" اس کے کانوں میں پھر اس کی آواز گونجی۔ وہ جو کافی دیر سے برآمدے میں لگے آئینے کے سامنے کھڑی مختلف زاویوں سے اپنا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔ ہلکا سا مسکرائی پھر تھوڑا زیادہ پھر مسکراہٹ ہلکے سے قہقہے میں تبدیل ہو گئی۔ برآمدے کے دوسرے سرے پر میتھی کے پتے چنتی بی بی جو کافی دیر سے اسے ہی دیکھے جا رہی تھیں اس کے ہنسنے پر یک دم ہول کر رہ گئیں۔

"اوری چندا۔۔۔ دماغ پر گرمی تو نہیں چڑھ گئی تیرے جو شیشے میں دیکھ کر یوں خوامخواہ قہقہے لگا رہی ہے۔"

اس کے مسکراتے لب یک دم بھینچ گئے اور اس نے بیزاری سے جواب دیا۔

"کبھی تو میری جان چھوڑ دیا کریں۔ آپ کو پورے گھر میں میں ہی نظر آتی ہوں کیا۔" اب وہ بال کھول کر کبھی آگے کبھی سائیڈ پر ڈال رہی تھی۔

"باؤلی حرکتیں کرتی تو تو ہی دکھتی ہے تو تجھے ہی کہوں گی نا۔" وہ غصے میں اور تیز تیز پتے توڑنے لگیں۔

"آپ سے تو کچھ کہنا ہی بے کار ہے۔" وہ چڑ کر بال سمیٹنے لگی۔

"ہاں کہنے سننے کو شیخ صاحب ہیں نا۔ ان ہی کو سنایا کر اپنی راگنیاں۔" انہوں نے سر جھٹکا۔

"ہونہہ۔" وہ منہ بنا کر اپنے اور بہنوں کے مشترکہ کمرے میں چلی آئی اور سرمنہ لپیٹ کر پڑ گئی۔ مانو کالج کا کچھ کام کر رہی تھی۔ اسے ناوقت لیٹا دیکھ کر فکر مندی سے پوچھنے لگی۔

"طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"کیوں کیا ہوا ہے مجھے۔" وہ پھاڑ کھانے والے لہجے میں الٹا اسی سے پوچھنے لگی۔ وہ جز بز ہو گئی اور پھر واپس اپنی کتابوں پر جھک گئی۔

"ایک تو ذرا پرائیویسی نہیں اس گھر میں بھیڑ بکریوں کی طرح سب ہی اسی روم میں گھسی رہتی ہیں۔" وہ بڑبڑا رہی تھی۔

"کیسے پورا ہو گا میرا خواب۔۔۔ گھر والے تو ٹی وی کا نام سنتے ہی جان سے مار دیں گے۔ کیا کروں آخر کیا تدبیر اختیار کروں۔" وہ سوچ سوچ کر الجھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"پھر کب مل رہی ہو؟"

"اتنی جلدی جلدی ملنا میرے لیے ناممکن ہے آغا! ابھی کچھ دن قبل ہی تو ہم ملے ہیں۔" وہ بولی۔

"مگر میں اپنی تشنگی کا کیا کروں جو مٹتی ہی نہیں بلکہ بڑھتی چلی جا رہی ہے۔" وہ بے بسی سے گویا تھا۔

"کیا چاہتے ہو تم۔" وہ اپنے دھڑکتے دل کو سنبھال کر بولی۔

"ایک دن پورا میرے نام کرو۔" وہ مچل کر بولا۔

"میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے آغا میری مجبوریوں کو سمجھو۔" وہ بے چارگی سے بولی۔

"تم میری مجبوری کیوں نہیں سمجھ جاتیں۔" وہ اصرار کرنے لگا۔
"تم مرواؤ گے مجھے۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر پسپا لہجے میں بولی۔
"تم نے تو پہلے ہی مار دیا ہے۔" وہ معنی خیزی سے ہنسا۔
"اچھا ایک دو دن تو دو۔"
"ایک نہ دو۔ بس کل ملو۔" وہ قطعیت سے بولا۔
"مگر آغا ایسے کیسے۔ شام میں' میں نہیں آسکتی۔" وہ جھلا کر بولی۔
"تو صبح آجاؤ۔ کالج بنک کرو۔" نیا مشورہ۔
"ہوں۔" وہ پُرسوچ لہجے میں بولی۔ "یہ ہو سکتا ہے۔"
"تو پھر یہی کرو۔" وہ خوش ہو گیا۔
"چلو پھر رات کچھ کنفرم کرتی ہوں اوکے۔"
"اوکے۔" اس نے فون رکھ دیا۔
"ایسا ممکن تو ہے۔" وہ ٹھوڑی پر ہاتھ ٹکائے سوچنے لگی۔
"آرام سے ملاقات بھی ہو جائے گی بابا کے سوال کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑے گا۔" وہ اس کے آئیڈیے سے متفق تھی۔ تب ہی اس کے فون کی گھنٹی دوبارہ بجی۔
"اب کیا ہے بھئی۔" وہ فون ریسیو کر کے بولی۔ "تم بھی نا۔ تمہیں چین نہیں ہے بالکل۔" وہ مسکرائی۔
"میں اجیہ سے بات کر سکتی ہوں۔" دوسری طرف کوئی اجنبی لہجے میں بولا۔ اجیہ نے چونک کر فون کان سے ہٹا کر نمبر دیکھا انجان نمبر تھا۔ وہ بنا دیکھے فون اٹھانے کی حماقت کر چکی تھی مگر فون بند نہیں کر سکی کہ دوسری طرف جو کوئی بھی تھی' وہ اسی سے بات کرنے کا کہہ رہی تھی۔
"آپ کون۔؟" وہ اچنبھے سے پوچھنے لگی۔
"میں کون۔" وہ زہریلی سی ہنس کر بولی۔
"میں کون ہوں' تمہارے باپ نے نہیں بتایا تمہیں۔"
"ایکسکیوزمی۔" اس نے سختی سے ٹوکا۔ "میرے والد کے متعلق تمیز سے بات کیجیے۔"
"خوب۔ خوب۔ اچھی ٹریننگ دے رکھی ہے اس نے تمہیں۔" وہاں سے پھر نفرت بھرے انداز میں کہا گیا۔
"مگر آپ ہیں کون۔ اور آپ کو کیا بات کرنی ہے۔ ذرا جلدی کہیے مجھے اور بھی کام ہیں۔" وہ رکھائی سے بولی۔
"ماں کہاں ہے تمہاری؟" وہاں سے سلگتے انداز میں پوچھا گیا۔
"ان کا انتقال ہو چکا ہے۔" وہ بولی۔ تو اسے فون پر اک ہذیانی قہقہہ سنائی دیا۔
"بہت خوب۔ یہ تمہارے باپ نے بتایا ہے تمہیں؟"
"آپ کیا بکواس کر رہی ہیں' لگتا ہے' آپ نے غلط جگہ فون کر لیا۔" وہ تپ کر بولی۔
"بالکل ٹھیک جگہ فون کیا ہے میں نے اجیہ فاروقی۔ مدت سے تمہاری تلاش تھی مجھے۔ میری تلاش آج جا کر تمام ہوئی ہے۔" وہاں سے گہرے لہجے میں کہا گیا۔
"مگر آپ کو مجھ سے کیا کام ہے' کچھ پتا تو چلے۔" وہ الجھ کر بولی۔ "اور پھر میں یہ بھی نہیں پہچان پائی کہ آپ ہیں کون۔"
"جان پہچان تو برسوں کی ہے' مگر لگتا ہے کہ تمہیں انجان رکھا گیا ہے۔" وہ گمبھیر لہجے میں بولی۔
"میرا ٹائم ویسٹ کرنے کا شکریہ۔ میں فون رکھ رہی ہوں۔"
"مجھ سے مل سکتی ہو؟"
"واہ کیا بات ہے آپ کی۔ آج آپ پہلی بار مجھے فون کر رہی ہیں میں جانتی تک نہیں آپ کو اور آپ ملنے کا کہنے لگیں۔ کچھ عجیب باتیں نہیں کر رہیں آپ۔" وہ طنز آمیز لہجے میں بولی۔
"چلو رکھ دو فون۔ اگر کبھی میری ضرورت پڑے تو

مجھے یاد کرلینا۔" دل گیر لہجے میں کہا گیا۔

"مگر آپ ہیں کون اور مجھے بھلا آپ کی ضرورت کیوں پڑنے لگی۔" وہ استہزائیہ انداز میں بولی۔

"چلو میں بتا دیتی ہوں کہ میں کون ہوں.... مگر کیا تم سننے کی تاب رکھتی ہو؟" استفسار کیا گیا۔

"آپ کو پہیلیاں بجھوانے کا شوق ہے کیا؟ سیدھی طرح بات کیوں نہیں کر رہی ہیں۔" اس کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہونے لگا۔

"چلو پھر سنو۔"

اور راجیہ کو لگا جیسے زمین و آسمان دونوں اس پر گر پڑے ہوں۔

☼ ☼ ☼

"کیا سوچ رہی ہو؟" سائر جو اپنے بیڈ پر نیم دراز لیپ ٹاپ پر مصروف تھا میرب سے پوچھ بیٹھا۔ وہ کافی دیر سے بظاہر کسی کتاب میں سر دیے ہوئے تھی مگر اس کی توجہ اور دھیان دونوں ہی کہیں اور بھٹک رہے تھے۔ سائر کو وہ کچھ گم صم اور افسردہ سی مگر اپنی اپنی سی لگی' تب ہی وہ یہ پوچھ بیٹھا۔

"ہوں..... کچھ نہیں۔" وہ چونک کر بولی۔

"ابراہیم انکل یاد آرہے ہیں؟" وہ لیپ ٹاپ پر انگلیاں چلاتا اس سے مخاطب تھا۔

"ہاں....." یک لفظی جواب۔

"فون کرلو انہیں یا اسکائپ پر بات کرلو۔" فراخدلانہ مشورہ۔

"صبح بات ہوئی تھی اسکائپ پر ان سے۔" اس نے بتایا۔

"چلو ریڈی ہو جاؤ..... باہر چلتے ہیں۔" وہ یک دم بولا۔ میرب نے تحیر سے اسے دیکھا۔

"کیا کہا آپ نے؟"

"پانچ منٹ میں ریڈی ہو جاؤ..... ڈرائیو پر چلتے ہیں۔" اس نے لیپ ٹاپ آف کرتے ہوئے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ کپڑے تو میرب نے مناسب ہی پہن رکھے تھے۔ بالوں میں برش پھیر کر اور ہونٹوں پر گلوس لگا کر وہ ریڈی تھی۔ وہ دونوں وقار صاحب کو بتا کر باہر نکل آئے۔

اے حاصل خلوص بتا کیا جواب دوں
دنیا یہ پوچھتی ہے کہ میں کیوں اداس ہوں

اس نے اپنی پسند کا میوزک لگا دیا۔ میرب کا دھیان غزل کے بولوں میں اٹکنے لگا۔ اس نے کن اکھیوں سے دیکھا' وہ یہ مصرعہ بار بار دہرا رہا تھا۔ وہ جو کچھ حیرت و خوشی کی ملی جلی سی کیفیت میں اس کے ساتھ چلی آئی تھی اب پھر سے بجھنے لگی۔ وہ اس کے پاس تھا مگر ساتھ کسی اور کے تھا۔

"کچھ بات کرو۔" فرمائش کی گئی۔

"میں زیادہ باتیں نہیں کرتی۔" نروٹھے پن سے بتا دیا۔

"حیرت ہے لڑکیاں تو بہت بولتی ہیں۔" وہ مسکرا کر بولا۔ بلاشبہ اس کی مسکراہٹ مردہ تنوں میں جان ڈالنے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ میرب نے ستائشی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"کتنی لڑکیوں کو جانتے ہیں آپ؟" پھر وہ چبھتے لہجے میں پوچھنے لگی۔

"مجھے لڑکیوں میں کوئی دلچسپی نہیں۔ یوں ہی ایک بات کی جو خاصی مشہور ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"آپ اتنے روڈ کیوں رہتے ہیں۔" وہ اسے دیکھ کر بولی۔

"میری عادت ہی کچھ ایسی ہے۔" وہ انہماک سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

"آپ کا کوئی بیسٹ فرینڈ ہے؟" وہ کچھ سوچ کر پوچھنے لگی۔

"نہیں..... مگر یہ تم کیوں پوچھ رہی ہو؟" یک دم ہی اس کے منہ کے زاویے بگڑ گئے تھے۔

"یوں ہی۔" وہ باہر دیکھنے لگی۔

"آئس کریم کھاؤ گی..... لڑکیاں شوق سے کھاتی ہیں۔" وہ سمندر کے کنارے ایک آئس کریم پارلر کے سامنے گاڑی نسبتاً آہستہ کرکے بولا۔

پھر لڑکیاں؟ یہ کن لڑکیوں کا ذکر کر رہا ہے..... یوں

کیوں نہیں کہتا کہ "وہ" لڑکی باتیں بہت کرتی تھی' آئس کریم شوق سے کھاتی تھی۔ وہ اداسی سے سوچنے لگی۔

"کہاں کھو گئیں۔۔۔ جواب دو۔"

"ہاں۔ کھلا دیں۔" وہ نیم دلی سے بولی۔ وہ گاڑی پارک کرنے لگا۔ وہ دونوں نیچے اتر آئے۔ سامنے ہی تاحد نگاہ تک وسیع سمندر مرکری لائٹس کی روشنی میں نہایا دکھائی دے رہا تھا۔ سمندر کی مخصوص تند و تیز ہواؤں نے ان کا استقبال کیا۔ وہ پارلر میں داخل ہوئی۔ ملگجی سی روشنی میں پارلر کا ماحول بڑا دلفریب محسوس ہو رہا تھا۔

"کون سا فلیور لوگی۔" وہ چیئر پر بیٹھ کر پوچھنے لگا۔

"آپ کو جو پسند ہو۔" وہ سمندر پر نگاہ جما کر بولی۔

(اب کہیں گے "لڑکیوں" کو تو فلاں فلیور پسند ہوتا ہے) وہ سوچنے لگی۔

"مجھے تو بلو بیری پسند ہے وہی لے آؤں تمہارے لیے۔" وہ اسے دیکھنے لگا۔

"نہیں۔۔۔" وہ بولی۔۔۔ "مینا کولاڈا یا پھر ونیلا۔" وہ کاؤنٹر کی جانب چل دیا۔

آج اس مہربانی کا مطلب۔۔۔ کیا ان کے دل تک میری رسائی ممکن ہو چلی ہے۔ نہیں۔۔۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ جو کوئی بھی ہے یا تھی۔ میں تو اس کے پاسنگ بھی نہیں تو بھلا یہ اس کی یادوں سے دامن کیسے چھڑا سکتے ہیں۔ اسے کیسے بھلا سکتے ہیں۔ وہ رنجیدگی سے سوچ گئی۔

"اٹھو۔۔۔ گھر چلتے ہیں۔" کچھ دیر بعد سائر بگڑے تیور لیے واپس لوٹا۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ گیا تھا تب تو اس کا موڈ بڑا خوش گوار سا تھا' یہ یکایک اسے کیا ہوا؟

"کیا بات ہے سائر! کیا ہوا؟" وہ تعجب سے بولی۔

"تمہاری سمجھ میں میری بات نہیں آئی۔۔۔ اٹھو' فورا۔" وہ دانت کچکچا کر بولا۔ وہ مزید کچھ پوچھے' کہے بنا اٹھ کھڑی ہوئی اور اس کی معیت میں گاڑی تک آئی اور بیٹھ گئی۔ گاڑی اک زوردار جھٹکے سے آگے بڑھی۔ وہ بڑی پریشانی میں گھری بیٹھی تھی۔

"وہ چار لڑکے جو سامنے کی ٹیبل پر بیٹھے تھے۔ کیا تم جانتی ہو انہیں؟" کچھ توقف کے بعد گاڑی میں اس کی آواز سرسرائی۔ اس کی بات پر میرب بھونچکا رہ گئی۔

"سانپ کیوں سونگھ گیا تمہیں' جواب دو۔" وہ بری طرح دہاڑا۔

"آپ۔۔۔ کیا۔۔۔ کہہ رہے ہیں میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" وہ سراسیمگی سے اٹکتے ہوئے بولی۔

"وہ لڑکے تمہیں دیکھ کر مسکرا رہے تھے' اشارے کر رہے تھے' تم ہی نے شہ دی ہوگی ورنہ کسی لڑکے کی اتنی جرات کہاں۔" اس کے لفظ تھے یا زہر میں بجھے تیر جو سیدھا اس کے وجود میں گڑ گئے۔

"خدا کے واسطے سائر۔۔۔! اتنی پست ذہنیت کا مظاہرہ مت کریں۔ مت ایسے الزام لگائیں مجھ پر کہ میں خود اپنی نگاہوں سے گر جاؤں۔" وہ تکلیف سے بلبلا اٹھی۔

"تم لوگ اسی لیے تیار ہو کر باہر نکلتی ہو کہ لوگوں کی نگاہیں تمہیں سراہیں۔ تمہاری تعریف کریں۔" وہ غضب ناک لہجے میں بولا۔

"میں اس طرح کی نہیں ہوں سائر' آپ میرے ساتھ کیوں یہ سلوک کر رہے ہیں۔" وہ روتے ہوئے دفاعی انداز میں بولی۔

"سب ایسی ہی ہوتی ہیں۔۔۔ میرے سامنے ڈرامے مت کرو۔" وہ بے لچک و کٹھور لہجے میں بولا۔

"کسی ایک کی بے وفائی کا بدلہ سارے زمانے سے نہیں لیا جاتا۔" وہ احتجاجاً چیخی۔

"کیا کہا تم نے۔" اس نے معاً گاڑی سنسان سڑک پر روک کر کچھ اس سفاکی سے پوچھا کہ میرب کانپ کر رہ گئی۔

"کک۔۔۔ کچھ نہیں۔" وہ سہم کر بولی۔

"آج کے بعد اگر مجھ سے زبان درازی کی تو یاد رکھنا' تمہارا حشر کر دوں گا۔ میں نامرد نہیں ہوں جو عورت کی بے ہودہ گوئی برداشت کر لوں۔" اس نے کچھ دیر بعد

گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے تنبیہہ کی۔
اب وہ خاموش ہوگئی تھی۔ سارے آنسو دل پر گر گر کر سائر کے لیے نفرت کا گڑھا بھرتے رہے۔ گاڑی لمبی سڑک پر دوڑتی رہی۔ باہر کالی رات کچھ اور سیاہ ہوگئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"اب تو خوش ہو؟" آصف نے چندا سے پوچھا تھا۔
وہ لوگ اس وقت ملک پروڈکشن ہاؤس کے کیفے ٹیریا میں بیٹھے تھے۔ دونوں کے آگے چائے اور سینڈ وچز رکھے ہوئے تھے۔ دو تین متواتر ملاقاتوں کے بعد آصف اسے پروڈکشن ہاؤس لے ہی آیا۔ ملک صاحب سے اس کا تعارف بھی کروا دیا اور اسے کام دینے کی سفارش بھی کردی۔ ملک صاحب خاصے پروفیشنل بندے تھے۔ ان کے متعلق مشہور تھا کہ وہ خالص 'سچے' باصلاحیت لوگوں ہی کو کام دیتے تھے مگر چندا کے حسن جہاں سوز نے یہاں بھی کام دکھادیا۔ وہ اس کا بے داغ حسن دیکھ کر مبہوت رہ گئے۔ تھوڑی سوچ بچار کے بعد اپنے ایک ڈرامے جس کی ہیروئن الٹرا ماڈرن دکھائی جانی تھی کے لیے اسے موزوں قرار دیا۔ وہ یقیناً" قسمت کی دھنی تھی ورنہ اس فیلڈ میں ایسے کسی کا کام بنتا ہے۔
"ہوں.... تمہارا شکریہ۔" وہ بے نیازی سے بولی۔
ان دونوں کے مابین تکلم کے تکلفات مٹ چکے تھے۔
"صرف شکریہ پر ٹرخاؤ گی؟" وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھ کر بولا۔
"اور کیا دے سکتی ہوں تمہیں فی الحال۔" اس کا ذہن کہیں اور الجھا ہوا تھا۔
"بیش قیمت خزانوں کی مالک ہو.... یوں تو نہ انجان بنو۔" وہ اسے وارفتہ نگاہوں سے تکتے ہوئے بولا۔ چندا نے کچھ چونک کر اسے دیکھا۔
"تمہاری بکواس پھر شروع ہوگئی۔" وہ بے زاری سے بولی۔ نجانے وہ کب اتنی کھاگ ہوگئی تھی کہ نہ

صرف اسے اس "قسم" کے رویوں کو ہینڈل کرنا آگیا تھا بلکہ وہ اپنے مطابق سامنے والے کا موڈ "ٹیون" بھی کرسکتی تھی مگر نہیں۔ کچھ افراد کے اندر شاید پیدائشی طور پر ہی اس قسم کی صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں۔

"ہک ہاہ، یہ بھی تمہاری ادا ٹھہری خیر، چائے پیو۔" اس نے اک ٹھنڈی دلبرانہ سی سانس کھینچ کر کہا۔

"میں سوچ رہی ہوں کہ میرا کام یہاں بن بھی گیا تب بھی مجھے گھر والوں سے اجازت ہرگز نہیں ملے گی۔ دراصل میرے گھر والے بڑے دقیانوسی سوچ کے حامل ہیں وہ مجھے اس فیلڈ میں ہرگز نہیں آنے دیں گے۔" وہ شدید پریشانی میں مبتلا اپنی مخروطی انگلیاں ہولے ہولے اپنی شفاف پیشانی پر بجا رہی تھی۔

"یہ سب تو پہلے سوچنے والی باتیں ہوتی ہیں بی بی۔" وہ کچھ رکھائی سے بولا۔

"اتنا آگے آنے کے بعد یہ سب سوچنا نری حماقت کے علاوہ کچھ نہیں۔ گھر والوں کا کیا ہے چھوڑ آؤ انہیں۔ کل جب تم مشہور ہو جاؤ گی پیسہ تمہارے گھر کی باندی ہوگا تب دیکھنا خود ہی بہانے سے دوڑے چلے آئیں گے۔" وہ بے پروائی سے بولا اور سینڈوچ کترنے لگا۔

"تمہیں علم نہیں ہے اسی لیے ایسی باتیں کررہے ہو۔" وہ چڑ کر بولی۔ "میں نے گھر چھوڑ دیا تو وہ مجھے جان سے مارنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔" اس نے آصف کو معاملے کی سنگینی سے آگاہ کرنا چاہا۔

"تب پھر ایسا کرو... واپس گھر جاؤ اور آرام سے کسی اپنے ہی جیسے مڈل کلاسیے کا انتظار کرو جو تمہیں بیاہ کرلے جائے اور تمہیں صرف بچے پیدا کرنے کی مشین سمجھے۔ ان گورے گورے ملائم ہاتھوں سے آٹا گندھوائے، جھاڑو لگوائے اور اپنے روتے دھوتے بچے پلوائے۔" وہ جھنجلا کر بولا۔ آصف کے کھینچے گئے نقشے پر اس نے جھرجھری سی لی۔

"خدا کی پناہ... کیسی باتیں کررہے ہو۔ میں کب واپس جانے کا کہہ رہی ہوں، میں تو آگے کی راہیں کھوج رہی ہوں۔" وہ ناراضی سے بولی۔

"کوئی راستہ نہیں سوائے اس کے کہ تم گھر چھوڑ آؤ اور اپنے کام پر اپنے کیریر پر توجہ دو۔" وہ قطعیت سے بولا اور چائے کا آخری گھونٹ بھرا۔

"راستے بیٹھے بٹھائے نہیں مل جاتے انہیں ڈھونڈنا پڑتا ہے اور میں نے راستہ ڈھونڈ لیا ہے۔" وہ فاتحانہ مسکرائی۔

"ذرا میں بھی تو سنوں۔" وہ دلچسپی سے پوچھنے لگا۔

"یہ میرے انٹر کا آخری سال ہے امتحان میں دو مہینے رہ گئے ہیں۔ اس کے بعد میری آپا کی شادی ہے۔ میری اماں میرے رشتے کے لیے بھی کوشش کررہی ہیں، جانتی ہوں یہ بات، جوں ہی میرا رشتہ ملا انہوں نے نہ میری پڑھائی دیکھنی ہے نہ کچھ اور جھٹ سے شادی کردینی ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ میرا رشتہ کہیں اور طے کردیں کیوں نہ میں خود ہی اپنا بر ڈھونڈ لوں۔" وہ اتنا کہہ کر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"خوب... مگر اس میں آپ کی کامیابی کہاں ہے۔" وہ طنزیہ بولا۔

"ہے نا... میں اپنی مرضی کی شادی کرکے رخصت ہو جاؤں گی ان کے گھر سے، اس کے بعد میں سیاہ کروں یا سفید اپنی مرضی کی مالک ہوں گی۔" وہ داد طلب نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"ہوں... مگر یار! یہ بہت لمبا کھڑاگ نہیں ہو جائے گا۔ پھر شادی شدہ ہونے کا مطلب جانتی ہو... ملک صاحب نے کھٹ سے انکار کردینا ہے۔" وہ پرسوچ انداز میں اسے دیکھ کر بولا۔

"بھئی یہ شادی کوئی برابر شادی نہیں ہوگی... صرف ایک معاہدہ ہوگا۔" وہ اسے سمجھانے لگی۔

"مگر ایسا الو کا پٹھا تمہیں ملے گا کہاں سے؟" وہ جھلاہٹ آمیز بیزاری سے بولا۔

"تم ہونا... تم کرو گے مجھ سے شادی۔" اس نے گویا خزانے کی چابی اسے تھمانے کی بات کرکے اسے ششدر کردیا۔

"میں...! چلو ٹھیک ہے۔" لمحہ بھر کی سوچ بچار بھی فضول تھی۔ چندا جانتی تھی، وہ انکار نہیں کرے گا اور

یہی ہوا۔ وہ خود کو کیش کروانا سیکھ چکی تھی۔ سو وہ دل کھول کر مسکرا دی۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے، بڑی خاموش ہو۔" آغا' اجیہ کی بے توجہی و خاموشی مسلسل نوٹ کر رہا تھا۔ اسی لیے ٹوک بیٹھا۔ وہ اس وقت کالج بنک کر کے اس کے ساتھ تھی۔ اب اتنی صبح کوئی ریسٹورنٹ وغیرہ تو کھلا ملتا نہیں۔ کسی ہوٹل جانے پر وہ راضی نہیں ہوتی سو اسی لیے اسے لیے ساحل سمندر پہ چلا آیا۔

"کیا میں تم سے اپنی کوئی بات شیئر کر سکتی ہوں۔" وہ جھجک کر بولی۔ میک اپ سے مبرا چہرہ صبح کی تازگی بھرے ماحول کا حصہ لگ رہا تھا۔ کالے سیاہ بالوں کی پونی سمندر کی شوریدہ ہواؤں سے کندھے پر ڈول رہی تھی۔ کاندھوں پہ پڑا گلابی دوپٹا ہوا سے پھڑپھڑا رہا تھا۔ سفید یونیفارم میں اس کا سانچے میں ڈھلا وجود۔ وہ کتنی ہی دیر نگاہ نہیں ہٹا سکا۔

"بتاؤ۔" اس نے کچھ بے چینی سے پوچھا۔

"یار۔۔۔ کیا تم مجھ سے اجازت مانگ رہی ہو اگر ہاں تو غلط کر رہی ہو۔ بھئی تمہیں تو بلا جھجک مجھ سے کوئی بھی بات شیئر کر لینی چاہیے۔" وہ حوصلہ افزا لہجے میں بولا۔ وہ کچھ لمحے تک یونہی بیٹھی اپنے بیگ کے اسٹریپ کو گھماتی رہی جیسے کہنے اور نہ کہنے کا فیصلہ نہ کر پا رہی ہو۔

"کیا ہے یار! بول بھی دو۔" وہ اب کچھ اکتا کر بولا۔

"کل مجھے اک فون آیا۔" اس نے سمندر کی لہروں پر نگاہیں جما کر بتایا۔

"کوئی عورت تھی۔۔۔ اس نے جو کچھ کہا سن کر مجھے لگا جیسے کہ وہ پاگل ہو کوئی۔" وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی۔

"کیا ہو گیا ہے اجیہ ڈیر۔۔۔ کیا بات کی اس نے اور اگر وہ تمہیں پاگل ہی لگی تو اب اس کے بارے میں اتنا کیوں سوچ رہی ہو' ویسے میں بھی تو سنوں آخر اس نے تمہیں ایسا کیا بتا دیا جو تم یوں گم صم ہو۔" وہ بینچ پر ٹیک لگا کر بولا۔

"اس نے بتایا کہ وہ میری ماں کو جانتی ہے۔" وہ دھیمے لہجے میں بولی۔

"تو کیا ہوا' تمہاری مام کو بہت سے لوگ جانتے ہی ہوں گے۔" وہ بے پروائی سے بولا۔

"نہیں آغا! سارا مسئلہ تو یہی ہے کہ وہ کہتی ہے کہ وہ مجھے میری ماں سے ملوانا چاہتی ہے۔ ان فیکٹ اس نے بتایا کہ میری ماں مجھ سے ملنا چاہتی ہے۔" وہ بے انتہا الجھ کر اسے بتا رہی تھی۔

"اوہ مائی گاڈ" وہ دفعتاً" اپنی سیٹ سے اچھل کر بولا۔ "کسی ڈچ ڈاکٹر کا فون آیا ہے تمہیں؟"

"آغا۔۔۔ تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔" وہ ہنوز سنجیدگی سے بولی۔

"نہیں ڈارلنگ۔" وہ سرعت سے بولا۔ "میں مذاق نہیں اڑا رہا۔ روحوں سے بات کرنا اور کروانا تو وچ ڈاکٹرز ہی کا کام ہوتا ہے یار! نارتھ امریکا میں بہت ملتے ہیں۔"

"تم میری بات نہیں سمجھے۔" وہ اک گہری سانس لے کر تفکر سے بولی۔

"وہ کہتی ہے کہ وہ زندہ ہیں۔"

"کم آن اجیہ! یہ تم کن چکروں میں پڑ رہی ہو۔ صاف ظاہر ہے کوئی تمہیں بے وقوف بنا رہا ہے۔" وہ اب ذرا ڈپٹ کر بولا۔

"میں بھی یہی سمجھتی اگر وہ مجھ سے انہیں روبرو ملوانے کا نہ کہہ دیتی۔" وہ ہونٹ کاٹ کر بولی۔

"یہ زندگی ہے اجیہ' مذاق یا کوئی ڈرامہ نہیں۔ کیسی بچوں جیسی باتیں کر رہی ہو تم۔ تمہاری مام مر چکی ہیں' تمہارے پورے خاندان کو معلوم ہے یہ بات۔ اگر وہ حیات ہوتیں تو کیا کسی کو معلوم نہ ہوتا۔ فار گاڈ سیک اجیہ! کسی چکر میں نہ پھنس جانا۔ امیر باپ کی بیٹی ہو' خوب صورت ہو مجھے تو لگتا ہے کہ تمہیں کوئی بے وقوف بنا کر کوئی فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ سو میرا مشورہ ہے کہ اس سب سے باز رہو۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

امتل عزیز شہزاد

ایک ڈھلتی عمر کی عورت سڑک پار کرتے ہوئے ایک لڑکی کو دیکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک ماڈرن عورت ہے۔ وہ اسے چلا کر رکنے کے لیے کہتی ہے لیکن وہ دونوں سڑک پار کر کے گاڑی میں بیٹھ کر چلی جاتی ہیں۔

وقار صاحب کے دو بچے ہیں۔ اجیہ اور سائر... وہ سائر کی شادی کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ان کی بیوی اس دنیا میں نہیں ہے۔ ان کی سالی مہ پارہ خاص طور پر لندن سے اس شادی میں شرکت کرنے آئی ہیں' اجیہ وقار صاحب کو بتاتی ہے کہ سائر اس شادی سے ناخوش نظر آتا ہے۔ وقار صاحب یہ سن کر پریشان ہو جاتے ہیں۔

اجیہ بہت خوب صورت ہے۔ وہ دو ماہ کی تھی جب اس کی ماں چلی گئی۔ وہ اپنی خالہ مہ پارہ سے پوچھتی ہے' اس کی ماں کیسی تھیں۔ مہ پارہ بتاتی ہیں کہ اس کی ماں بہت خوب صورت تھی بالکل کانچ سے بنی مورت۔ وقار صاحب کی بہنیں بھی انہیں احساس دلاتی ہیں کہ سائر اس شادی سے خوش نہیں ہے۔ تب وقار صاحب سائر سے براہ راست بات کرتے ہیں کہ سائر کہیں اور انٹرسٹڈ تو نہیں ہے۔ تب سائر کہتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور وہ اپنے باپ کی کوئی بھی خواہش رد نہیں کر سکتا۔

سائر کی شادی میرب سے ہو رہی ہے۔ میرب دو سال کی تھی جب ان کی ماں بھی دنیا سے چلی گئی تھیں۔ ابراہیم صاحب نے اس کے بعد شادی نہیں کی۔ ان کے پڑوسی اور دوست احمد سعید اور ان کی بیگم نے میرب کا خیال اپنے بچوں کی طرح رکھا سعید صاحب کی بیٹی ماریہ کی میرب سے گہری دوستی ہے ان کا ایک بیٹا عاشر ہے جو اجیہ کو پسند کرتا ہے شادی کی

تقریبات میں سائر کا رویہ بہت اکھڑا ہوا رہتا ہے۔ شادی کی رات بھی وہ میرب سے بہت رکھائی سے پیش آتا ہے وہ میرب سے کہتا ہے کہ وہ اس سے صرف وفاداری کی توقع رکھتا ہے اور اسے اپنی بہن اور والد کا خیال رکھنے کو کہتا ہے۔
اجیہ کی دوست شبنا بہت آزاد خیال لڑکی ہے۔ اس کا بھائی آغا شایان اجیہ میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔ اجیہ بھی اس کی طرف مائل ہے۔ جبکہ میرب کا بھائی سعد 'اجیہ کو پسند کرتا ہے۔
سائر کا رویہ میرب کے ساتھ بہت عجیب ہے۔ وہ معمولی باتوں پر شدید رد عمل ظاہر کرتا ہے۔ 'وہ کہتا ہے کہ وہ کسی بھی لڑکے سے بات نہ کرے۔
وہ عورت جس نے سڑک پر مہ پارہ کو دیکھا تھا۔ ایک خستہ فلیٹ میں رہتی ہے۔ وہاں سے کوئی پرانا پتا نکال کر مہ پارہ کے گھر جاتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ مہ پارہ وہ گھر چھوڑ چکی ہے۔ لیکن وہاں کے مکین اسے وقار صاحب کے گھر کا پتا دے دیتے ہیں۔
تب وہ کہتی ہے وقار آج سے سالوں پہلے تم نے جو اذیت مجھے پہنچائی تھی' اس کے بدلے کا وقت آپہنچا ہے۔"
شیخ عبدالحمید کریانہ فروش ہیں۔ دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں 'نازو' چندا اور مانو۔ چندا کا مزاج اور صورت سب سے الگ ہے۔ وہ بے حد حسین ہے اور پڑھائی کے بجائے دوسری رنگارنگ سرگرمیوں میں دلچسپی رکھتی ہے۔ شیخ صاحب کی لاڈلی ہے۔ کالج میں ایک ڈرامے میں قلوپطرہ کا کردار کرتی ہے تو آصف شیرازی اسے ٹی وی پر اداکاری کی آفر کرتا ہے۔ وہ ایک ڈائریکٹر شکیل ملک کا ملازم ہے۔ اس آفر پر چندا بہت خوش ہوتی ہے لیکن وہ جانتی ہے کہ اس کے گھر والے کبھی اسے ٹی وی پر کام کرنے کی اجازت نہیں دیں گے اور شادی کرکے رخصت کردیں گے۔ وہ آصف شیرازی سے کہتی ہے کہ تم مجھ سے شادی کرلو یہ اصلی شادی نہیں صرف ایک معاہدہ ہوگا۔ میں گھر والوں کے چنگل سے نکل آؤں گی۔ آصف مان جاتا ہے۔
میرب سائر کے رویے سے بہت پریشان ہے۔ وہ عاشر سے بات کرنے کو منع کرتا ہے۔
اجیہ کا تعلق آغا سے بہت بڑھ چکا ہے۔ دونوں ملاقاتیں کررہے ہیں۔ ادھیڑ عمر عورت اجیہ کو فون کرکے بتاتی ہے کہ اس کی ماں زندہ ہے۔ وہ کہتی ہے کہ وہ اجیہ کی ماں سے ملاقات بھی کرا سکتی ہے۔

تیسری قسط

"مگر آغا۔ اگر وہ جھوٹ بھی بول رہی ہے تب بھی اسے چیک تو کرنا چاہیے نا کہ وہ جھوٹ کیوں بول رہی ہے۔" وہ زور دے کر بولی۔
"ہاں۔ یہ بات تمہاری البتہ مناسب ہے۔" وہ متفق انداز میں گردن ہلا کر بولا۔
"اسے چیک کس طرح کروں؟" وہ سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔
"تم نے اپنی امی کی فوٹو تو دیکھ رکھی ہوگی؟" اس کے کہنے پر یاد آیا کہ اس کے گھر میں کہیں بھی ان کی تصویر نہیں تھی۔
"شاید اسٹور میں ہو۔" اس نے سوچا۔
"پھر؟"
"بس اس سے شکل تو کنفرم ہو ہی سکتی ہے اور اگر وہ کوئی اور نکلی اور پلاسٹک سرجری وغیرہ کی کہانی بنانے بیٹھ گئی تب تم سمجھ جانا کہ یہ محترمہ کوئی ٹھگ ہیں۔" وہ اسے مشورے دینے لگا۔
"کیسی عجیب بے وقوفانہ باتیں کررہے ہو۔ بنا اس کی سچائی کی تصدیق کے لیے اس سے ملنے چلی جاؤں اور اگر واقعی وہاں کوئی ٹریپ ہوا پھر؟" وہ ذرا غصے سے بولی۔
"ارے یار۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تم کسی بہانے سے اسے دیکھو۔"
"ہاں 'یہ ہوسکتا ہے۔" وہ کچھ اطمینان سے بولی۔
"تم دوگے میرا ساتھ۔" اس نے آغا کو گہری

نگاہوں سے دیکھ کر پوچھا۔

"یار! معاملہ ذرا سیریس ہے' بہتر ہو گا کہ تم اپنے گھر والوں کو اعتماد میں لے کر یہ قدم اٹھاؤ۔" وہ دامن بچانے لگا۔

"دو دن میں ساتھ نبھانے کے وعدے پھیکے پڑ گئے۔" وہ استہزائیہ ہنسی۔

"یہ کیا بات کی تم نے۔" وہ خفگی سے بولا۔ "وہ ایک مختلف معاملہ ہے یہ بالکل الگ۔ ساتھ نبھانے کا مطلب ہوتا ہے کہ اگر تم پر کوئی آزمائش آپڑے تو تمہارا ساتھ دوں' ایسے بے وقوفانہ ایڈونچر زمیں میرا ساتھ دینا ضروری نہیں۔"

یہ آزمائش ہی ہے آغا۔ اس نے دل میں سوچا مگر بولی نہیں۔

"گھر چلنا ہے یا بیٹھنا ہے سارا وقت برباد کیا ہے تم نے اس بے کار کے ٹاپک پر بات کر کر کے۔" وہ نروٹھے پن سے بولا۔

"نہیں... گھر چلتے ہیں۔ بیٹھ کر کیا کروں گی۔" وہ مزید کچھ کہے بنا اٹھ کھڑی ہوئی۔ بے زاری سے سر جھٹک کر آغا بھی اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھنے لگا۔

☼ ☼ ☼

ظہر کی اذان بلند ہو رہی تھی جب لالی نے میرب کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ میرب نے بے زاری سے دستک کی آواز سنی اور بال سمیٹتی اٹھ بیٹھی۔ گزشتہ رات کے واقعات ایک مرتبہ پھر فلم کی مانند اس کی آنکھوں میں پھرنے لگے۔ سائر کے الفاظ پگھلے ہوئے سیسے کی مانند اس کے کانوں میں اترے تھے۔ ایک عجیب سے اضمحلال نے اس کے وجود کو جکڑ رکھا تھا۔ نہ اٹھنے کا دل چاہتا تھا نہ ہی کچھ کرنے کا۔ سو وہ صبح سے بنا کچھ کھائے پیے یونہی پڑی تھی۔ دروازے پر دوبارہ دستک ہوئی۔

"کون' آجاؤ۔" وہ نقاہت سے بولی۔

"بڑی بی بی... وہ جی آپ کی دوست کا فون ہے۔ صبح سے دوبار کر چکی ہیں۔ آکے ان سے بات کرلیں۔" وہ اطلاع دے کر پلٹ گئی۔

وہ اپنے منتشر وجود کو سمیٹ کر اٹھی اور آہستگی سے چلتی ہوئی لاؤنج کے کارنر پر رکھے فون کا کریڈل جو ہولڈ تھا' اٹھایا۔

"ہیلو..." دھیمے سے کہا۔

"ہیلو... جی بیگم صاحبہ' آپ زندہ ہیں یا گزر گئیں؟" وہاں سے ماریہ چھوٹتے ہی طنز آمیز لہجے میں بولی۔

"پتا نہیں زندہ ہوں یا محض جی رہی ہوں۔" وہ پرملال لہجے میں بولی تو دوسری طرف ماریہ بری طرح ٹھٹک گئی۔

"کیا ہوا میرو... سب خیریت تو ہے۔ طبیعت کیسی ہے؟ سائر بھائی نے کچھ کہا۔" وہ تابڑ توڑ سوال کیے گئی۔

"پتا نہیں کیا بات ہے ماریہ... دل عجیب طرح سے گھبراہٹ کا شکار ہے۔" وہ کرسی پر بیٹھ کر جیسے بے بسی سے بولی۔

"ایک تو تم اپنا فون بھی نہیں ریسیو کرتی ہو' کیا مذاق ہے یار... کیا شادی کا مطلب اپنے پچھلے رشتوں سے کٹ جانا ہوتا ہے۔" وہ بے حد خفا لہجے میں بولی۔

"دوسروں کا مجھے نہیں پتا' مگر میرے لیے شاید شادی کا یہی مفہوم ہے۔" وہ دل گرفتہ تھی۔

"کوئی جھگڑا ہوا ہے سائر بھائی اور تمہارے بیچ؟" اس نے محتاط اندازہ لگایا۔

"جھگڑا...؟ جھگڑا تو نہیں ہوا۔ جھگڑے تو برابری کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ حاکم اور محکوم کے درمیان کیسا جھگڑا۔" اس نے زخمی مسکراہٹ سے کہا۔

"بہت اپ سیٹ ہو میرو..." وہ تاسف سے بولی۔

"کچھ روز کے لیے یہاں آجاؤ۔"

"بالکل نہیں..." وہ یک لخت ٹھوس لہجے میں بولی۔ "میں نہیں آسکتی۔"

"کیوں نہیں آسکتیں' بالکل آسکتی ہو۔ ایسا کرو تم تیاری کرو' شام تک امی اور سعد تمہیں لینے آجائیں

گے۔"

"نہیں ماریہ! سمجھنے کی کوشش کرو۔ میں بار بار اپنا گھر چھوڑ کر وہاں نہیں آسکتی۔" اب کی بار وہ خود کو سنبھال کر بولی۔

"چلو ٹھیک ہے' مرضی تمہاری' مگر یار! اپنی خیریت کی اطلاع تو دے دیا کرو جانتی ہو امی کو پریشانی ہونے لگتی ہے۔"

"ہاں۔ آئندہ خیال رکھوں گی۔ گھر میں سب کیسے ہیں!" اس نے بات پلٹنے کو پوچھا۔

"سب ٹھیک ہیں۔"

"چلو اچھا' میں فون رکھتی ہوں بعد میں بات کروں گی۔"

"اوکے۔" فون پکڑے وہ کتنی ہی دیر گم صم بیٹھی رہی۔

"کیا ہوا میرب بیٹی۔۔۔ سب خیریت تو ہے؟" وقار صاحب جو اسٹڈی سے نکل رہے تھے' اسے یوں ریسیور پکڑے گم صم بیٹھا دیکھ کر تشویش سے پوچھنے لگے۔

"جی ابو۔۔۔ السلام علیکم!" اس نے ریسیور کریڈل پر ڈال کر انہیں سلام کیا۔

"کیا ہوا بیٹی۔۔۔ طبیعت تو ٹھیک ہے۔" وہ اسے یوں بجھا بجھا سا دیکھ کر پریشان ہوا ٹھے۔

"جی۔" وہ مختصراً" بولی۔

"آج ہماری بیٹی نے ہمیں صبح کا ناشتا بھی نہیں دیا' کیا بات ہے کوئی ناراضی ہے کیا۔" وہ شگفتگی سے پوچھنے لگے۔

"نہیں تو بابا۔" وہ شرمندگی سے بولی۔

"طبیعت کچھ بوجھل سی تھی بس اسی لیے۔" وہ اٹھ کر ان کے پاس صوفے پر آکر بیٹھ گئی۔

"کچھ کھایا تم نے۔۔۔ دیکھو تو چہرہ کیسا پیلا پڑ رہا ہے۔" انہوں نے محبت پاش نگاہوں سے اسے دیکھا پھر لالی کو آواز دی۔

"لالی' میرب بیٹی کے لیے اچھا سا ناشتا تو لے کر آؤ۔"

"رہنے دیں بابا! یہ تو لنچ کا وقت ہے۔"

"کوئی بات نہیں تم برنچ کرلو۔" وہ مسکرائے۔ پھر پوچھنے لگے۔

"باپ بھائی یاد آرہے ہیں؟ اپنی سعدیہ آنٹی کے گھر جانا ہو تو رہ آؤ ان کے ہاں کچھ روز۔"

"نہیں نہیں۔۔۔ مجھے کہیں نہیں جانا۔" وہ اس طرح گھبرا کر بولی کہ وہ تعجب میں پڑ گئے۔

"اچھا بابا' جب تک لالی ناشتا لگاتی ہے میں فریش ہو کر آتی ہوں۔" وہ جلدی سے اٹھ گئی۔ وہ ان کے پرشفقت انداز پر شرمندگی سی محسوس کررہی تھی۔ وقار پرسوچ دکھوجی نگاہوں سے اس کی پشت تکتے گئے۔

"السلام علیکم بابا جان۔" اپنے روم سے نہائی دھوئی سی اجیہ برآمد ہوئی۔ وہ ابھی ابھی کالج سے لوٹی تھی۔

"وعلیکم السلام!" انہوں نے محبت سے پر لہجے میں اس کے سلام کا جواب دیا۔

"بھابھی کہاں ہیں وہ آج اٹھیں نہیں ابھی تک؟" اس نے صوفے پر بیٹھ کر آج کا اخبار یونہی اٹھایا۔

"طبیعت ٹھیک نہیں اس کی۔ اب وہ ہمارے گھر کی فرد ہے' ذرا اس کا حال احوال پوچھتی رہا کرو۔ اس کے پاس بیٹھا کرو۔ اس کی دل جوئی کرو۔" وہ اسے سمجھانے لگے کہ دیکھ رہے تھے اجیہ گھر کے معاملات سے مزید لاتعلق ہو گئی تھی۔

"کیوں۔۔۔ ایسا کیا ہو گیا انہیں؟" اس نے اخبار پر نظریں جمار کھی تھیں۔

"کچھ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔ تمام گھر والوں کو مل جل کر باہم محبت و رواداری سے رہنا چاہیے۔" وہ اس کے اس طرح کہہ دینے پر کچھ برہمی سے بولے۔

اب کی بار اجیہ کچھ نہیں بولی۔ وقار بھی کتاب ٹیبل پر رکھ کر ٹی وی پر نیوز لگا کر بیٹھ گئے۔

"بابا! امی کا انتقال کیسے ہوا تھا؟" کچھ دیر بعد اجیہ نے بظاہر اخبار پر نگاہیں ڈالتے ہوئے سرسری انداز

میں پوچھا مگر وقار بری طرح چونکے۔
"وہ... اسے ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔" انہوں نے آواز بند کر کے جواب دیا۔
"ان کی تدفین کہاں ہوئی ہے۔ یہیں یا لاہور میں؟" اب کی بار اس نے اخبار تہہ کر کے رکھ دیا۔
"آں... یہیں' لاہور سے تو ہم کافی عرصہ پہلے کراچی شفٹ ہو گئے تھے۔" انہوں نے بتایا۔
"تب تو ان کی میت میں کوئی بھی نہیں آیا ہو گا۔ کیونکہ ہمارے زیادہ تر رشتے دار وہیں رہتے ہیں۔"
اجیہ نے نکتہ پکڑا۔
"اچھا' کہاں ہے ان کی قبر... آپ کو کبھی جاتے نہیں دیکھا۔" وہ پوری طرح ان کے چہرے پر ابھرتے ڈوبتے تاثرات کی جانب متوجہ تھی۔
"یہیں ڈیفنس کے قبرستان میں تھی۔ میں جاتا رہا ہوں' شاید تمہیں دھیان نہیں۔" وہ بڑی حیرانی میں گھرے تھے اس کے سوالات سن کر۔
"کیا آپ مجھے لے کر جائیں گے وہاں۔" وہ اب پوری سنجیدگی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔
"کیسی باتیں کر رہی ہو اجیہ... لڑکیاں قبرستان نہیں جاتیں۔" وہ عاجز لہجے میں بولے۔
ان کے جوابات کا بے زار انداز' لہجے کا کھوکھلا پن' اجیہ کو نیزے کی انی کی طرح چبھا تھا۔
"کہیں تو کچھ غلط ہوا ہے۔ کیا؟ یہ نہیں معلوم مگر میں بہت جلد معلوم کر لوں گی بابا۔" وہ چمکتی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔
تب ہی لالی نے کھانا لگنے کی اطلاع دی۔ اور وہ کھانے کے لیے اٹھ گئے۔ کھانے کے بعد میرب واپس اپنے روم میں اور وقار قیلولہ کرنے چل دیے۔
اجیہ اسی کی منتظر تھی۔ اسے دھندلا سا یاد تھا کہ کچھ تصاویر تھیں ایک چرمی کالے بیگ میں ۴ سے وہ بیگ اسٹور میں ڈھونڈنا تھا۔ اس نے بڑی آسانی سے ڈھونڈ بھی لیا۔ وہ اسٹور میں ایک الماری کے نچلے خانے میں دیگر کاٹھ کباڑ کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔ اس نے بیگ جھاڑا۔ اور کھانستے ہوئے اس کی زنگ آلود زپ کھولی۔ اندر چند تصاویر تھیں۔ جن کے رنگ پھیکے پڑ گئے تھے۔ نمی سے آپس میں وہ کچھ جڑ بھی گئی تھیں۔
اس نے ایک تصویر احتیاط سے علیحدہ کی۔ اور عجیب سے محسوسات میں گھر کر تصویر دیکھے گئی۔ ایک دو تصاویر نکال کر اس نے باقی چیزیں بیگ میں یوں ہی ٹھونس دیں اور بیگ پھینک کر اسٹور سے باہر نکل آئی۔ اسے اب ایک ضروری کال کرنی تھی۔

☼ ☼ ☼

لمحہ لمحہ اس پر بہت گراں گزر رہا تھا۔
"مگر یوں ہو گیا۔" کہیں ویسا ہو گیا۔ جیسے سوالات اس کے من میں اٹھ کر اس کے صبح شام بے چین کیے ہوئے تھے۔ وہ اپنی چال چل چکی تھی۔ اب منتظر تھی کہ بازی کیا رنگ اختیار کرتی ہے۔ کبھی جی میں آتا کہ ایک مرتبہ پھر کال ملائے۔ مگر بدقت تمام وہ اپنے آپ کو روک رہی تھی۔ شاید وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ سامنے سے کیا رد عمل آتا ہے۔ اس وقت بھی وہ اپنے بوسیدہ سے بیڈ پر بیٹھی ممکنات اور ناممکنات کے متعلق اندازے لگانے میں مصروف تھی تب ہی اس کا فون تھرتھرانے لگا۔ وہ بری طرح چونک گئی۔ پھر فون پر نگاہ پڑتے ہی اس نے بڑی عجلت میں فون ریسیو کیا۔
"ہیلو۔ میں اجیہ بات کر رہی ہوں۔ اجیہ فاروقی۔" مکمل طور پر جذبات سے عاری لہجے میں کہا گیا۔
"ہاں۔ بولو۔" اس نے دانستہ لہجہ بے پروا بنایا۔
"آپ اس روز جو کچھ کہہ رہی تھیں کیا وہ سچ ہے؟"
"اب بھی شک ہے تمہیں؟ میرا خیال ہے کہ ان دو تین دنوں میں تم نے یہ بات جاننے کی کوشش تو ضرور کی ہو گی۔" وہ یقین سے بولی۔ اس کا یقین غلط نہیں تھا۔
اجیہ کو اس کا پُریقین انداز کچھ اچھا نہیں لگا۔ "میں نے کیا جاننے کی کوشش کی' یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے۔ مجھے تو آپ کا "سچ" جانچنا ہے۔ تو پھر آپ کب ملوا رہی

ہیں مجھے "میری ہاں سے" وہ تمسخرانہ انداز میں بولی۔
"جب تم چاہو۔ جہاں تم چاہو۔" اس نے جیسے مکمل طور پر اسے بے بس کردیا۔
"تو پھر ٹھیک ہے۔ ویمنز کالج کے سامنے جو پارک ہے اس پارک میں موجود جھیل پر وہ مجھ سے مل سکتی ہیں۔" اس نے ٹھہر ٹھہر کر بتایا۔
"کب اور کس وقت؟" اس نے محتاط انداز میں پوچھا۔
"کل صبح دس بجے شارپ۔ میں انتظار کروں گی۔"
"اکیلی آؤ گی؟"
"ہاں کیوں؟" اس کا ماتھا ٹھنکا۔
"بڑی بہادر ہو جو اتنی آسانی سے میری باتوں پر یقین کرکے اپنی ماں سے ملنے اکیلی آرہی ہو۔" توصیفی انداز میں اسے سراہا گیا۔
"بعض معاملات میں بہادری دکھانا پڑتی ہے اور آپ پر یقین کرنے یا نہ کرنے کا سوال قبل از وقت ہے۔ اس بات کا فیصلہ تو کل ہو ہی جائے گا۔" وہ پراعتماد لہجے میں بولی۔
"خوب۔ تمہارا انداز مجھے اچھا لگا۔"
"خدا حافظ' یاد رہے کل دس بجے شارپ۔"
اس نے اس بات پر کوئی تبصرہ کیے بنا فون رکھ دیا۔
"شروعات تو اچھی ہے۔ تم ایک مرتبہ ملو تو سہی۔ ملاقات کا انجام بھی میں اپنی مرضی کے مطابق سیٹ کر ہی لوں گی۔" اس کی آنکھوں کی چمک لحظہ بہ لحظہ گہری ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اس چبھتی روشنی نے پورا کمرہ بھر دیا۔

☼ ☼ ☼

اگر آپ بدقسمت ہیں تو یہ بدقسمتی تاعمر آپ کا تعاقب کرتی ہے۔ وہ کون لوگ ہیں' جو کہتے ہیں کہ انسان اپنی قسمت خود لکھتا ہے۔ لکھتا ہے بالکل لکھتا ہے مگر جو اپنی قسمت خود لکھتا ہے وہ بھی تو خوش قسمت ہی ہوتا ہے۔ بدقسمت انسان اپنی تقدیر کہاں بدل پاتا ہے۔ اور میں بھی شاید ان ہی لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے اپنی تقدیر بدلنے کی کوشش ضرور کی مگر آج بھی کبھی کبھی لگتا ہے کہ وہ بدنصیبی جو میرا مقدر رہی ہے میرے بچوں کے تعاقب میں ہے۔ میں نے اپنے بچوں کے مستقبل کے لیے کیسی کیسی کٹھنائیاں جھیلی ہیں یہ میرا دل جانتا ہے۔
مگر یہ آج اجیہ۔ میری گڑیا سی بیٹی کو کیا ہوا؟ وہ کیوں اتنے اجنبی لہجے میں مجھ سے سوالات کررہی تھی؟ کیا اس کا یقین مجھ پر سے اٹھ گیا ہے۔ نہیں نہیں ایسا تو ممکن نہیں۔ میں دودھ کا جلا ہوں نا اس لیے۔ ہر واقعے کو اسی پس منظر میں دیکھنے کا عادی ہوں۔ شاید یہ میرے اندر چھپا خوف ہے۔ جو مجھے ہر لحہ کھائے جاتا ہے۔ سارے سچ ایک جھوٹ کے آگے اپنی حیثیت نہ کھودیں' یہ دھڑکا مجھے ہمیشہ لگا رہتا ہے۔ زندگی نے کبھی بھی مجھے آپشنز نہیں دیے ایک راہ منتخب کردی اور حکم ملا کہ اس پر چلتے جاؤ میں چلتا گیا' چلتا گیا مگر اب سوچتا ہوں کہ کیا کوئی راستہ اس کے علاوہ بھی تھا؟ وقار ماضی کے دھندلکوں میں کھور ہے تھے۔

☼ ☼ ☼

اک چال چندا چل رہی تھی تو دوسری چال اس کی قسمت۔
اس سے قبل کہ وہ گھر والوں کو اپنی پسند سے آگاہ کرتی۔ قاسم کے دوست کے توسط سے اس کے لیے ایک رشتہ آگیا۔ لڑکا خوش شکل تھا۔ تعلیم یافتہ تھا۔ ذاتی گھر و کاروبار تھا اور پھر نہ ماں نہ باپ' بہنیں اپنے گھر بار والی' ہاں اک چھوٹا بھائی تھا جو عنقریب پڑھنے کے لیے باہر جانے والا تھا۔ بی بی رقیہ کو تو یہ رشتہ نعمت غیر مترقبہ ہی محسوس ہوا۔ وہ تو اس کی تنک مزاجی سے ہمہ وقت ہولا کرتی تھیں کہ اس لڑکی کا سسرال میں گزارا کیسے ہوگا۔
"واہ رے مولا تیرے کام۔ گھر بیٹھے ایسا اچھا رشتہ دلوادیا' لو بیٹا مانو۔ بہن کو لڑکے کی تصویر دکھادو۔ اچھا ہے دیکھ لے ویسے ہی بڑی نخریلی ہے۔" آج بی بی کے

لبوں پر اس کے لیے خیر ہی خیر کے کلمات رکھے تھے۔ مانو جو پہلے ہی لڑکے کی تصویر دیکھ کر اوکے کر چکی تھی، خوشی خوشی تصویر اٹھا کر اپنے کمرے میں لے گئی۔

"دیکھا نیک بخت! میں نہ کہتا تھا' میری چندا قسمت کی دھنی ہے دھنی ان شاء اللہ وہاں راج کرے گی میری بیٹی۔" شیخ صاحب حقہ گڑگڑا کر بھری طمانیت سے بولے کہ وہ اور قاسم لڑکے کا گھر بار دیکھ آئے تھے۔ چال چلن کے متعلق بھی تصدیق کروالی تھی۔ خاندان کے حوالے سے بھی تسلی بخش چھان بین ہو چکی تھی۔ لڑکے کی بہنیں دور' دور شہروں میں بیاہی گئی تھیں۔ انہیں شادی پر ہی آنا تھا۔ سارے معاملات قاسم کے دوست کے توسط سے طے ہونے تھے۔ چندا کی تصویر بھی اسی نے لڑکے کو دے دی تھی۔ اس نے اوکے کیا تب ہی یہ لوگ اسے دیکھنے گئے تھے۔

"کیا بکواس کر رہی ہو؟" وہ جو ابھی ریڈیو پر اپنی پسند کا نغمہ سن کر فارغ ہو کر بیٹھی تھی' مانو کی بات پر اٹھ بیٹھی۔

"اور کیا۔ سچ ہی تو کہہ رہی ہوں' رشتہ پکا ہو گیا ہے تمہارا۔ یہ رہی لڑکے کی تصویر' مانو نے خوشی سے ملفوف' تصویر اس کے ہاتھ میں دی۔ چندا بھنا کر ایک جھٹکے سے کھڑی ہوئی۔

"تم لوگوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ مجھے بھیڑ بکری سمجھ رکھا ہے کیا۔" وہ حلق کے بل اتنی زور سے چیخی کہ باورچی خانے سے گھبرا کر نازو دوڑی آئی۔ مانو اس کے رد عمل پر ہکا بکا ہی کھڑی تھی۔

"کیا بات ہو گئی' کیوں اتنی زور سے چلا رہی ہو۔" وہ ناگواری سے بولی۔

"چیخوں گی اور زور سے چیخوں گی وہ دیوانگی سے بولی ان لوگوں کی ہمت کیسے ہوئی میرا رشتہ یہاں طے کرنے کی۔" وہ مارے طیش کے کپکپا رہی تھی۔

"آہستہ چندا' ابا گھر پر ہیں۔" نازو نے گھبرا کر اسے کنٹرول کرنے کی سعی کی۔ بی بی بھی یہ چیخ و پکار سن کر افتاں و خیزاں دوڑی چلی آئیں۔

"میں تو ہوا کریں۔ سب کو اچھی طرح سمجھا دو' مجھے نہیں کرنی وہاں شادی' جہاں یہ لوگ طے کیے بیٹھے ہیں۔"

بی بی حق دق سی اس کی بکواس سنے گئیں۔

"پھر کہاں کرنی ہے۔ وہ جگہ بتا دو۔" اس ٹھہری ہوئی سنجیدہ آواز پر بی بی' مانو اور نازو کو لگا جیسے ان کے بدن کا سارا خون کسی نے نچوڑ لیا ہو۔

"ہاں۔ ہے ایک لڑکا' اسی سے شادی کروں گی میں۔" وہ قاسم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بلا خوف و خطر بولی۔

"بے غیرت۔ تیری ہڈی پسلی ایک کر دوں گا میں۔ تیری اتنی ہمت۔" بس لمحوں کا کھیل تھا۔ قاسم کے منہ سے کف اڑنے لگا اور وہ بری طرح اس پر پل پڑے۔

ہراساں سی نازو ہی اسے بچانے کو آگے بڑھی۔ بی بی تو ششدر کھڑی تھیں اور مانو بری طرح روتے ہوئے انہیں تھامے کھڑی تھی۔

"چھوڑو قاسم۔" وہ اسے چھڑانے لگیں۔

"سمجھا دو اس بے حیا کو اچھی طرح۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" ان کا تنفس بری طرح زیر و زبر تھا۔

"اے۔" وہ جو زمین پر اوندھی پڑی ہوئی تھی ایک جھٹکے سے سیدھی ہوئی۔ "جو کرنا ہے کر لو۔ شادی تو میں اسی سے کروں گی' اور اگر مجھ سے زبردستی کی کوشش کی تو میں بھاگ جاؤں گی یاد رکھنا۔" اک لمحہ کے لیے تو سب ہی کو لگا جیسے انہیں سننے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔ اتنی بڑی بات وہ کتنی آسانی سے کہہ گئی۔ مگر نہیں۔ انہیں سننے میں نہیں اسے سمجھنے میں غلطی ہوئی تھی۔ بہت بڑی غلطی۔

"بے شرم۔ تجھے میں آج ہی مار کر تیرا قصہ تمام کرتا ہوں۔" وہ جو باہر نکل رہے تھے بپھر کر پلٹے۔

"اس کی ضرورت نہیں قاسم۔" ایک خفیف و تھکی

تھکی سی آواز گونجی۔ "جب نقیب گھر میں موجود ہوں تو اونچی فصیلیں بھی ریت کا ڈھیر ثابت ہوتی ہیں۔ میری رہی سہی عزت کا تماشا لگوانے سے بہتر ہے کہ اس لڑکے کے متعلق معلوم کرواؤ۔ مجھے ایک ہفتے کے اندر اندر ہی اسے اس گھر سے دفع کرنا ہے۔"

شیخ صاحب کے کندھے جھکے ہوئے تھے اور آواز میں ڈوبنے والوں جیسی آہیں تھیں۔

مانو کے لبوں سے گھٹی گھٹی سی چیخ برآمد ہوئی۔ نازو نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ بی بی تیورا کر زمین پر گری تھیں۔

☼ ☼ ☼

دور دور تک خشک، مٹیالے پہاڑوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ نجانے وہ یہاں کیسے پہنچا تھا۔ آج بھی وہ ننگے پاؤں تھا۔ کنکر، پتھر، خشک خاردار جھاڑیاں اس کے پیروں کو زخم زخم کر چکی تھیں۔ سورج غائب تھا مگر بادل بھی نہیں تھے، نجانے یہ کون سا موسم تھا۔ حبس، شدید قہر، اور ماحول مٹیالا سا تھا۔ اور وہ دوڑ رہا تھا۔ نجانے اس پر کیا جنون طاری تھا۔ تب ہی اس کے کانوں نے مانوس سی آواز سنی۔ بے حد مہین و ناتواں سی آواز۔

"اجیہ۔ اجیہ۔" وہ وحشت ناک انداز میں چلایا۔

"میری بہن، کہاں ہو؟" وہ دردانگیز لہجے میں اسے دیوانہ وار پکارے گیا۔

"یہاں ہے آؤ اسے لو۔" شوخ سی آواز پر وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ تب ہی ایک پہاڑ کی چوٹی پر اس کو وہی گلابی آنچل دکھائی دیا جس نے اس کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی۔ اس کے سڈول بازوؤں نے اک چھوٹی سی بچی کو تھام رکھا تھا۔

"آجاؤ۔ اسے بچالو، دیکھو منحوس رو رہی ہے۔ میں اسے نیچے پھینکنے لگی ہوں آجاؤ۔" بڑے دل آواز انداز میں وہ اسے پچکار کر بلا رہی تھی۔

"مت پھینکنا اسے۔ میں آرہا ہوں۔" وہ متوحش سا چیخا۔

"دیکھو وہ دیکھو گئی نیچے۔ ہاہاہا۔" وہ ہذیانی قہقہے لگانے لگی۔

"اجیہ۔ میری بہن۔" اس کی آخری چیخ بڑی بے بس تھی کیونکہ گلابی آنچل والی نے اس کی بہن کو پہاڑ کی چوٹی سے نیچے پھینک دیا تھا۔

"اجیہ" اس کی گھبرا کر آنکھ کھلی تھی۔ اس نے کچھ دیر تک یاد کرنے کی کوشش کی کہ وہ کہاں ہے۔ پھر سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر لبوں سے لگا کر ایک سانس میں خالی کر دیا۔ پھر اٹھا اور اضطراری انداز میں سگریٹ سلگا کر کچھ لمحوں تک کمرے میں یہاں وہاں ٹہلتا رہا۔ پھر رائٹنگ ٹیبل تک آیا۔ وہاں کا لیمپ روشن کیا۔ بے آواز انداز میں مقفل دراز کھولی اور اس میں سے گرین جلد والی ڈائری کھول کر کچھ لکھنے لگا۔ لکھتے لکھتے کبھی کبھی وہ رک کر لمبے لمبے سانس لینے لگتا۔ میرب نے آنکھوں پر رکھے بازوؤں کی اوٹ سے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھ سائر کے چیخ کراٹھنے سے کھل گئی تھی تاہم اس نے اپنے آپ کو سوتا ہی ظاہر کیا۔ ماحول میں اترا سناٹا بتا رہا تھا کہ رات بہت بیت چکی ہے۔ مگر وہ اس بتی رات میں آخر کیا لکھ رہا تھا۔

میرب پریشانی و تجسس کی ملی جلی سی کیفیت میں گھری سوچے گئی۔

☼ ☼ ☼

یہ صبح اجیہ کی زندگی کی سب سے عجیب صبح تھی۔ وہ جلدی جلدی تیار ہو گئی اور ڈرائیور کے ساتھ کالج آگئی۔ ڈرائیور کے جانے تک وہ یوں ہی رخ موڑے کھڑی رہی۔ پھر اس نے اک میسج سینڈ کیا۔ بوتل کے جن کی طرح آغا حاضر تھا۔ وہ اس کے ساتھ آج بھی سمندر کنارے چلی آئی۔

"اور اگر وہاں وہ موجود ہوئیں تو۔" وہ مضطرب سی ہو کر پوچھنے لگی۔

"تو کیا، جا کر بات کر لینا۔ پتا تو چلے آخر کیا راز ہے۔" وہ مزے سے بولا۔

"تمہارے لیے یہ کہہ دینا آسان ہے آغا۔ میں

جس مینٹل کنڈیشن سے گزر رہی ہوں اس کا تمہیں اندازہ نہیں۔" وہ اس کے لاپروا انداز پر برہم ہوئی۔

"بھئی کیا ہو گیا ہے تمہیں۔" وہ چڑ کر بولا۔ "کیوں بات بات پر ناراض ہونے لگی ہو۔ میں تمہیں بالکل ٹھیک مشورہ دے رہا ہوں۔ اگر وہاں تمہاری جا ہوتی میں تو جا کر ان سے بات کر لیتا۔ نہیں تو صرف دیکھ کر کیا کرنا ہے۔ اچار ڈالنا ہے۔" وہ اس سے بولا تو اجیہ اسے گھورنے لگی۔

"مسئلہ تو سارا یہی ہے۔ میرے لیے بچپن سے وہ مر چکی ہیں۔ اب اچانک وہ زندہ ہو کر میرے سامنے آئیں گی تو کیا تم میرے جذبات کا اندازہ لگا سکتے ہو کہ کیا ہوں گے؟" وہ اسے اپنا موقف بتانے لگی۔

"جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ ویسے لگے گا تو تمہیں عجیب ہی۔ مگر یہ کیا سسپنس ہے یار۔ تم نے اپنے گھر میں کسی سے ذکر کیا۔"

اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" اجیہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "سچ جاننے کے لیے یہ ضروری تھا۔"

"تو گویا تمہیں اس عورت کی باتوں پر کچھ نہ کچھ یقین ضرور ہے؟"

"ہاں۔ نجانے کیوں میں اس کی باتوں کو رد نہیں کر سکی۔" اس نے اعتراف کیا۔ "مگر میں بے حد کنفیوژ ہوں۔"

"ہاں وہ تو لگ ہی رہی ہو، یہ لو پیو۔" اس نے جوس کا ٹن اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔ جو اس نے بے دلی سے پرے کر کے نفی میں سر ہلا دیا۔ پھر وہ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ اسی اثناء میں پونے دس ہو گئے تب وہ اٹھ گئے۔

"وش یو بیسٹ آف لک۔" آغا نے اس کے گاڑی سے اترنے کے بعد اسے انگوٹھا دکھایا۔

"ہوں۔" وہ ناچار مسکرائی اور پارک میں قدم رکھ دیے۔ اندر موجود اکا دکا افراد نے اسے معنی خیزی سے دیکھا، وہ نظر انداز کرتے ہوئے۔ جھیل تک آئی اور وہاں لگے بے شمار درختوں میں سے اک موٹے تنے والے برگد کے درخت کی اوٹ میں کھڑی ہو گئی۔ اس نے بے تابی سے گھڑی دیکھی سوا دس ہو رہے تھے۔ تب ہی کالی چادر کی بکل مارے کوئی عورت یہاں وہاں مشکوک انداز سے دیکھتی ہوئی وہاں نصب بنچوں کی اور بڑھتی دکھائی دی۔ پھر ایک بینچ منتخب کر کے وہ بیٹھ گئی۔ اس نے چادر سے اپنا آدھا چہرہ چھپا رکھا تھا۔ وہ محتاط انداز سے ارد گرد دیکھے جا رہی تھی۔ پھر اس نے منہ سے چادر ہٹا کر رومال سے شاید پسینہ پونچھا تھا۔ اور تب ہی اجیہ نے دیکھا۔ کھنڈرات بتا رہے تھے کہ عمارت وہی تھی جو اس نے شادی کی تصاویر میں اپنے باپ کے پہلو میں دیکھی تھی۔ اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ گئے۔ دل بری طرح دھڑکنے لگا۔ آنسو تھے کہ بے وجہ ہی گالوں پر پھسل آئے اور اس کے قدم میکانکی انداز میں اس کی جانب بڑھنے لگے۔ ابھی وہ اس بنچ کے نزدیک پہنچ بھی نہیں پائی تھی کہ وہ عورت لپک کر اس تک پہنچی۔

"میری بچی۔ میری اجیہ۔" اس نے والہانہ انداز میں اسے خود سے لپٹا لیا۔ "کتنی تڑپی ہوں۔ کتنا روئی ہوں میں تمہارے لیے۔" وہ اسے بے تحاشا چوم کر بولی۔ اجیہ سُن سی کھڑی تھی۔

"کیسا اندھیر ہے میرے مولا۔ اک بے بس ماں اپنی نوزائیدہ بچی کے لیے تڑپتی رہی مگر کسی کو ترس نہ آیا۔" اس کی آنکھوں سے سیل رواں جاری تھا۔

"آ۔ آپ نے مجھے کیسے پہچانا۔" اجیہ کے منہ سے تحیر آمیز سرسراتی آواز نکلی۔

"ماں ہوں تمہاری میرے بچے! تمہارے وجود کی خوشبو نے تمہارا پتا بتا دیا۔" وہ اسے یوں چھو چھو کر دیکھ رہی تھی گویا اس کے ہونے کا یقین کرنا چاہتی ہو۔

"چلو، چلو میرے گھر، باہر ٹیکسی کھڑی ہے۔ ابھی تو مجھے اپنی بچی سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر بے قراری سے بولی۔

"آج نہیں پھر کبھی۔" وہ شدید ذہنی دھچکے میں

تھی۔

"نہیں۔ نہیں آج ہی۔ ابھی تو میری ممتا کو قرار بھی نہیں ملا تمہیں دیکھ کر۔" وہ جذباتیت سے بولی۔ تو وہ پسپا ہو کر اس کے ساتھ چل دی۔ زندگی کا یہ موڑ اسے کس سمت لے جانے والا تھا اگر جان جاتی تو یہیں ٹھہر جاتی۔

☆ ☆ ☆

گھر میں موت کا سناٹا طاری تھا۔ گھر کے سب ہی نفوس ایک دوسرے سے دانستہ نگاہیں چرائے پھر رہے تھے۔ نہ کسی کو ڈھنگ سے کھانے پینے کا ہوش تھا نہ کسی اور بات کا۔ ایسے میں بی بی کی آواز کبھی کبھی ماحول کا سناٹا چیر دیتی۔

"ہائے میرے مولا۔ میرے مالک! یہ سیاہ دن دکھانے سے پہلے تو نے مجھے مٹی میں کیوں نہ ملا دیا۔" وہ کرلا رہی تھیں۔ اور شیخ صاحب تو دو ہی دنوں میں اپنے بستر سے لگ گئے تھے۔ انہوں نے ایک گہری چپ اوڑھ رکھی تھی مگر بی بی جانتی تھیں کہ وہ اندر سے قطرہ قطرہ پگھل رہے ہیں۔ ایسے میں اگر کوئی ہواؤں کی طرح ہلکا پھلکا تھا تو وہ صرف چندا تھی۔ اس کے انداز سے لگتا تھا کہ جیسے گھر میں کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ حالانکہ گھر میں وہ کچھ بیت چکا تھا کہ جس کا مداوا نہ تھا۔

"کیا مصیبت ہے۔ آج پھر دوپہر میں روٹی بنالی۔ تم جانتی ہو، مجھے دوپہر میں چاول کھانے کی عادت ہے، مجھے نہیں کھانی روٹی۔ جاؤ میرے لیے چاول بناؤ۔" چندا نے دیکھ کر حسب معمول وعادت اعتراض جڑا۔ مانو خاموشی سے بنا کچھ کہے اٹھنے لگی۔ نازو جو چندا کو قہر آلود نگاہوں سے دیکھ رہی تھی اس نے یکدم ہی اس کا ہاتھ پکڑا۔

"تم بیٹھ کر کھانا کھاؤ اور تم" اس نے نفرت سے اسے دیکھا "روٹی کھانی ہے تو کھاؤ۔ نہیں تو خود ہاتھ پیر ہلالو۔ یہاں کوئی تمہارا نوکر نہیں ہے جو تمہارے احکامات بجا لائے۔" وہ کہہ کر کھانے کی جانب متوجہ ہو گئی۔

دو منٹ تک تو چندا اسے خون آشام نگاہوں سے گھورتی رہی۔ پھر جھٹکے سے اٹھی اور صحن میں نکل گئی۔

"ابا سے شکایت لگانے گئی ہے۔" مانو نے بے ساختہ کہا پھر یک دم ہی جیسے بے بسی سے ہونٹ کاٹنے لگی۔

"وہ یہ حق کھو چکی ہے مانو۔ جنہیں ہم نے اپنے دل میں بہت اونچے مقام پر بٹھا رکھا ہو۔ وہ جب اس مقام سے گرتے ہیں تو اتنے نیچے چلے جاتے ہیں کہ جھک کر دیکھنے پر بھی دکھائی نہیں دیتے۔" وہ کھانا کھا کر برتن ٹرے میں رکھنے لگی۔ تب ہی وہ واپس لوٹی الٹے ہاتھ سے اپنی سیدھی کلائی تھامے۔ "برنال کہاں ہے؟" وہ تکلیف دہ انداز میں بولی۔ شاید اس نے چاول بنانے کے چکر میں اپنا ہاتھ جلالیا تھا۔

"اماں کے پاس رکھی ہوئی ہے۔" جواب مانو نے دیا تھا۔ نازو برتن سمیٹ کر بنا اس کی طرف دیکھے کمرہ عبور کر گئی تھی۔

"لا کے دو فورا۔" وہ اپنی کلائی پر پھونکیں مارتی ہوئی بولی۔ مانو اٹھی اور اماں کے کمرے میں جا کر آہستگی سے بولی۔

"برنال چاہیے۔ چندا نے اپنا ہاتھ جلالیا ہے۔"

اور بی بی نے آج اس کے پھوہڑپن پر بالکل غصہ نہیں کیا۔ چپ چاپ اپنے سرہانے بنے طاق میں سجی انواع و اقسام کی چیزوں میں سے برنال برآمد کر کے اسے تھمادی۔ مانو اسے تھام کر باہر چل دی۔ بی بی بلا ارادہ ہی وہ واقعہ سوچ گئیں کہ جب ایک مرتبہ انہوں نے چندا کے ذمے سبزی کاٹنے کا کام لگایا تھا۔ پیاز کاٹتے کاٹتے یک دم ہی تیز دھار چھری اس کے انگوٹھے پر پھر گئی تھی۔ زیادہ کچھ نہیں ہوا تھا، محض اوپر کی کھال چھلی تھی مگر اس نے رو رو کر آسمان سر پر اٹھا لیا تھا۔ پھر شیخ صاحب نے بی بی کے وہ لتے لیے تھے کہ خدا کی پناہ۔ اور یوں آئندہ اس سے سبزی کٹوانے پر بی بی نے توبہ کر لی تھی۔

"شیخ صاحب! کھانا کھالیں۔" بی بی نے گھبرا کر

انہیں آواز دی۔

"دل نہیں چاہ رہا نیک بی بی۔" وہ ہنوز کروٹ لیے لیٹے تھے۔ مگر ان کی نم آواز گواہ تھی کہ وہ رو رہے تھے۔

بی بی تڑپ کر ان کے تخت پر آکر بیٹھیں۔

"شیخ صاحب! آپ رو رہے ہیں؟" خود ان کی آواز بھی بھیگ گئی تھی۔

"نہیں بی بی۔ یہ تو میرے دل میں پکتا ناسور ہے جو آنکھوں کے راستے بہہ رہا ہے۔" وہ نحیف آواز میں بولے۔

"کیوں ہلکان کر رہے ہیں خود کو۔" وہ ان کا کندھا دبانے لگیں۔

بعض اوقات درد اتنا سوا ہوتا ہے کہ اسے بیان نہیں کیا جاسکتا۔ وہ بھی اس وقت درد کی اسی کیفیت سے گزر رہے تھے۔

"پانی پلاؤں؟"

"پلادو۔" اور بی بی اٹھیں اور ان کی مخصوص صراحی میں سے صاف ٹھنڈا پانی نکال کر انہیں دیا۔ وہ اٹھے۔ انہوں نے گلاس تھاما۔ گلاس تین گھونٹ میں خالی کر کے انہیں دوبارہ تھمادیا۔ وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی چلنے کی اسٹک تھامی۔

"کہاں چلے۔ کھانا تو کھالیں؟" بی بی نے پریشانی سے کہا۔

"بھوک نہیں۔ گھر میں دم گھٹ رہا ہے۔ ذرا باہر سے ہو کر آتا ہوں۔" انہوں نے قدم بڑھائے۔

"مگر ابھی تو بہت دھوپ ہے باہر۔ ذرا دن ٹھنڈا پڑنے دیں۔"

"میرے اندر اتنی آگ دہک رہی ہے بی بی کہ باہر کی گری میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ مت روکو مجھے، نکلنے دو باہر۔" وہ بے بسی سے بولے اور یہ کہہ کر باہر چل دیے۔ بی بی ایک مرتبہ پھر گھٹی گھٹی آواز میں رونے لگیں۔

"ہائے میرے اللہ۔ کیا اسی دن کے لیے اماں باوا اپنے بچوں کے لاڈ اٹھاتے ہیں کہ یہ یوں اپنی من مانی کر کے اپنے ماں باپ کے منہ پر کالک تھوپیں۔"

ادھر چندا ان ساری باتوں سے بے نیاز چادر منہ تک تانے چھوٹے سے ریڈیو پہ کہیں سے آتا کوئی ڈرامہ بغور سننے میں مشغول تھی۔

دو تین دن قبل آصف شیرازی کو فون پر وہ تمام تفصیلات بتا کر سمجھا چکی تھی۔ اس جمعہ کو وہ اس کا رشتہ لے کر آرہا تھا۔ یہ محاذ وہ اتنی جلدی فتح کرلے گی۔ اس کا تو خود اسے بھی اندازہ نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

"میرے ابا جی مرحوم غریب آدمی تھے۔ کچھ قرضہ لے رکھا تھا انہوں نے تمہارے باپ سے۔ وہ قرضہ اتار نہیں سکے۔ الٹا میرا رشتہ تمہارے باپ کے ساتھ طے کردیا۔ میں نے اس وقت انیسویں سن میں قدم رکھا تھا تمہارا باپ مجھ سے دوگنی عمر کا تھا۔ مگر میں باپ اور بھائیوں کی عزت کو سنبھالے ہوئے اس کے گھر بیاہ کر چلی آئی۔ بڑی عمر کا مرد یوں بھی شکی ہی ہوتا ہے اور اگر اس کی بیوی ذرا اچھی شکل وصورت کی ہو تب تو اس کے شکوک و شبہات سوا نیزے پر پہنچ جاتے ہیں۔ میرے کہیں آنے جانے پر پابندی تھی۔ غیر تو غیر رشتے داروں تک سے یہ مجھے ملنے نہیں دیتا تھا۔ میرا میکا جانا اسے پسند نہیں تھا۔ زندگی مجھ پر ہر طرح سے تنگ کر رکھی تھی اس آدمی نے۔

ایک روز میں ذرا دیر کو تنہائی سے گھبرا کر کھڑکی میں کھڑی ہوگئی۔ اس نے دیکھ لیا۔ مجھے اتنا مارا کہ میں بے ہوش ہوگئی۔ شادی کے کچھ عرصے بعد ہی میرے ماں باپ فوت ہوچکے تھے۔ زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ چند روپوں کی خاطر کس جہنم میں بیٹی کو اٹھا پھینکا تھا۔ بھائی اپنی دنیا میں مگن، بہنیں بیاہ کر دور دیس جابسی تھیں۔ ایسے میں کون تھا جو تمہارے باپ سے اس کے ناروا سلوک کے متعلق بازپرس کرتا۔ اس لیے وہ اور شیر ہوتا گیا۔ میں اپنی جانب سے ہر ممکن کوشش کرتی کہ اسے کوئی شکایت نہ ہو مگر قسمت کی خرابی انسان درست نہیں کرسکتا۔

یہ اپنے کاروبار کے سلسلے میں اکثر شہر سے باہر جاتا تھا۔ ان دنوں یہ اپنے ایک خاص کارندے کو میری نگرانی پر مامور کر جاتا۔ یہ تمہاری پیدائش کے بعد کا قصہ ہے۔ یہ حسب معمول اپنے کسی کام سے دوسرے شہر جا رہا تھا۔ اس روز بہت موسم خراب تھا۔ بارش نے طوفان کی شکل اختیار کرلی تھی۔ یہ مغرب کے بعد ایئرپورٹ کے لیے نکل گیا۔ تمہاری پیدائش کے بعد میں بہت بیمار ہوگئی تھی۔ مارے نقاہت کے مجھ سے اٹھا بھی نہ جاتا تھا۔

اس کو گئے تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ اس کا ہی کوئی دوست ایک اٹیچی کیس اٹھائے اس سے ملنے چلا آیا۔ اس زمانے میں موبائل تو تھے نہیں۔ گھر کا فون ڈیڈ پڑا تھا۔ اس نے اطلاع دینے کی کوشش کی تھی۔ مگر بوجوہ نہ دے سکا۔ خیر اس کی آمد کا مجھے بشیرن ملازمہ نے بتایا۔ خرابی موسم کی وجہ سے سڑکیں بند تھیں۔ سواری ملنا بھی مشکل۔ میں نے کہا مہمان خانہ کھلوا دو وہیں پڑ جائے گا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ میری نیکی اگلے ہی لمحے میرے گلے پڑ جائے گی۔

طوفانی بارشوں کی وجہ سے فلائٹ کینسل ہوگئی اور تمہارا باپ واپس گھر چلا آیا۔ میں اس وقت اپنے کمرے میں سو رہی تھی جب اس کے بری طرح چیخنے سے میری آنکھ کھل گئی۔ میں دہشت زدہ سی ہو کر لاؤنج کی طرف بھاگی۔ وہ اپنے دوست کو بری طرح زدوکوب کر رہا تھا' دوست اپنی صفائی میں کچھ کہنے کی کوشش کر تو رہا تھا مگر اس پر تو گویا دیوانگی طاری ہو چلی تھی۔ جیسے ہی میں لاؤنج میں داخل ہوئی اس کے غصے کا رُخ میری طرف ہوگیا۔ اس نے مجھے بہت مارا' مغلظات بکیں' الزام تراشی کی' بہتان باندھا۔ میں ہاتھ جوڑے گڑگڑاتی رہی مگر تمہارے شکی مزاج باپ کو ذرا بھی رحم نہ آیا۔ اس نے دھکے مار کر مجھے اس بُری بارش میں اپنے گھر سے نکال باہر کیا۔ تمہیں بھی دیکھنے نہ دیا۔"

اس کا پورا وجود جھٹکوں کی زد میں تھا اور وہ بری طرح رو رہی تھی۔

اجیہ بنا پلک جھپکائے بہتی آنکھوں میں بے یقینی سموئے یہ داستان سنتی رہی۔

"پھر اس کے بعد آپ نے کیا کیا؟" اس کے منہ سے سرسراہٹ نما آواز نکلی۔

"کیا کرتی؟ خودکشی ہی کرنے جا رہی تھی کہ تمہارے باپ کے دوست ہی نے سمجھایا کہ اپنے گھر والوں سے بات کرو۔ میں ان سے بات کرتی اس سے قبل ہی وہ میرے گھر والوں کو میری بے حیائی اور گھر چھوڑ جانے کے قصے سنا چکا تھا۔ انہوں نے صاف لفظوں میں مجھے قبولنے سے انکار کردیا۔" اس نے آہستگی سے اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے دل گرفتہ انداز میں بتایا۔

"بہت ظلم ہوا ہے آپ کے ساتھ۔" اس نے ہچکیوں کے درمیان کہا۔ "پھر آپ نے زندگی دوبارہ شروع کیسے کی؟ کیا شادی کرلی؟"

"پہلی شادی ہی اتنا بھیانک تجربہ تھی کہ آئندہ کر کے کیا کرتا تھا۔ تعلیم میری اتنی نہیں تھی' شروع میں چھوٹی موٹی نوکریاں کر کے گزارا کرتی رہی۔ قسمت میڈم کے پارلر لے گئی۔ آج تک وہیں جاب کر رہی ہوں۔" وہ یاسیت سے مسکرائی۔

"آپ نے اپنے حق کے لیے آواز کیوں نہیں اٹھائی۔" وہ ایک دم مشتعل ہو کر بولی۔

"میں مفلس' غریب' خالی جیب میری بھلا کون سنتا؟" اس نے اپنا مذاق خود اڑایا۔

"مجھے آپ کے بھائی بہنوں پر حیرت ہے' انہوں نے کیوں آپ کی بات نہیں سنی؟" وہ کڑوے لہجے میں بولی۔

"اپنے گلے میں گھنٹی کون باندھتا ہے۔" وہ رنجیدہ سی بولی۔ "میرے سچ کو تسلیم کرلیتے تو اخلاقاً یا دنیا داری ہی کو مجھے چھت کا تحفظ بھی فراہم کرنا پڑتا۔"

"زندگی نے بہت غلط کیا ہے آپ کے ساتھ۔" اس کے آنسو پھر بہنے لگے۔ وہ بستر سے اٹھی اور اس

کے نزدیک آکر اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں
لے کر مضبوط لہجے میں بولی۔

"کوئی آپ کا ساتھ دے یا نہ دے، میں آپ کا
ساتھ دوں گی۔ آپ کو وہ سارے حق دلاؤں گی جن
سے آپ کو محروم رکھا گیا ہے۔ یہ میرا آپ سے وعدہ
ہے۔" اس نے ایک عزم سے کہہ کر اس کے ہاتھ چوم
کر آنکھوں سے لگا لیے۔

"میری بچی۔ مجھے تجھ سے یہی امید تھی۔ سدا
خوش رہے تو۔" اس نے بھی جواباً" اجیہ کا ماتھا چوم کر
کہا۔

"امی! مجھے جانا ہے۔ نہیں تو دیر ہو جائے گی۔" وہ
اپنا بیگ اٹھا کر کندھے پر ٹکاتی ہوئی بولی۔

"ایسے کیسے۔ تو پہلی بار گھر آئی اور یوں ہی سوکھے
منہ چلی جائے گی۔" وہ گڑبڑا کر اٹھی۔

"رہنے دیں۔ اب تو آتی ہی رہوں گی۔ فی الحال
مجھے ٹیکسی تک چھوڑ دیں۔" وہ اداسی سے مسکرا کر
بولی۔

زندگی میں انسان پر ناقابل یقین وقت بھی آتا ہے۔
یہ اجیہ کی زندگی کا ناقابل یقین وقت تھا۔ مگر اس نے
بہت جلد ہی اس پر یقین کر لیا تھا۔

واپسی کے سفر میں ۔۔ وہ سارا وقت روتی رہی۔ رو
رو کر اس کی آنکھیں پتھرا سی گئی تھیں۔ سر میں درد کی
لہریں اٹھ رہی تھیں پورا بدن جلتا انگارہ بن گیا تھا۔

جس دم وہ ٹیکسی سے اپنے گھر کے گیٹ پر اتری۔ اس
کے قدم اندر بڑھنے سے انکاری ہو گئے۔ وسیع و عریض
گیٹ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کے سامنے تنگ و
تاریک سیڑھیاں جو اس کی ماں کے فلیٹ تک جاتی
تھیں، گھوم گئیں۔ اسے دیکھ کر چوکیدار نے مستعدی
سے دروازہ کھول دیا۔ وہ مرے مرے قدم اٹھاتی اندر
داخل ہوئی۔ سامنے ہی سرسبز لان تھا۔ کھلے پھولوں کی
خوشبو پر بوسیدہ فلیٹ کی بیں متعفن راہداریاں حاوی
ہو گئیں۔ گھر کے داخلی حصے میں داخل ہوئی تو فرش کی
چمک ۔۔ نے دھیان فلیٹ کے اکھڑے ٹوٹے فرش
میں اٹکا دیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چلا رہا
تھا اس نے آخری منظر جو دیکھا، وہ یہ تھا کہ وقار
صاحب تیزی سے اس کے نزدیک آ رہے تھے۔ انہیں
پوری قوت سے دھکیلنے کی خواہش لیے وہ زمین پر گرتی
چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

آج جمعہ تھا۔

آنے والے مہمان ناپسندیدہ ہی سہی مگر بہرحال آتو
رہے تھے اور ان کی خاطرداری بھی کرنی ہی تھی۔ بے
دلی ہی سے ہی بانو نے گھر کی صفائی ستھرائی کر دی تھی۔
نازو نے شامی کباب، چنا چاٹ اور دہی بڑے بھی
بنا دیے تھے۔ چندا سب کی کیفیات سے بے پروا اپنی
رگڑائی، دھلائی میں مصروف تھی۔ شیخ صاحب نجانے
کون کون سی فکرات کو حقے کے دھویں میں اڑانے کی
کوشش کر رہے تھے۔ بی بی بھی تفکرات میں گھری
بے دلی سے رات کی سبزی بنا رہی تھیں۔ قاسم بالکل
خاموش سا تھا جبکہ ہاشم تو کسی گنتی ہی میں نہیں تھا۔

سہ پہر سے شام ہوئی۔ شام سے مغرب۔ پہلے دلی
دلی سی بے چینی پھیلی۔ پھر جھنجھلاہٹ تیز ہو گئی۔ سجی
سنوری سی چندا پہلے تو اتراتی پھر رہی تھی۔ پھر وہ کچھ
جھنجلائی، آخر میں فکرمند ہو کر آصف کے آفس کے نمبر
پر فون کیا۔

"شیرازی تو صبح کی فلائٹ سے دبئی روانہ ہو گئے
ہیں۔ انہیں ملک صاحب نے نوکری سے برخاست
کر دیا ہے۔ کوئی کیس چل رہا تھا ان پر۔ سب کچھ ان
کی اپنی وجہ سے ہوا ہے۔" آپریٹر نے جو اطلاع دی، وہ
چندا کے لیے کسی دھماکے سے کم نہیں تھی۔ اسے لگا
اس کے وجود کے پرخچے اڑ گئے ہوں۔

"وہاں کا کوئی کانٹیکٹ نمبر۔" اس نے تھوک نگل
کر پوچھا۔

"جی ہمیں کیا معلوم۔ بلکہ یہ بات بھی مشکوک ہی
ہے کہ وہ دبئی ہی گئے ہیں یا۔" وہ کچھ اور بھی کہہ رہی
تھی مگر چندا کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے لہٰذا

دوسری جانب سے آتی آواز سن نہ سکے۔

☆ ☆ ☆

اس کے حلق میں کانٹے سے پڑ رہے تھے۔ تب ہی اس نے مندی مندی سی آنکھوں سے ارد گرد کا جائزہ لیا۔

"ارے اجیہ! کیا ہوا' کچھ چاہیے کیا؟" اس کے سرہانے رکھی کرسی پر براجمان میرب نے اسے اٹھتے دیکھ کر سرعت سے پوچھا۔

"پانی۔" وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ پیٹھ میں ایک درد کی لہر اٹھی اس کی کراہ نکل گئی۔

"آرام سے بیٹھو بھئی اور یہ لو پانی۔" وہ اسے پانی تھما کر واپس کرسی پر ٹک گئی۔

"اب کیسی طبیعت ہے؟" اس نے گلاس اس کے ہاتھ سے لے کر رکھا۔

"مجھے کیا ہوا ہے۔" وہ نا سمجھی سے اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"واہ بھئی۔ یہاں ہم سب کی جان تمہارے لیے آدھی رہ گئی اور تمہیں یہ ہی نہیں معلوم کہ تمہیں ہوا کیا ہے۔؟" وہ شوخی سے بولی۔

"بھابھی پلیز۔ میں سنجیدہ ہوں۔" وہ واقعی مکمل سنجیدگی سے بولی۔

"اس روز تم کالج سے آنے کے بعد بے ہوش ہو گئی تھیں۔ تمہیں بہت تیز بخار تھا' غالباً" اسی لیے اس دن تم کالج سے ٹیکسی پر آئی ہو گی۔ طبیعت خراب تھی تو گھر کال کر کے ڈرائیور کو بلوا لیتیں۔" میرب نے رسان سے بتایا۔

"آں۔ ہاں" وہ چونکی اس کے ذہن میں اس دن گزرے واقعات در آئے۔

"فون بزی تھا گھر کا۔ ان فیکٹ میرے پاس بیلنس بھی نہیں تھا۔" وہ وضاحتی انداز میں بولی۔

"خیر۔ پھر تمہیں بابا نے اٹھایا اور روم تک لائے۔ ڈاکٹر انصاری کو فون کیا۔ انہوں نے تمہارا چیک اپ وغیرہ کر کے تمہیں انجکشن دیے۔ ذہنی دباؤ کی وجہ سے بے ہوش ہوئی تھیں تم۔" میرب نے مفصل بتایا۔

"تم پورے تین دن بعد مکمل ہوش و حواس میں ہو آج۔ ہوش میں تو خیر تم کچھ دیر بعد ہی آ گئی تھیں مگر بخار کی شدت کی وجہ سے غنودگی میں تھیں پھر مسکن دواؤں کے زیر اثر تم سوتی بھی رہیں۔"

"وہ نو۔ مجھے تین دن ہو گئے اس کنڈیشن میں۔" وہ حیرت سے بولی۔

"جی بالکل۔ بابا تو مسلسل روتے رہے ہیں۔ وہ تو تمہارے سرہانے سے ہٹ ہی نہیں رہے تھے۔ انہیں بڑی مشکل سے سمجھا بجھا کر ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی تو اپنے روم میں بھیجا ہے' ایسے تو وہ خود اپنی طبیعت خراب کر لیں گے۔" اس نے بتایا۔ مگر نجانے کیوں وقار صاحب کے تذکرے پر اجیہ کے چہرے کے عضلات تن سے گئے۔

"سائر بھی دن رات چکر لگا رہے ہیں تمہارے کمرے کے۔ اجیہ! تم بہت خوش قسمت ہو کہ تمہارا خیال رکھنے والے تم سے پیار کرنے والے لوگ تمہارے نزدیک ہیں۔" میرب بولی۔

"کون جانے۔ خوش نصیب ہوں یا بد نصیب۔ دنیا کی سب سے سچی اور بے لوث محبت سے دور کرنے کے بعد یہ میرے لیے اب اتنے فکر مند کیوں ہیں۔ اب تو میں اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں' ان کی فکر مندی اور احساس اس وقت کہاں تھے جب یہ اک شیر خوار کو اس کی ماں سے علیحدہ کر رہے تھے' ابھی وہ یہ سوچ ہی رہی تھی کہ دروازے پر دستک دے کر وقار صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔

"میری بیٹی جاگ گئی۔" وہ خوشی سے اس کی جانب بڑھے۔

"جی بابا! جاگ گئی۔ اب تو ریلیکس ہو جائیں آپ۔" میرب خوش دلی سے بولی۔ اجیہ کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"کچھ کھائے گی میری بیٹی۔" وہ اس کے نزدیک بیٹھ کر اپنا بازو اس کے گرد پھیلا کر بولے۔

(نہیں سے زہر لادیں۔ تو اس اذیت سے تو چھٹکارا ملے) وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"کیا بات ہے' ہمارا بیٹا ہم سے ناراض ہے کیا؟" انہوں نے اس کی پیشانی چوم کر پوچھا۔ اس نے محبت کے اس مظاہرے کو بہ وقت تمام برداشت کیا پھر بے تاثر لہجے میں بولی۔

"آپ جاکر آرام کریں۔ مجھے کچھ درکار ہوگا تو بھابھی سے کہہ دوں گی۔"

"اچھا۔ اچھا جیسے تمہیں اچھا لگے۔ اوہ بیٹی میرب! انہیں یک دم جیسے کچھ یاد آیا' تمہاری سہیلی کا فون ہے' جاکر سن لو اور ایک بات تو بتاؤ۔ یہ تمہارا موبائل کیوں ہر وقت آف رہتا ہے۔ تمہارے میکے سے جب کوئی فون کرتا ہے' یہی شکایت کرتا ہے۔ دھیان رکھا کرو۔" وہ ذرا خفگی سے بولے۔

"کچھ روز پہلے فون پر ان نون نمبر سے کالیں آرہی تھیں۔ اس لیے سائر کہہ رہے تھے کہ فون آف رکھو' ویسے بھی گھر کا فون ہے تو مجھے پرسنل فون رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ اٹھتے ہوئے بتانے لگی۔

"رانگ کالز تو گھر کے نمبر پر بھی آجاتی ہیں۔ فون بند کردینا تو اس مسئلے کا حل نہ ہوا۔ تم کرو آن اپنا فون۔ ابراہیم بھی کیا سوچتا ہوگا ایسے فون بند کرکے بیٹھ جانا کوئی تک ہے۔"

"سائر نہیں مانیں گے بابا۔ پلیز آپ مجھے مجبور مت کریں۔" وہ پریشانی سے بے ساختہ بولی۔ وقار صاحب تفکر میں پڑ گئے۔ میرب مڑ کر کمرہ عبور کر گئی۔

اجیہ کے چہرے پر مسکراہٹ زہر کی طرح پھیلی تھی۔

"گویا تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے۔"

اس نے سوچا۔

☆ ☆

"دیکھ لیا من مانی کا نتیجہ۔ جس کی خاطر باپ بھائی کی نظر میں خود کو ارزاں کیا وہ چپ چپاتے کہیں اور نکل گیا۔ اگر اسے اتنا ہی تمہاری عزت کا خیال ہوتا تو لاکھ رکاوٹیں آتیں مگر وہ اپنی زبان سے نہ پھرتا۔ جس آدمی کی زبان ہی ایک نہیں اس کا کیا اعتبار۔ اگر ماں باپ کے فیصلے کے آگے سر جھکاتیں تو آج یہ سر شرمندگی سے نہیں جھکا ہوا ہوتا۔" نازو کی لتاڑ۔

"اب بھی وقت ہے شریف بیبیوں کی طرح باپ کے فیصلے کے آگے سر جھکادے۔ آگے سارے راستے آسان ملیں گے۔ ارے جو تجھے بیچ راستے میں چھوڑ گیا۔ اب اس کے لیے جوگ لے گی کیا۔" بی بی کی نصیحتیں۔

"مجھے اب اس کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں' جتنا ذلیل وہ ہمیں کرواسکتی تھی کرواچکی۔ وہ ٹی وی پر کام کرنے والا تو سرباز اچھا ہوا خود ہی بھاگ گیا۔ گھر تک آتا تو سہی ٹانگیں نہ توڑ دیتا اس کی تو قاسم نام نہیں۔" دن رات قاسم کے دعوے۔

شیخ صاحب البتہ کچھ نہ بولے' گھر کی فضا مکدر تھی۔ اس کی وجہ سے مانو کو بھی کالج سے اٹھالیا تھا۔ وہ بیٹھی الگ کلستی رہتی۔ کچھ روز میں نازو کی تاریخ لینے اس کے سسرال والوں کو آنا تھا۔ بی بی اس سے پہلے ہی یہ اونٹ کسی کروٹ بٹھادینا چاہتی تھیں۔

اور وہ چپ چاپ اپنے آپ کو حالات کے دھارے پر چھوڑے ہوئے تھی۔ زندگی میں سب کچھ اتنی آسانی سے نہیں ملتا اور اپنے خوابوں کی تعبیر تو بالکل بھی نہیں۔ یہ بات تو وہ جانتی تھی کہ راستے میں کٹھنائیاں' دشواریاں آئیں گی مگر وہ اس بات سے ناواقف تھی کہ اس کے راستے ہی مسدود ہوجائیں گے۔ وہ دن رات سوچوں میں غلطاں رہتی۔ شہزادی کو دو تین بار مزید فون کرنے پر بھی آپریٹر نے سابقہ جواب ہی دیا تھا۔ گھر پر فون نہیں تھا۔ اور اس کے گھر کا پتا بھی لاپتا تھا۔ ایسے میں وہ کوئی روزن تلاش کررہی تھی جو اسے اس قید سے نجات دلائے اور پھر اک روز اس نے فیصلہ کرلیا۔

☼ ☼ ☼

"میں نے سوچا تم ملنے آؤ گی نہیں سو اسی لیے کل تمہیں فون کیا اور آج خود ہی ملنے چلی آئی۔" ماریہ نے فروٹ چاٹ کھاتے ہوئے کہا۔ وہ اور میرب اس وقت میرب کے روم ٹیرس پر رکھی کین کی چیئرز پر براجمان تھیں۔ لنچ کے بعد وہ ٹیرس پر چلی آئی تھیں۔ موسم ابر آلود تھا اس لیے سہ پہر میں بھی شام کا گمان ہو رہا تھا۔ سرمئی بادل' ٹھنڈی مست ہوا' فضا میں تیرتے خوش رنگ طائر اور سہ پہر کا مخصوص سناٹا۔

یہ موسم میرب اور ماریہ دونوں کا ہی پسندیدہ تھا۔

"اچھا کیا یار۔ میرا خود تم سے ملنے کو بہت دل چاہ رہا تھا۔"

"اجیہ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"بہتر ہے۔" اس نے بتایا۔

"اور تمہاری؟ مجھے تو تمہاری طبیعت بالکل بھی ٹھیک نہیں لگ رہی۔ اسکن دیکھو کتنی رف ہو رہی ہے اور آنکھوں کے نیچے حلقے' ہونٹ خشک اور پپڑی زدہ' میرب! یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ چند ہی ماہ میں۔" ماریہ ازحد تشویش سے بولی۔ اور خالی پیالی سامنے ٹیبل پر رکھ دی۔ میرب پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

"کچھ نہیں۔ بس گھر کے بکھیڑوں میں وقت ہی نہیں ملتا خود پر دھیان دینے کا۔"

"آدھ درجن تو نوکر ہیں تمہارے ہاں۔ کیا تم ہل جوتتی ہو۔" وہ تپ گئی۔

"شادی شدہ زندگی اتنی آسان نہیں ہے ماریہ۔" وہ سنجیدگی اور رنجیدگی سے بولی۔

"تمہیں دیکھ کر تو مجھے شادی سے چڑ ہونے لگی ہے۔"

"خدا نہ کرے جو تمہیں میری طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑے۔" وہ بے ساختگی سے بول کر پشیمان دکھائی دینے لگی۔ محسوس تو ماریہ نے بہت کچھ کیا تھا اور اس سے بارہا استفسار بھی کیا تھا۔ مگر اس نے کبھی میرب کے حالات کی کرید نہیں کی تھی۔

"تم کن مسائل کا شکار ہو میرو۔ تم کچھ شیئر کیوں نہیں کرتیں' شاید بہتری کے آثار پیدا ہو جائیں۔" وہ اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولی۔

میرب کی آنکھیں جھلملا گئیں۔

"کیوں جھیل رہی ہو تنہا اپنی ذات پر' کچھ بتاؤ گی نہیں تو مسئلہ حل کیسے ہو گا؟" اس کے ہاتھ کا لمس تھا یا کیا تھا' میرب کے آنسو بہتے چلے گئے۔

"سائر کسی اور میں انٹرسٹڈ تھے۔" وہ بولی۔

"تمہیں کیسے معلوم؟" وہ اس کے ہاتھ پر سے ہاتھ ہٹا کر پوچھنے لگی۔

"میں نے ان کی پرسنل ڈائری میں اس کا فوٹو دیکھا تھا۔"

"صرف تصویر دیکھ کر تم نے یہ قیاس کر لیا۔ یہ تو بڑی بے وقوفی ہوئی۔" اس نے جھاڑا۔ "اور محض تصویر دیکھ کر ہی تم نے اپنا یہ حال کر لیا؟" وہ ناپسندیدگی سے بولی۔

"یہ بات نہیں ہے' میرا ہر عمل ان کی نگاہ میں مشکوک ہے۔ میری ہر بات کو وہ بڑی کڑی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ سائر بھائی شکی مزاج شوہر ہیں' اس میں دوسری لڑکی میں انٹرسٹڈ ہونے والی بات کہاں سے آ گئی۔ اگر بالفرض وہ کہیں انٹرسٹڈ تھے بھی تو وہ تو ماضی کا قصہ ہوا نا۔ اب تو تم ان کی بیوی ہو۔ ایک زندہ مسلم حقیقت۔ تم کس لیے یوں ہاتھ پیر چھوڑ کر بیٹھ گئی ہو۔" اس نے لتاڑا۔

"انہیں مجھ پر یقین ہی نہیں تو میری محبت پر کیسے ہو گا۔" وہ ناخن کترنے لگی۔ ماریہ نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"کیا کہتے ہیں وہ؟"

"وہ... انہیں لگتا ہے کہ میں۔ میں کردار کی کچی ہوں۔" اس کے آنسو پھر چہرہ بھگونے لگے۔

"واٹ؟" ماریہ ناگواری سے بولی "پاگل تو نہیں ہو گئے وہ' ان کے ذہن میں یہ خناس سمایا کیسے؟"

"مجھے کیا معلوم' میں تو اسی نتیجے پر پہنچی ہوں کہ

شاید وہ کسی کو پسند کرتے تھے۔ اس نے انہیں دھوکہ دے دیا۔ اب وہ ہر لڑکی کے کردار پر شک کرتے ہیں۔ میں ان کی بیوی ہوں۔ ان کے رحم و کرم پر ہوں۔ مجھے تو جو چاہے کہہ سکتے ہیں۔" وہ افسردگی سے بتاتی چلی گئی۔

"ہاں۔ بات تو تمہاری معقول ہے۔ یہ وجہ ہو سکتی ہے مگر میرو پھر تو یہ بہت تشویشناک بات ہے۔ وہ تو تمہاری زندگی عذاب بنا دیں گے۔" وہ کہہ نہیں سکی کہ عذاب ہی تو بنا رکھی ہے زندگی۔

"تم انہیں کسی سائیکاٹرسٹ کو دکھاؤ۔" اس نے خلوص دل سے مشورہ دیا۔

"یہ سب اتنا آسان نہیں ہے ماریہ۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"یوں گھٹ گھٹ کر جینا آسان ہے تمہارے لیے۔" وہ ناراضی سے پوچھنے لگی۔

"تو پھر میں کیا کروں۔" وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ ماریہ گہری افسردگی سے اسے دیکھتی رہی۔

"رومت میرو۔ میں کچھ کرتی ہوں۔" اس نے اس کا کندھا تھپک کر کہا۔

"پلیز ماریہ۔ کسی سے ذکر مت کرنا ان باتوں کا میں اپنے بابا کو کوئی دکھ نہیں دینا چاہتی۔" وہ ملتجیانہ لہجے میں بولی۔

"ہاں میں سمجھتی ہوں۔ تم فکر مت کرو۔" اس نے تسلی آمیز انداز اختیار کیا۔

☆ ☆ ☆

"کیا حال ہے تمہارا جانم۔ کہاں ہو کیسی ہو تم؟" اس کی آواز سنتے ہی آغا حسب توقع بے قراری سے گویا ہوا۔ آج اس کی طبیعت بہتر تھی سو اس نے فون جو بیٹری ختم ہو جانے کی وجہ سے بند پڑا تھا" آن کیا۔ مسڈ کال نوٹیفکیشن سے معلوم ہوا کہ آغا کل سے لاتعداد کالز کر چکا ہے۔ اس کے تشویش ظاہر کرتے میسجز بھی تھے۔ تب ہی اس نے آغا کو کال ملائی۔

"اب بہتر ہوں۔" اس نے کھڑکی کے پردے سمیٹتے ہوئے بتایا۔

"قسم سے یار! جب سے تائی سے تمہاری حالت کا سنا ہے تب سے سخت بے چین ہوں۔ میرا بس چلتا تو کب کا تمہیں دیکھنے آچکا ہوتا۔"

"جانتی ہوں۔"

"اس روز کیا ہوا تھا علیں تمہاری مام" اس نے فطری تجسس میں گھر کر پوچھا۔

"میں اس کے متعلق فی الحال بات کرنا نہیں چاہ رہی۔" اس نے واقعی بڑی مشکل سے اپنا ذہن ہٹایا تھا۔

"کرنا بھی نہیں چاہیے۔ اتنا رومانٹک موسم ہے سنو! ملنے آجاؤ۔" وہ جان کھینچ لینے والے لہجے میں ملتجی ہوا۔

"آغا۔ میں نہیں آسکوں گی فی الحال۔" اس نے اس کی التجا سے صرف نظر کرتے ہوا کہا۔ آغا نے اک طویل ٹھنڈی سانس لی۔

"کبھی کبھی تو پوری ہٹلر بن جاتی ہو تم' خیر جلدی ٹھیک ہو جاؤ یار۔ میں مس کر رہا ہوں تمہیں۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

"چلو رکھتی ہوں بعد میں بات ہو گی۔"

"او کے۔" اس نے فون کان سے ہٹایا۔ تب ہی سرمئی آسمان پہ بادلوں کی گرج گونجی اور اس کے کچھ ہی دیر بعد چاروں طرف جل تھل ہو گیا۔ وہ چپ چاپ گرل سے سر ٹکائے گارڈن پر برستی بارش کا منظر دیکھنے گئی۔ اس کے احساسات اس وقت عجیب تر ہو رہے تھے۔ درد اتنا تھا کہ اسے لگ رہا تھا کہ اس کی رگ رگ میں محشر برپا ہے اور سکون ایسا کہ مر جانے کو جی چاہے۔

زندگی کبھی کبھی انسان کو بے بسی کے کس مقام پر لا کھڑا کرتی ہے۔ بچپن ہی سے جس کی جدائی کا دکھ ساتھ لے کر جوان ہوئی۔ کتنی بار شدت سے سوچا کہ کاش میری ماں زندہ ہوتی اور آج یہ دعا قبول ہوئی بھی تو کس رنگ میں۔

جی تو چاہ رہا ہے کہ جا کر ان ظالموں کا گریبان پکڑ کر ایک بار تو ضرور ہی پوچھوں کہ جیتے جی کسی کے بیچ جدائی ڈالنے والے خداؤں۔ کیا کبھی تمہیں میری محرومی پر ترس نہیں آیا۔ اس لاچار عورت کو تہی داماں کرتے وقت تمہارے ہاتھ کیوں نہ کانپے۔ کس بیدردی سے اٹھا کر اسے کسی کوڑے کی طرح اپنی زندگیوں سے نکال پھینکا۔ پوچھوں تو سہی کہ کیا اس کا قصور اتنا ہی بڑا تھا کہ اس پر زندگی کا ہر دروازہ بند کر دیا جاتا مگر بے بس ہوں۔ مجبور ہوں میں۔ وہ ٹھیک کہتی ہیں۔ اگر ان لوگوں کو ہماری ملاقات کا علم ہو گیا تو ایک مرتبہ پھر وہ خالی ہاتھ رہ جائیں گی۔ اور یہ ہی میں نہیں چاہتی۔

گرم گرم پگھلتا لاوا اس کا چہرہ بھگونے لگا۔ دروازے پر کھٹکا ہوا تھا۔ اس نے تیزی سے اپنے آنسو پونچھے۔ اور خود کو کمپوز کیا۔

"اجیہ۔ کیسی طبیعت ہے؟" آنے والی میرب تھی۔

"جی بھابھی بہتر ہوں۔" اس نے مڑتے ہوئے جواب دیا۔

"جانتی ہو! یہ موسم مجھے دیوانہ کر دیتا ہے۔" وہ بچوں کی سی خوشی اور معصومیت سے گویا ہوئی۔

"اچھا۔ تو آپ انجوائے کریں۔" وہ برش اپنے بالوں پر پھیرتی ہوئی بولی۔

"اکیلے کیا خاک مزہ آئے گا۔" وہ بے دلی سے بولی۔

"تو سارہ بھائی تو اس وقت آفس میں ہوں گے۔ آپ انہیں کال کریں۔" وہ برش رکھ کر پلٹی۔

"اُفوہ" وہ جھینپ گئی' میرا وہ مطلب نہیں تھا۔ اصل میں اپنے گھر میں' میں اور ماریہ بارش میں بھیگ کر گرم گرم پکوڑے' چپس کھا کر اور کافی پی کر اس موسم کو انجوائے کرتے تھے۔"

"تو چلیں' میں چلتی ہوں آپ کے ساتھ۔" اجیہ یوں بھی اپنے اندر کی تنہائی سے اکتائی ہوئی تھی۔

"ارے۔ یہ ہوئی نا بات" وہ بے ساختہ خوش دلی سے بولی۔ "مگر کہیں بھیگنے سے تمہاری طبیعت واپس نہ بگڑ جائے۔" اسے خدشہ ہوا۔

"نہیں برآمدے میں کرسی ڈال کر بیٹھوں گی' بھیگ آپ لیجئے گا پھر کافی ساتھ ہی پی لیں گے۔" وہ مسکرائی۔ جبری مسکراہٹ کہ اس وقت کچھ بھی کرنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔

"بس تو پھر آجاؤ۔" پھر وہ دونوں ساتھ ساتھ باہر نکلیں۔

"ارے کہاں چلیں تم؟ اندر بیٹھو' ابھی تو بیماری سے اٹھی ہو۔" نیوز دیکھتے وقار اجیہ کو لان میں نکلتا دیکھ کر فکر مندی سے بولے۔

"فکر مت کریں اتنی آسانی سے نہیں مروں گی۔" وہ خشونت آمیز لہجے میں کہہ کر باہر نکلتی چلی گئی۔ میرب کو بارش کی پڑی تھی اس لیے اس کا کڑوا لہجہ و انداز محسوس نہ کر سکی۔ اس کی بات پر وقار کا چہرہ بجھ سا گیا تھا۔

"تمہیں بارش میں نہانا کیسا لگتا ہے؟" میرب نے برستی بوندیں ہتھیلیوں پر جمع کرتے ہوئے پوچھا۔

"ایک دم بے کار۔" اجیہ نے منہ بنا کر بتایا۔

"ارے۔ مگر اکثر لڑکیاں تو بارش کی بہت شوقین ہوتی ہیں۔"

"آپ مجھے تو اس اکثریت سے خارج تصور کریں۔" وہ ٹھوڑی سیدھے ہاتھ پر ٹکائے سنجیدہ نگاہوں سے بارش کا رقص دیکھ رہی تھی۔

"میرا دل چاہتا ہے کہ میں بارش کی طرح رم جھم ناچوں۔" میرب کی آواز بہت مدھم تھی اور وہ بہت کھوئے کھوئے سے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"بارش میرے اندر ڈھیروں اداسی سی بھر دیتی ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے بارش ہمیں ہماری زندگی کے خالی پن کا احساس دلانے آتی ہے۔" اجیہ کی نگاہیں دور کہیں بھٹکیں۔

"بارش کی آواز مجھے بہت سکون بخشتی ہے۔"

"مجھے اس کی آواز سے وحشت ہوتی ہے۔"

"اپنا اپنا نظریہ ہے۔ مجھے تو یہ موسم دیوانہ کر دیتا ہے۔" وہ مست انداز میں گول گھومی۔ اجیہ اس مرتبہ خاموش رہی۔ اک دھیمی سے مسکراہٹ نے اس کے

لبوں کا احاطہ کیا تھا اس کی بے خودی دیکھ کر۔ تب ہی اجیہ نے پورچ میں آکر رکتی سائر کی کار دیکھی۔ میرب آنکھیں بند کیے چہرہ اونچا کیے کھڑی بارش میں بھیگ رہی تھی۔ اجیہ نے سائر کو لپک کر اس تک آتے دیکھا۔ اس نے یقیناً" بڑی زور سے میرب کا بازو دبوچا تھا کہ تکلیف اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔ وہ چہرہ جو کچھ دیر پہلے گلاب کی مانند کھلا ہوا تھا سائر کو دیکھتے ہی سرسوں کے باسی پھول میں تبدیل ہو گیا۔

"اندر چلو۔" سائر کی آواز تھی یا غراہٹ۔ میرب تو میرب اجیہ کے بھی رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اور وہ اسے وحشی جنگلیوں کی طرح اندر کھینچتا چلا گیا۔

اجیہ نے بے حد کرب سے یہ منظر دیکھا۔ اس کی آنکھیں لحظہ بھر کو حیرت میں ڈوبی تھیں مگر دوسرے ہی لمحے حیرت کی جگہ اشتعال نے لے لی۔

سائر بھائی۔ بابا کا پرتو ہیں ویسے ہی شکی، تنگ نظر اور غصہ ور آپ نے ٹھیک کہا تھا امی۔ بابا یقیناً" ایک ظالم انسان رہے ہوں گے۔ وہ تنفر سے سوچے گئی۔ بارش اسی تواتر سے برس رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"مرو ادھر۔" سائر نے ایک جھٹکے سے لا کر میرب کو بیڈ پر پھینکا۔ وہ بے آواز رو رہی تھی۔

"آپ کیا گناہ سرزد ہو گیا مجھ سے۔" وہ چیخ ہی تو گئی۔

"زیادہ زبان درازی مجھے پسند نہیں، پہلے بھی تمہیں وارن کر چکا ہوں۔" وہ پرسکون انداز میں کف لنکس کھول رہا تھا۔

"مگر آپ کی ناراضی کی وجہ تو پوچھ سکتی ہوں نا۔" وہ سسک کر بولی۔

"بارش میں نہانے کا اتنا ہی شوق ہے تو اپنا شوق چھت پر جا کر پورا کرنا چاہیے تھا تمہیں۔ لان میں یوں بارش میں اچھل کود کر کے گھر کے نوکروں کو دعوت نظارہ دینے کی کیا ضرورت تھی۔" وہ درشتی سے بولا۔

"وہاں کوئی نہیں تھا۔" وہ بولی۔

"مگر آتو سکتا تھا نا۔" اس نے بات ہی ختم کر دی۔

"اف خدایا یہ آدمی۔ نجانے کون کون سے ارمانوں کا گلا گھونٹے گا میرے۔" وہ سر تھامے بیٹھی تھی۔

"یہ ہر وقت بے کار کا رونا دھونا مت شروع کر دیا کرو۔ جاؤ چینج کر کے میرے لیے کافی بنا کر لاؤ۔"

ناچار وہ اٹھی۔ شاور لے کر چینج کیا پھر کافی بنا کر واپس کمرے میں آئی تو وہ ٹیرس پہ تھا۔

"بیٹھو۔" وہ کافی رکھ کر پلٹنے لگی تو وہ یکدم بولا۔

"مجھے کام ہے۔" وہ رکھائی سے بولا۔ چہرے پر آنسوؤں کے مٹے مٹے نشانات تھے۔

"کچھ دیر بعد کر لینا۔" وہ بیٹھ گئی۔

"تم مجھے پاگل تو نہیں سمجھتیں۔" اس کے سوال پر بے ساختہ اس نے اپنا جھکا سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اس کی جانب ہی متوجہ تھا۔

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"دیکھو میرو! زندگی بہت مشکل ہے۔ اتنی کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔" وہ اضطراری انداز میں اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ بھی اٹھ کر اس کے برابر میں آکھڑی ہوئی۔

"زندگی اتنی دشوار عموماً" ہوتی نہیں جتنا کہ ہم خود اپنے ہاتھوں سے اسے بنا ڈالتے ہیں۔" وہ بولی۔

"زندگی کا ایک ہی کاری وار سارے فلسفوں کو فیل کر دیتا ہے میرو۔" وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔

"میں فلسفہ کیا جانوں سائر۔ یہ تو سامنے کی حقیقت ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔ جب جینا مرنا اسی شخص کے ساتھ ہے تو پھر کیوں نہ بہادری سے سب کچھ فیس کیا جائے۔ اس نے سوچ لیا تھا۔

"حقیقت آزار میں مبتلا کر دیتی ہے۔"

"ہرگز نہیں حقائق کی روشنی میں زندگی زیادہ سہل طریقے سے آگے بڑھتی ہے۔"

"میرو۔ کیا بارش تمہیں خوفزدہ نہیں کرتی۔" اس نے گردن موڑ کر اس معصومیت سے اس سے استفسار کیا کہ یک لحظہ تو میرب کا جی چاہا اسے خود میں سمو کر اس شخص کے دل میں گڑے سارے کانٹے اپنی پوروں سے چن لے۔

"بارش سے کیا خوف۔" اس نے دانستہ بے پرواہ لہجے میں کہہ کر اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"مجھے لگتا ہے یہ سب کچھ چھین لے گی مجھ سے۔" وہ آسمان کی جانب ناپسندیدگی سے دیکھتا ہوا بولا۔ بارش اب ہلکی پھوار میں تبدیل ہو گئی تھی۔

"یہ تو خود رب کے حکم کی محتاج ہے اس میں اتنی طاقت کہاں۔ سائر، آپ اپنے رب پر بھروسہ کریجیے ان شاء اللہ وہ آپ کے سارے اندیشے، فکریں اور خدشات سب دور کردے گا۔" وہ حوصلہ افزا انداز میں بولی۔ وہ چند ثانیے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھتا رہا پھر یکدم بولا۔

"تم مجھے چھوڑ تو نہیں دو گی میرو۔ تمہیں میرے ساتھ کسی کمی کا احساس تو نہیں ہوتا۔" اس کا انداز ڈرا ڈرا سا تھا۔ خدشات میں گھرا ہوا۔ کچھ دیر میرب پریشانی سے اس کی شکل دیکھے گئی۔

"آپ کو یہ وہم کیوں ستاتا ہے سائر۔ میں آپ کی بیوی ہوں۔ ہمراز ہوں ہمراہی ہوں۔ اگر آپ کے دل میں کوئی بوجھ ہے تو مجھ سے بانٹ لیجیے۔" میرب کو لگا کہ یہ آسمانی لمحہ ہے جو اسے غیب سے فراہم کیا گیا ہے اگر اس نے اس موقع کا فائدہ نہ اٹھایا تو وہ بڑے نقصان میں رہے گی۔

"چلو کافی پیو۔ ٹھنڈی ہو گئی ہوگی۔" وہ معاً مڑا اور واپس کرسی پر بیٹھ گیا۔

اسرار اتنی جلدی کہاں کھلتے ہیں۔ میرب ایک ہوکا سا بھر کر کرسی پر آ بیٹھی اور ٹھنڈی ہوتی تلخ کافی لبوں سے لگالی۔

✲ ✲ ✲

چندا نے قاسم کے لائے رشتے پر حامی بھر لی تھی۔ گھر بھر نے گویا سکون کی سانس لی تھی۔ جبکہ شیخ صاحب نے کسی رد عمل کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ٹھیک کہا تھا نازو نے دل کے اونچے سنگھاسن پر بیٹھنے والے جب اپنے مقام سے گر جائیں تو وہ جھک کر دیکھنے پر بھی دکھائی نہیں دیتے، بی بی اس کی شادی نازو کے ساتھ نمٹانا چاہتی تھیں مگر قاسم کوئی رسک لینے پر تیار نہ تھا۔ سو اسی لیے وہ سب سے پہلے رخصت ہوئی اور یوں اس کی زندگی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

کافی سوچ بچار کر کے کیا گیا یہ فیصلہ چندا کے حق میں بہت ہی بہتر ثابت ہوا۔ جمیل اس کا شوہر اس کی معصومیت اس کے حسن پر بے طرح مرمٹا تھا۔ اس کا صرف ایک چھوٹا بھائی ہی تھا اس کے ساتھ جو شادی کے محض پندرہ ہی دن بعد بغرض تعلیم انگلینڈ سدھارا۔ ساس سسر کا جھگڑا تو سرے سے تھا ہی نہیں۔ نندیں بھی دور دور شہروں میں تھیں۔ ایسے میں وہ تھی اور اس کا بے دام کا غلام اس کا شوہر جمیل۔

✲ ✲ ✲

"کیوں بند ہے مسلسل اس کا فون۔ کہیں اس جذباتی لڑکی نے سب کچھ گھر جا کر تو نہیں بتادیا۔" گل نے موبائل غصے سے پٹخا۔ وہ دو تین سے مسلسل اجیہ کو فون ملا رہی تھی اور مسلسل ہی اس کا فون بند جا رہا تھا۔ خدشات اور واہموں نے اس کی نیندیں اڑا رکھی تھیں۔

"کیا گھر کے نمبر پر فون کرلوں؟" کتنی ہی بار وہ یہ سوچ کر رد کر چکی تھی۔ اپنی جاب پر بھی اس کا جی نہیں لگ رہا تھا۔ وہ اٹھی اور اپنے نیم تاریک و بوسیدہ سے فلیٹ میں چکرانے لگی۔

"کیا کروں۔ کیا کیا ہے اس لڑکی نے کچھ معلوم تو پڑے۔" تب ہی اس کا فون بجا' وہ لپک کر آئی اور جلدی سے فون ریسیو کیا۔

"ہیلو۔" وہ بے تابانہ بولی۔

"ہیلو۔ السلام علیکم۔ میں اجیہ بات کررہی ہوں۔"

"میری بچی کہاں رہ گئی تھی تو۔ تیری یہ ماں کتنی پریشان رہی تیرے لیے۔" اس کی آوز بھیگنے لگی۔

"میں کل آتی ہوں آپ کی طرف۔ بس یہی بتانے کے لیے فی الحال فون کیا ہے۔"

"ہاں۔ ہاں ضرور آؤ۔ میرا غریب خانہ تمہارے لائق تو نہیں مگر کیا کروں، میرا تو ٹھکانہ وہی ہے۔" وہ

یاسیت سے بولی تو اذیت کی ایک شدید لہر اس کے پورے وجود میں دوڑ گئی۔

"آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔" اس نے بہ طور خاص پوچھا۔

"نہیں نہیں' بالکل نہیں۔ بس تم آجاؤ میرے لیے یہ ہی کافی ہے۔"

"پھر کل ملاقات ہوگی۔ خدا حافظ۔"

☆ ☆ ☆

"میری کالج فرینڈ ہے نا ماہا۔ اس کا بھائی سائیکاٹرسٹ ہے۔ P.E.C.H.S میں کلینک ہے ان کا میں نے اس سے تمہارا مسئلہ ڈسکس کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پوری ہسٹری معلوم ہو تب ہی کچھ مشورہ دیا جاسکتا ہے۔ آئی مین ان کے بچپن کے واقعات جوانی کے حالات وغیرہ وغیرہ۔" ماریہ نے کہا۔

"مگر وہ سب تو مجھے معلوم نہیں۔" وہ پریشانی سے بولی۔

"یہی تو میرب معلوم کرونا' کھوج کرید و انہیں بلکہ کھوج اور کرید بھی رہنے دو ان سے یوں ہی ان کے بچپن کے متعلق سوالات کرو' دوستوں کے بارے میں' پڑھائی کے بارے میں۔ تم بیوی ہو ان کی۔ شوہر اور بیوی کے پاس تو اتنا کچھ ہوتا ہے شیئر کرنے کے لیے۔"

"مگر کوئی شیئر کرنا چاہے تب نا۔" اصل مجبوری یہی تھی۔

"تو وقار انکل سے پوچھ لو یوں ہی نامحسوس انداز میں۔"

"پوچھ چکی ہوں۔ کوئی خاص بات نہیں بتائی انہوں نے سوائے اس کے کہ سائر بچپن سے ہی بہت حساس' ذہین' پڑھاکو اور تنہائی پسند قسم کا بچہ تھا۔" میرب نے بتایا۔

"گویا نفسیاتی پن کی ساری علامات بچپن ہی سے موجود تھیں موصوف میں۔" ماریہ تھہر کر بولی۔

"ارے۔ ارے' میرب کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ ابھری۔

"ذرا ادب سے بات کرو بھئی۔"

"مجھے کیا کرنا ہے ان کا ادب کر کے تمہارا فرض ہے۔ تم جی بھر کر کرو بھی اور کراؤ بھی۔ یار میرو' تم نے بتایا تھا کہ تم نے ان کی پرسنل ڈائری سے تصویر نکالی تھی۔" ماریہ نے جیسے نکتہ پکڑا۔

"ہاں۔ مگر ڈائری وہ لاکڈ رکھتے ہیں۔" میرو بھی جیسے اس امکان پر غور کرنے لگی۔

"اُفوہ' ایک تو تم گھامڑ بہت ہو ارے بھئی لاک توڑا بھی تو جاسکتا ہے نا۔ ایک ایسا بندہ جو اندر سے بہت گہرا ہو' حساس ہو' جس کا کوئی دوست و ہمراز نہ ہو' اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی پر یقین نہیں کرتا' آئی مین کسی انسان پر۔ مگر وہ ڈائری لکھتا ہے۔ بس یہی پوائنٹ ہے میرو۔ یقیناً" وہ اپنے خیالات' احساسات' ڈائری کے سپرد کر کے مطمئن ہو جاتے ہوں گے کہ ڈائری تو بے جان ہے اور بے جان چیزیں دھوکہ نہیں دیتیں۔" ماریہ مارے جذبات کے تیز تیز بولتی رہی۔

"میں تمہاری بات نہیں سمجھی۔" وہ نافہمی سے بولی۔

"یار! ان کی ڈائری پڑھنے کی کوشش کرو' کیا پتا کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے۔" اس نے سمجھایا' ایسے تو یہ مسئلہ حل ہونے والا نہیں ہے۔ تمہیں تھوڑی ہمت دکھانی ہوگی۔"

"ہاں یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مگر کیا انہوں نے کچھ بھی نہیں بتایا۔؟ اس کا اشارہ سائیکاٹرسٹ کی طرف تھا۔

"نہیں غیب کا علم تو ہے نہیں محترمہ۔ ہاں البتہ ان کا کہنا یہ ہے کہ اکثر وہ بچے جن کی مائیں یا باپ بچپن میں بچھڑ جائیں تو ان کی پرسنالٹی عدم تحفظ کا شکار ہو جاتی ہے۔ ممکن ہے سائر بھائی کے ساتھ یہ مسئلہ ہو مگر فی الحال حتمی طور پر کچھ بھی نہیں کہا جاسکتا۔ ابھی تو یہی ہے کہ تم انہیں پوری توجہ دو۔ پیار دو۔ ان کے شکوک و شبہات اپنے طرز عمل سے دور کرنے کی کوشش کرو۔" ماریہ نے کہا۔

"ہوں۔ چلو میں کوشش کرتی ہوں۔ تمہارا بہت شکریہ ماریہ' تم نہ ہوتیں تو نجانے میرا کیا ہوتا۔" میرب نے تشکر سے کہا۔

"ربش۔ چلو فون رکھو' اور یار کوشش کرکے یہاں کا چکر لگالو' امی بہت یاد کررہی ہیں تمہیں۔" اس نے کہا۔

"ہاں کرتو رہی ہوں۔ تم دعا کرو میرے لیے۔" وہ اپنی پیشانی سہلاتی ہوئی بولی۔

"ہاں وہ تو ہر نماز میں کرتی ہوں۔ او کے' خدا حافظ۔" ماریہ نے کہہ کر فون رکھ دیا۔ میرب کے ماتھے پر تفکرات کا جال پھیلا تھا۔

☼ ☼ ☼

یہ زندگی اس کے خوابوں جیسی تو بالکل نہیں تھی ہاں البتہ شیخ صاحب کے گھر میں گزاری جانے والی زندگی سے یہ پر تعیش زندگی لاکھ درجہ بہتر تھی۔ اپنی مرضی سے سوتی' اپنی مرضی سے جاگتی' جی چاہا تو گھر میں کھالیا نہیں تو باہر سے منگوالیتی۔ جمیل نے ایک کل وقتی ملازمہ بشریٰ اس کی خدمت پر مامور کردی تھی۔ سو وہ ہاتھ پیر ہلانے سے بھی گئی۔ سارا سارا دن بیٹھی رنگین ٹی وی پر انڈین فلمیں' وی سی آر لگا کر دیکھا کرتی۔ جمیل اس پر ذرا روک ٹوک نہیں کرتا تھا۔ نہ وہ اپنے میکے جانا چاہتی' نہ وہاں ہی سے کوئی چکر لگاتا۔ کبھی کبھار بی بی' جمیل کے آفس فون کرکے اسے میکے لانے کو کہتیں کیا کرتیں' ماں تھیں شیخ صاحب کی اس سے لگاوٹ و محبت ان کے اس ارمان کے ساتھ ہی اپنی موت آپ مرگئی تھی سانو اس کے گھر آنا چاہتی تھی۔ مگر قاسم نے سختی سے منع کررکھا تھا۔

راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا کہ اچانک اسے قلم روکنا پڑا۔

☼ ☼ ☼

"بس اور نہیں۔" اجیہ نے گل کا نوالہ بنا ہاتھ پیچھے کیا۔

"کیوں میری جان۔ کھاؤ نا اور دیکھو تو کتنے پیار سے میں نے یہ چکن پلاؤ یہ طور خاص تیرے لیے بنایا ہے۔ تونے بتایا تھا نا کہ تجھے پسند ہے میں تو اور بھی بہت کچھ پکانا چاہ رہی تھی مگر کیا کروں مہینے کا آخر ہے نا' اس میں دال روٹی ہی مشکل سے چلاپاتی ہوں۔" وہ ہاتھ پیچھے کرکے گہرے رنج میں ڈوب گئی۔

"اچھا لائیں کھلائیں۔" اجیہ نے اس کا وہی ہاتھ پکڑ کر منہ میں ڈالا۔ وہ خوش ہوگئی۔ کھانے کے بعد وہ اسے لیے پلنگ پر چلی آئی۔

"اتنے دن تیرا فون بند رہا میں تو گھبرا ہی گئی کہ کہیں تونے اپنے باپ کو کچھ بتا تو نہیں دیا اور کہیں اس نے تجھ پر مجھ سے ملنے کی پابندی تو عائد نہیں کردی۔" وہ اسے تکیہ پر لٹا کر پیار سے اس کا سر سہلا رہی تھی۔

"بتایا تو' بیمار ہوگئی تھی میں' جیسے ہی صحت یاب ہوئی ہوں' سیدھی آپ سے ملنے چلی آئی اور ان سے فی الحال میں اس سے متعلق کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔" اس کے لہجے میں ناراضی صاف محسوس ہوتی تھی۔

"ہاں اچھا ہی ہے اجیہ۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ تجھ پر پہرے نہ بٹھاوے۔" وہ خائف تھی۔

"ایسے کیسے" وہ بھنا کر اٹھ بیٹھی' نہیں کمزور نہیں ہوں امی۔ جو ان کی ہر جائز ناجائز برداشت کرلوں اور یوں بھی دنیا کی کوئی طاقت مجھے آپ سے ملنے سے نہیں روک سکتی۔" اس نے قطعیت سے کہا۔ گل کی جانچتی نگاہوں میں ڈھیروں اطمینان اتر آیا۔

"پھر بھی۔"

"پھر بھی کچھ نہیں۔ آپ اپنے دل سے ہر قسم کا ڈر خوف نکال دیں۔ اب آپ کی بیٹی آپ کے ساتھ ہے۔" وہ اس کے کندھے پیار سے دبا کر بولی۔

"سائرہ کیا وہ مجھے کبھی یاد کرتا ہے؟" کچھ سوال انسان محض تصدیق کے لیے کرتا ہے حالانکہ جواب اسے معلوم ہوتا ہے پھر بھی۔

"پتا نہیں۔ جب بابا نے آپ کو گھر سے بیدخل کیا' اس وقت وہ کہاں تھے۔ کیا عمر ہوگی ان کی؟" اجیہ نے پوچھا۔

"چھ۔ سات سال کا ہوگا اور شاید وہ اس وقت سو رہا تھا اور مجھے نہیں معلوم تمہارے باپ نے اسے کیا کہانی سنائی ہوگی؟" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"مجھے حیرت ہوتی ہے بابا پر۔ وہ بظاہر ایسے لگتے تو نہیں۔ مجھے تو ہمیشہ ہی وہ بہت نرم خو، مہربان اور شفیق ہی لگے ہیں۔ میرے لیے یہ یقین کرنا ازحد مشکل ہے۔" وہ بے یقینی کی سی کیفیت میں گھری ہوئی تھی۔

"انسان کا ظاہر اس کے باطن سے میل کھائے، یہ ضروری تو نہیں۔ اور مردوں کے اصول تو ہمیشہ ہی سے اپنی اولاد کے لیے کچھ اور بیوی کے لیے کچھ اور ہی ہوتے ہیں۔" وہ طنزیہ بولی۔

"یہ بھی ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔"

"اب زیادہ باتیں نہیں۔ تم آرام کرو۔" وہ پیار سے بولی۔

"سوؤں گی تو اٹھ نہیں پاؤں گی اور امی... اٹھارہ سال سے جمع ہیں باتیں، اتنی جلدی کہاں ختم ہوں گی۔" وہ ہنس کے بولی۔

"یہ بھی ٹھیک کہا۔" اس نے سر ہلایا۔

"میں کچھ دیر میں نکلوں گی۔ نہیں تو بہت دیر ہو جائے گی۔" وہ ٹائم دیکھ کر فکر مندی سے بولی۔ گھڑی دن کے پونے بارہ بجا رہی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے۔" اس نے ایک مرتبہ پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔ دراصل اس کا ذہن اس وقت کہانی کو نیا رخ دینے کی سوچ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

کچھ دنوں سے وقار صاحب محسوس کر رہے تھے کہ اجیہ ان سے کھنچی کھنچی سے رہنے لگی ہے۔ وہ جانتے تھے کہ اجیہ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو اپنے دل کی بات اپنی حرکات و سکنات سے ظاہر کیے بنا نہیں رہ سکتے۔

ہو سکتا ہے یہ میرا وہم ہو۔ انہوں نے کئی بار خود کو سمجھایا۔ مگر ہر بار کوئی نہ کوئی بات ایسی ہو جاتی جو وہ دوبارہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے۔ اس وقت بھی اجیہ لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی تب وہ اپنے اسٹڈی سے نکلے اور اسے وہاں بیٹھا دیکھ کر اس کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ پہلے وہ چونکی پھر وہاں سے اٹھ کر جانے لگی۔

"اجیہ بیٹے..." انہوں نے حلاوت سے پکارا۔

"جی؟" وہ لٹھ مار انداز میں بولی اور رک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"یہاں آؤ... میرے پاس بیٹھو۔" انہوں نے اپنے نزدیک اشارہ کیا۔

"مجھے پڑھنا ہے۔" وہ روکھے لہجے میں بولی۔

"پڑھ لینا یار۔ کچھ دیر بیٹھ جاؤ باپ کے پاس۔" وہ محبت بھرے انداز میں بولے۔

"بولیں۔" وہ احسان کرنے والے انداز میں سامنے صوفے پر ٹک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"کیا ہمارا بیٹا ہم سے ناراض ہے؟ کوئی غلطی ہو گئی ہم سے؟" انہوں نے پیار سے پوچھا۔

غلطی؟ جرم کیا ہے آپ نے۔ مجرم ہیں آپ۔ اس کا جی چاہا وہ چیخ کر کہہ دے مگر مصلحت کا تقاضا کچھ اور تھا۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں۔"

"مگر مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم مجھ سے ناراض ہو؟" انہوں نے چشمے کی اوٹ سے بغور اس کے تاثرات جانچے۔

"غلط فہمی ہو گئی ہے آپ کو۔" وہ جھٹ سے بولی۔

تب ہی لالی نے چائے وہیں لا کر رکھ دی۔ میرب بھی وہیں لاؤنج میں چلی آئی۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں؟" وہ خوش دلی سے بولی۔ وقار کچھ خاموش سے ہو گئے تھے، اسے دیکھ کر بولے۔

"سائرہ کی برتھ ڈے آنے والی ہے۔ تم اور اجیہ اس کے لیے تحفہ خرید لاؤ۔" وہ یقیناً "بات بدلنا چاہ رہے تھے۔

"گڈ" وہ خوش گواریت سے بولی "کب ہے ان کی برتھ ڈے۔"

"اس ماہ کی تین کو۔" انہوں نے کپ اٹھا کر لبوں

سے لگایا۔

"کیوں اجیہ چلوگی؟" میرب نے جواب طلب نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"میں تو چلی چلوں گی۔" وہ استہزائیہ بولی۔ "مگر آپ پہلے سائر بھائی سے تو پوچھ لیں 'کہیں اس بات پر بھی آپ کو وہ گھسیٹتے ہوئے اپنے کمرے میں نہ لے جائیں۔"

یکدم ہی میرب کے مسکراتے لب بھینچے تھے۔ وقار نے اچنبھے سے میرب کی جانب دیکھا۔ اس نے شرمندگی سے سر جھکالیا۔

"کیا کہہ رہی ہو اجیہ... فضول گوئی مجھے پسند نہیں۔" وہ درشتی سے بولے۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ آپ بھابھی سے پوچھیں۔ سو نہ انہیں کہیں آنے جانے دیتے ہیں۔ نہ ہی پرسنل فون رکھنے دیتے ہیں۔ نہ ہی انہیں ان کا ہنسنا بولنا پسند ہے۔ وہ حد درجہ شکی مزاج ہیں بابا... بالکل آپ کی طرح۔" اس کا تنفس بری طرح پھولنے لگا۔ وقار نے حیرت و دکھ میں گھر کر اسے دیکھا۔

"میری طرح؟" میرب بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ اس کی بات پر چونک کر وقار کو دیکھنے لگی۔

"ہاں آپ کی طرح۔" وہ اٹھی اور لاؤنج عبور کر گئی۔ فضا میں اس کے الفاظ کی باز گشت رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

چھٹی کا دن تھا۔ اوپر سے موسم کی دل فریبی 'جمیل یوں تو خاصا خشک مزاج سا بندہ رہا تھا مگر چندا کو پا کر تو لگتا تھا۔ جیسے وہ سر تاپا تبدیل ہو گیا ہو۔ وہ اطمینان سے بیٹھی حسب عادت ٹی وی سے لطف اندوز ہو رہی تھی تب ہی جمیل نے اسے پکارا۔

"چندا... کہیں باہر چلیں؟" وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔

"باہر کہاں؟ یورپ یا امریکا؟" اس نے استفہامیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"اوہ یار... وہ کھسیا کر بولا۔ "کچھ وقت دو 'وہاں بھی لے چلوں گا گھمانے 'فی الحال تو گھر سے کہیں باہر لانگ ڈرائیو پر۔"

"مجھے صابن دانی" میں بیٹھ کر لانگ ڈرائیو پر جانے کا قطعی شوق نہیں۔" وہ تمسخرانہ لہجے میں بولی۔ جمیل کی چھوٹی کرے FX کو وہ اسی نام سے پکارتی تھی۔

"ارے بھئی" وہ ذرا جھینپ کر ہنس دیا "کہا تو ہے تمہیں دو تین مہینے میں بڑی گاڑی لے لوں گا تمہارے پسندیدہ رنگ اور برانڈ کی۔" وہ اس کے نزدیک آبیٹھا اور پیار سے ایک کندھے پر اپنا بازو پھیلا کر بیٹھ گیا۔ چندا نے ناگواری سے پرے کھسکنا چاہا مگر جمیل نے اس کی کوشش ناکام بنادی۔

اپنے ارادے کی ناکامی پر وہ جھنجلا سی گئی۔ جمیل کو اس کی جھلاہٹ نے خاصا محظوظ کیا۔

"پھر چل رہی ہو یا زبردستی اٹھا کر لے چلوں؟" وہ پیار سے بولا۔

"مجھے تیار ہونے میں دیر لگے گی۔" وہ پسپا ہو کر روٹھے پن سے بولی۔

"میں انتظار کر سکتا ہوں 'تم آرام سے تیار ہو جاؤ۔" کہہ کر اس نے سگریٹ سلگائی اور اس کے پاس سے اٹھ کر سامنے جا بیٹھا اور میگزین کھول لیا۔

درحقیقت تو چندا خود بھی اس وقت باہر نکل کر گھومنا پھرنا چاہ رہی تھی مگر جمیل کی پرانی اور چھوٹی کار دیکھ کر اس کا موڈ بری طرح آف ہو جایا کرتا تھا اور پھر یہ بھی تھا کہ اسے جمیل سے منتیں کروانے کی عادت سی پڑ گئی تھی۔

پھر جس وقت وہ اپنی نئی آتشی گلابی ساڑی جو اس نے اک نئی فلم کی ہیروئن کو دیکھ کر سلوائی تھی میں ملفوف 'خوشبوؤں میں بس کر سنور کر سامنے آئی۔ جمیل تو اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

"اب چلیں جی۔" وہ نزاکت سے بولی۔

"کیا کرنا ہے باہر جا کر چھوڑو... گھر ہی میں رہ کر موسم انجوائے کرتے ہیں۔" وہ اٹھ کر اس کے نزدیک آیا اور پیار سے اس کی تھوڑی چھو کر جذبوں سے بھری آواز میں بولا۔

''نہیں بھی۔'' اس نے کوفت زدہ سے انداز میں اس کا ہاتھ پرے کیا۔ ''گر باہر نہیں جانا تھا تو مجھے تیار کیوں کروایا۔'' اس کے تیکھے نقوش تن گئے۔
''وہ یار... مذاق کررہا تھا چلو۔'' وہ کہہ کر مڑا اور ٹیبل پر سے گاڑی کی چابی اور سگریٹ اٹھانے لگا۔ اسی اثنا میں چندا سہج سہج قدم اٹھاتی روم سے باہر نکل گئی۔ جمیل اس کے پیچھے آرہا تھا تب ہی اس نے چندا کو گھر کے داخلی دروازے کے پاس لڑکھڑا کر گرتے دیکھا۔
''ارے... رے...'' وہ متوحش سا دوڑا۔
''کتنی بار منع کیا ہے اتنی اونچی ایڑی کا سینڈل مت پہنا کرو' مگر تم ہو کہ...'' اس نے اسے سیدھا کرتے ہوئے شدید ناراضی سے کہا' مگر اسے بے ہوش دیکھ کر چپ رہ گیا۔ پھر اسے اپنی بانہوں میں اٹھایا اور قریبی صوفے پر لٹا کر بشیرن کو اسے دیکھنے کا کہہ کر افتاں و خیزاں گھر کے نزدیکی کلینک سے ڈاکٹر کو لینے دوڑا۔ جس وقت وہ ڈاکٹر شازیہ کو لے کر لوٹا۔ بشیرن اس کے تلوے سہلا کر شاید اسے ہوش میں لانے کی سعی کررہی تھی۔ ڈاکٹر کو آتے دیکھ کر وہ پیچھے ہٹ گئی۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کیا۔ اس دوران جمیل گھڑا بے حد پریشانی اور فکر مندی سے اسے دیکھتا رہا۔
''مبارک ہو جمیل صاحب... آپ کی بیگم ایکسپکٹ کررہی ہیں۔'' چیک اپ کے بعد ڈاکٹر شازیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''دراصل کمزوری کی وجہ سے یہ بے ہوش ہوئی ہیں۔ ویسے فکر مند ہونے والی کوئی بات نہیں۔ یہ انجکشن آپ لے آئیں تو میں انہیں لگا دیتی ہوں۔''
''آ... آپ کو پورا یقین ہے نا۔'' وہ بے یقینی میں گھرا خوشی سے کپکپاتی آواز میں ڈاکٹر سے پرچہ لیتے ہوئے بولا۔
''آف کورس جمیل صاحب...'' وہ اس کی کیفیت بھانپ کر مسکرائی۔
''بشیرن ڈاکٹر صاحبہ کے لیے چائے لاؤ۔'' وہ اسے ہدایت دیتا الٹے قدم باہر دوڑا۔ تب ہی چندا ذرا سا کسمسائی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ پھر ذہن ذرا حاضر ہوا تو سامنے کرسی پر اخبار دیکھتی ڈاکٹر پہ نظر گئی۔
''بشیرن... جمیل۔'' وہ بے ساختہ پریشانی سے چیخی۔
''ریلیکس... میں ڈاکٹر شازیہ ہوں۔ اب کیسا محسوس کررہی ہیں آپ؟'' ڈاکٹر شازیہ نے اخبار ایک طرف رکھ کر اسے مسکرا کر دیکھا۔ بشیرن اس کی پکار پر دوڑی چلی آئی تھی۔
''وہ بیگم جی' آپ ادھر دروازے کے پاس بے ہوش ہو کر گر گئی تھیں جی۔ صاحب ڈاکٹر صاحبہ کو لے کر آئے تھے۔'' بشیرن نے جلدی جلدی بتایا۔
''آپ ان کے لیے دودھ لے آئیے۔'' ڈاکٹر نے بشیرن کو کہا۔ وہ سرہلا کر چلی گئی۔ تب ہی جمیل انجکشن لے کر لوٹ آیا۔
''مجھے کیا ہوا ہے۔'' وہ بوکھلا کر پوچھنے لگی۔
''آپ ماں بننے والی ہیں۔'' ڈاکٹر نے جمیل کے ہاتھ سے انجکشن لے کر پر مسرت انداز میں اسے اطلاع دی۔
''کیا؟'' وہ بے یقینی سے جمیل کو دیکھ کر چیخی۔ جس کی نگاہوں کی چکاچوند بتا رہی تھی کہ اسے یہ خبر پہلے ہی مل چکی ہے۔

☼ ☼ ☼

''مجھے کچھ خریداری کرنی ہے... میں اجیہ کے ساتھ شاپنگ سینٹر چلی جاؤں؟'' میرب نے کافی سائیڈ ٹیبل پر رکھتے ہوئے سائر سے استفسار کیا۔
''کیا خریدنا ہے مجھے بتادو۔ میں لادوں گا۔ خواہ مخواہ وہاں جا کر ٹکریں کھاؤ گی۔'' اس کی نگاہیں لیپ ٹاپ پر تھیں۔ گو اس کا جواب حسب توقع تھا مگر میرب کی جان جل گئی۔
''میں کسی لنڈا بازار یا بولٹن مارکیٹ نہیں جارہی' جہاں ہر کوئی گزرتی ہوئی عورت سے ٹکرانا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ میں فورم یا پھر زمزمہ جاؤں گی جہاں محض ٹکرانے یا ٹکریں مارنے والی ''تفریح'' کوئی نہیں پسند

کرتا۔" وہ چبا چبا کر بولی۔ سائر کے سنجیدہ چہرے پر مسکان چٹک گئی۔

"مارکیٹوں کی نفسیات پر عبور حاصل کیا ہے کیا تم نے؟" اس نے کافی اٹھا کر لبوں سے لگائی اور اسے بغور دیکھتا ہوا بولا۔

"عبور نہ سہی اتنی معلومات تو بہر حال ہے ہی۔" وہ بال کھول کر برش کرنے لگی۔

"ویسے کیا خریدنا ہے؟" اس نے سرسری لہجے میں پوچھا۔ وہ ستائشی انداز میں اس کے لچکیلے بال دیکھ رہا تھا۔

"ایسے ہی کچھ چھوٹی موٹی چیزیں۔" دراصل اسے سائر ہی کے لیے تحفہ خریدنا تھا۔

"تمہارے بال بہت حسین ہیں۔" وہ یک دم بولا۔ وہ چونک کر حیرانی سے پلٹی' وہ مارے خجالت کے جلدی سے کپ رکھ کر سیدھا ہوا۔

"آپ نے کیا کہا؟" وہ دلچسپی سے پوچھنے لگی۔

"تمہارے بالوں کی تعریف کی ہے۔ لگتا ہے بہت محنت کی ہے ان پر تم نے۔" وہ اب لیپ ٹاپ آف کرکے اسے سائیڈ پر کرتے ہوئے بولا۔

"اوں ہوں... بالکل نہیں۔ پاپا بتاتے ہیں کہ میری امی کے بال بالکل ایسے ہی تھے۔ مجھے یہ وراثت میں ملے ہیں۔ میں ہو بہو اپنی امی کی کاپی ہوں۔" وہ فخر آمیز لہجے میں بولی۔ سائر اس کے بچکانہ انداز پر مسکراتا رہا۔ پھر وہ بال سمیٹ کر بیڈ پر چلی آئی۔

"ویسے آپ کس پر گئے ہیں؟ انکل کی طرح تو نہیں لگتے... کیا آپ بھی میری طرح اپنی امی جیسے ہیں؟" وہ بولتے بولتے معاً" زور سے چونکی "مگر آپ کی والدہ کی تو کوئی تصویر میں نے یہاں نہیں دیکھی۔ کیا وہ تصویریں نہیں کھنچواتی تھیں۔"

"ہمارے لاہور والے گھر میں آگ لگ گئی تھی۔ ساری تصویریں اس کے ساتھ ہی جل گئیں۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

"اوہ ہو' یہ تو بہت برا ہوا مگر کچھ رشتے تصویروں کے محتاج نہیں ہوتے۔ وہ آپ کے جسم میں لہو بن کر دوڑ رہے ہوتے ہیں۔ سینے میں دل بن کر دھڑکتے ہیں۔ اور یقیناً" ماں کا رشتہ ایسا ہی رشتہ ہے۔" وہ نجانے کیوں آج اتنا بول رہی تھی۔ سائر کا گندمی چہرہ دہکنے لگا۔

"رات کافی ہو گئی ہے۔ اب سو جاؤ۔" وہ بے تاثر انداز میں کہہ کر اٹھا اور سگریٹ اٹھا کر ٹیرس پر نکلنے لگا۔

"آپ نے جواب نہیں دیا۔" اسے باہر نکلتا دیکھ کر میرب کو اپنی بات یاد آئی۔

"جواب دے چکا ہوں۔" بے لچک لہجے میں وہ کہہ کر ٹیرس پر نکل گیا۔ میرب نے ٹھنڈی سانس لے کر کمبل خود پر تان لیا۔

ناحق کہہ کر بات گنوائی... اور یہ انہیں اچانک ہی نجانے کیا ہو جاتا ہے بیٹھے بٹھائے۔ ابھی اتنے مہربان ہیں گویا جان بھی نچھاور کر دیں گے اور پل ہی میں اتنے نامہربان کہ انسان بات کرنے سے قبل سو مرتبہ تو ضرور ہی سوچے' پتا نہیں یہ گنجلک سا شخص کب سلجھے گا۔ سوتے سوتے بھی وہ یہ سب نہ چاہتے ہوئے بھی سوچے گئی۔ جبکہ باہر ٹیرس پر کھڑا سائر نجانے رات کے اس اندھیرے اور مہیب سناٹے میں کیا کھوج رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"جانتی ہو کتنے دن بعد ملاقات کر رہی ہو؟" آغا ناراضی سے گویا ہوا۔ وہ دونوں اس صبح کے دلکش منظر سے سمندر کنارے بیٹھے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

"ہاں... کافی دن ہو گئے۔" وہ بے توجہی سے بولی۔ اس کی نگاہیں سمندر پر جمی تھیں۔

"اتنے دن بعد ملنے آئی ہو تب بھی منہ لٹکا ہوا ہی ہے تمہارا... اجیہ' میں یہ سب برداشت نہیں کر سکتا۔ تم آخر نارمل کیوں نہیں ہو پا رہیں۔" اس کی آواز اونچی ہو گئی۔ اس نے جیسے اس کے لہجے پر چونک کر اسے دیکھا۔

"میری زندگی میں اب کچھ بھی نارمل نہیں رہا آغا! کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے جیسے میں کوئی ڈراؤنی فلم دیکھ

رہی ہوں۔"

"یہ تم نے بیٹھے بٹھائے کیا مسئلہ پال لیا ہے یار۔"
وہ سخت بے زاری سے بولا۔

"مسئلہ میں نے نہیں دوسروں نے کھڑا کیا ہے۔ میں تو صرف اس پرابلم کو Solve کرنے کی کوشش کررہی ہوں۔" وہ سخت لہجے میں بولی۔

"کیسے؟ ان سے یوں چھپ چھپا کر ملاقاتیں کرکے؟" وہ استہزائیہ بولا۔

"فی الحال میرے بس میں یہی ہے۔" وہ جو بنچ سے ٹیک لگا کر بیٹھی تھی ایک دم مضطرب ہوکر سیدھی ہوئی۔

"سیدھا سادا حل ہے اس بات کا" تم جاکر اپنے ڈیڈ سے جواب طلبی کرو۔ یقیناً" کچھ نہ کچھ تو اس طرف کی کہانی بھی ہوگی۔ اسے سنو پھر فیصلہ کرو یوں بیچ میں لٹکنے سے کیا ملے گا۔ نہ تم مجھے توجہ دے پارہی ہو نہ خود کو یہ تو ٹھیک نہیں ہے ناجیہ۔" وہ جھنجلا کر بولا۔

"ڈیڈ سے کیا بات کروں؟" وہ طنزیہ بولی"ان کے نزدیک تو وہ مرچکی ہیں۔ مارچکے ہیں وہ انہیں کئی برس پہلے۔ اس بارے میں وہ کیا بات کریں گے؟"

"بھئی میں یہی تو کہہ رہا ہوں آخر ایسا کیوں کیا انہوں نے کچھ معلوم تو پڑے اور پھر تمہارا تو اتنا بڑا خاندان ہے کیا کوئی بھی اس کے متعلق نہیں جانتا؟"

"اتنا بڑا خاندان کہاں ہے ہمارا۔ کوئی بھی تو نہیں ہے یہاں اس شہر میں' اک خالہ جانی رہتی تھیں وہ بھی بہت سال پہلے آسٹریلیا شفٹ کرگئی تھیں۔" وہ کنفیوژن سے انگلیاں مروڑنے لگی۔

"مگر مجھے تو یہ بات کسی طور ہضم نہیں ہورہی' خاندان والوں سے نہ سہی اپنے بھائی ہی سے کچھ پوچھنے کی کوشش کرو۔"

"ہاں... ان سے میں پوچھنے کی کوشش تو کرہی سکتی ہوں مگر کیا معلوم وہ بھی لاعلم ہوں؟" وہ سوچتے لہجے میں بولی۔

"یہ تو ان سے پوچھنے ہی پر پتا چلے گا۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"مگر تمہیں نہیں معلوم آغا... وہ بابا کے مکمل انڈر میں ہیں' اگر انہوں نے بجائے مجھے جواب دینے کے بابا کو کچھ بتادیا تو؟" وہ خائف لہجے میں بولی۔

"اتنا ڈر کیوں رہی ہو یار... بات تو کرو۔"

"نہیں آغا... ابھی نہیں' جو بھی ہے جیسا بھی ہے' فی الحال ایسا ہی چلنے دو۔ تم نہیں جانتے آغا میں کس لذت سے آشنا ہوئی ہوں۔ مدتوں میرے اندر محبت کا خانہ خالی رہا ہے... یہ کسی کی محبت سے کبھی بھرا ہی نہیں مگر میں یہ نہیں جانتی تھی کہ اندر کی پیاس تو صرف ماں کی محبت ہی بجھاتی ہے۔ باقی سارے رشتے غرض کے رشتے ہیں۔ فقط ماں ہی ہے جو آپ سے بے لوث محبت کرتی ہے اور میں نے اس کا ذائقہ چکھ لیا ہے آغا۔ مجھے فی الحال کسی اور چیز کی کچھ تمنا نہیں۔" وہ الوہی جذبے کے تحت جذب سے کہتی چلی گئی۔

"تم بہت جذباتی ہورہی ہو ناجیہ... تمہارا کچھ نہیں ہوسکتا۔" وہ بگڑے لہجے میں بولا۔

"وہ ہیں ہی ایسی آغا... کسی دن ملواؤں گی انہیں تم سے۔ تمہیں بھی ان سے انسیت نہ ہوگئی تو کہنا۔" وہ بفاخر سے بولی۔

"دیکھیں گے۔" وہ کوفت زدہ لہجے میں بولا۔

☼ ☼ ☼

"ہاں بھئی کیا رپورٹ ہے؟" ماریہ نے کچھ اس انداز سے پوچھا کہ میرب کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"کیوں ہنس رہی ہو؟"

"تمہارے انداز پر... بالکل جاسوسوں کی طرح سوال پوچھا ہے۔"

"ویری فنی" وہ چڑی" اب ہنس چکی ہو تو بتا بھی چکو۔" میرب ذرا سنبھلی پھر بولی۔

"بہت مشکل ہے ماریہ... سارا ان لوگوں میں سے ہیں جو خود سے بات کریں تو کریں ورنہ لاکھ سوال کرتے رہو جواب ہوں ہاں سے زیادہ نہیں ملتا۔" وہ بے چارگی سے بولی۔

"ڈائری پڑھنے کی کوشش کی تم نے؟"

"دراز لاک ہوتی ہے۔"

"تم ذرا حاضر دماغی سے کام نہیں لے سکتیں؟ کیوں بونگی بنی ہوئی ہو۔" اس نے سلگ کر کہا۔

"حاضر دماغی کا مظاہرہ کر کے کیا کروں۔ لاک توڑ دوں یا چابی چرا لوں؟" وہ اس سے زیادہ تپ کر بولی۔

"یہ ہوئی نا بات... اڑا لو چابی... مگر ہشیاری سے۔ آخر پتا تو چلے اس دراز میں ہے کیا۔" وہ خوش ہوئی۔

"مجھے پتا ہے اس میں ان کی پرسنل ڈائریز ہیں۔"

"اور ان پرسنل ڈائریز میں کیا لکھا ہے؟" اس نے طنز کیا۔

"ہاں... یہ نہیں معلوم۔" وہ خجالت سے بولی۔

"تو یہی معلوم کرونا..." اس نے جیسے اس کی عقل پر ماتم کیا۔

"ہاں کرتی ہوں کچھ... فی الحال تو تم سے کام ہے۔" وہ لجاجت سے بولی۔

"ہاں... بولو۔ کچھ دن میں احمد کے گھر والوں کو تاریخ لینے آنا ہے۔ بجائے اس کے کہ تم اس وقت میرا کام بٹاؤ... الٹا مجھ ہی سے سارے کام کروالو۔" وہ خفگی سے بولی۔

"تم جانتی ہو میری مجبوری' پھر بھی ایسے کہہ رہی ہو۔" وہ روہانسی ہوگئی۔ "رہنے دو... میں خود کرلوں گی۔" وہ اس کی بات سے اتنی دلبرداشتہ ہوئی کہ اس کے "ارے... ارے" کرنے کے باوجود فون رکھ دیا۔ فون پھر بجنے لگا۔ اسی کا نمبر تھا۔ وہ ریسیور کریڈل سے ہٹا کر اجیہ کے کمرے کی جانب چلی آئی۔ وہ کالج سے آنے کے بعد سے ابھی تک اپنے روم سے باہر نہیں نکلی تھی۔ ویسے اس نے آج کل باہر آکر سب کے درمیان بیٹھنا تقریباً" ترک ہی کردیا تھا۔ وہ دستک دے کر کمرے میں داخل ہوئی۔ وہ ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر سیدھی ہوئی۔

"آیئے بھابھی۔ خیریت؟"

"ہاں... کیسی ہو؟ پڑھائی کیسی جارہی ہے۔" وہ بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔

"سب ٹھیک ٹھاک ہے۔" وہ مختصراً" بولی۔

"مجھے تم سے کچھ کام تھا۔" وہ جھجک کر بولی۔ اس دن کے واقعے کے بعد سے میرب اس کے سامنے عجیب سی شرمندگی محسوس کرتی تھی۔

"کہیے؟" وہ استعجاب سے اسے دیکھ کر بولی۔

"دراصل سائر کی برتھ ڈے ہے پرسوں... مجھے ان کے لیے تحفہ خریدنا ہے۔" میرب نے تمہید باندھی۔

"تو کیا کرنا ہے میں ساتھ چلوں؟" وہ سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"نہیں... تم لا دو اپنی پسند سے کوئی اچھا سا پرفیوم۔"

"آپ کو جانے سے بھائی نے منع کردیا ہوگا؟" اجیہ نے زہرخند لہجے میں قیاس آرائی کی۔

"ہاں... وہ انہیں پسند نہیں۔" وہ گڑبڑا کر اسی قدر بول سکی۔

"ٹھیک ہے میں لادوں گی۔" وہ کہہ کر پھر سے ٹی وی کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"تم شاپنگ پر کیسے جاتی ہو' میرا مطلب ہے کہ کس کے ساتھ؟"

"کبھی بھائی لے جاتے ہیں' کبھی ڈرائیور کے ساتھ' کسی فرینڈ کو پک کرکے۔"

"اوکے..." وہ کہہ کر نکلنے لگی' مگر اسے اک عجیب سا احساس ہوا۔ اس پر اتنی پابندیاں عائد کر رکھی ہیں سائر نے اور بہن کے معاملے میں نسبتاً" لاپروائی... اس کا ذہن مخمصے میں پڑ گیا۔

☼ ☼ ☼

"اسے اچھی طرح سے سمجھادیں خالہ... یہ کوئی بچی تو نہیں جو اس بات کی نزاکت اور سنگینی سے ناواقف ہو۔ میں اس کی ہر ضد مانتا آیا ہوں تو کیا مطلب ہے اس بات کا' یہ مجھے بے وقوف سمجھنے لگی ہے؟ محبت کرتا ہوں اس سے اس لیے اس کی اس مکروہ بات پر خاموش ہوں ورنہ تو... خیر' آج کی رات یہ آپ کے ساتھ ہی رہے گی۔ اچھی طرح سمجھادیں اسے میں بار بار اس کا یہ بے ہودہ مطالبہ برداشت

نہیں کروں گا۔" جمیل کی اونچی غراتی آواز پورے گھر میں گونج رہی تھی۔ اب سے کچھ ہی دیر قبل چندا' جمیل کے ساتھ بی بی کے پاس آئی تھی بلکہ جمیل ہی اسے لے کر آیا تھا۔ الجھے بکھرے بال' ملگجی حلیہ' سوجی آنکھیں۔ بی بی تو اس کا حلیہ دیکھ کر دہل سی گئی تھیں۔ نازو چائے تیار کرنے باورچی خانے میں جا چکی تھیں' مانو بھی ان کی مددگار تھی۔ بی بی کے کمرے سے اٹھتے شور نے ان دونوں ہی کو شعوری طور پر متوجہ کر رکھا تھا۔

"بیٹا... ذرا تحمل سے کام لو' میری بچی نا سمجھ ہے' نادان ہے' مگر نیت کی بری نہیں۔ میں سمجھاؤں گی بے وقوف کو' تم بیٹھو تو سہی۔" بی بی لجاجت سے بولیں۔

"نہ میں بے وقوف ہوں نہ نادان۔ پوری عقل مندی سے یہ بات کر رہی ہوں۔ آخر میری عمر ہی کیا ہے ابھی جوان بکھیڑوں میں پڑ جاؤں۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

"دیکھی... دیکھی آپ نے اس کی ضد' عاجز آچکا ہوں میں اسے سمجھا سمجھا کر۔" وہ بالوں میں انگلیاں پھنسا کر بولا۔

"تم خاموش رہو۔" بی بی نے اسے بری طرح جھڑکا۔ "جمیل میاں! آپ چائے پئیں آرام سے۔ دیکھتی ہوں میں یہ کیسے نہیں مانے گی۔" وہ جلال میں آگئیں۔ ان کا انداز دیکھ کر جمیل کو کچھ اطمینان ہوا' تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"چلتا ہوں' مجھے کام ہے ذرا اور تم اپنا خیال رکھنا۔" وہ اسے دیکھ کر بولا۔

"مجھے نصیحتیں کرنے کی ضرورت نہیں۔" وہ تڑخ کر بولی۔ وہ ضبط کر گیا۔

"بیٹا چائے تو پیتے جاؤ۔" بی بی داماد کو یوں سوکھے منہ جاتا دیکھ کر بوکھلا کر کھڑی ہو گئیں۔

"نہیں خالہ پھر کبھی سہی۔" وہ بہ عجلت کہہ کر دروازہ اور پھر صحن عبور کر گیا۔

"اری... یہ کیا بچپنا لگا رکھا ہے تو نے۔" وہ ہانپتی کانپتی واپس بیٹھ گئیں۔ "تجھے ذرا شرم لحاظ ہے کہ نہیں' کیوں ہماری جان کا روگ بنی ہوئی ہے۔ آخر کیا چاہتی ہے تو؟" بی بی سر تھام کر رونے لگیں۔ چندا نے کوفت سے انہیں دیکھا۔

"آخر ایسا کیا کہہ دیا میں نے؟ پریگننٹ میں ہوں' مجھے بچہ نہیں چاہیے۔ بات ختم۔ آخر اس میں اتنا واویلا کرنے کی کیا ضرورت ہے آپ لوگوں کو۔" وہ کٹھور لہجے میں بولی۔

"خدا سے ڈر چندا' لوگ تو منتیں مانگتے ہیں یہ دن دیکھنے کے لیے' تجھے خدا نے کسی آزمائش میں ڈالے بنا ہی اس نعمت سے نواز دیا ہے تو کیوں ناشکری کر رہی ہے۔" وہ سخت برانگیختگی سے بولیں۔

"مجھے نہیں چاہیے اولاد تو آخر وہ مجھ پر زبردستی کیوں کر رہا ہے۔" وہ ہذیانی انداز میں چیخی۔

"اولاد اس کی بھی ہے۔ اس کے متعلق فیصلہ کرنے میں اسے بھی اختیار ہے۔" بی بی دو ٹوک لہجے میں بولیں۔

"عمر اس کی نکلی جا رہی ہے' میری نہیں' جو میں بچہ پیدا کرنے کو زندگی موت کا مسئلہ بنا دوں۔" وہ پاگلوں کی طرح چیخی۔

"کیا بکواس کر رہی ہے تو۔ کیا باولی ہو گئی ہے لڑکی۔ کہاں نکل رہی ہے اس کی عمر' جوان جہان آدمی ہے۔" وہ زچ ہو گئیں۔

"مجھ سے دگنی عمر کا ہے۔ مجھے بوجھ کی طرح سر سے اتار پھینکا۔ ذرا خیال نہیں کیا میرا۔" وہ اونچا اونچا رونے لگی۔ مانو اور نازو بھی کمرے میں کھڑی سنجیدگی سے یہ ڈرامہ دیکھ رہی تھیں۔

"ہاں سارے قصور اماں باوا کے ہیں۔ اکٹھا ہی جان سے کیوں نہیں مار دیتی تو ہمیں۔" بی بی پھر رونے لگیں۔

"خدا کے لیے آپ دونوں چپ ہو جائیں' کیا نحوست پھیلا رکھی ہے۔" نازو نے چڑ کر ہاتھ جوڑے۔

"جاؤ مانو بی بی کو پانی دو۔"

"ماں ہوں اس کی۔ بھلے کو سمجھا رہی ہوں۔ ارے سر پر تاج کی طرح سجا رکھا ہے جمیل میاں نے۔ کیوں بے جا ضد کر کے اپنا مقام کھو رہی ہے۔" وہ روتے

ہوئے کہنے لگیں۔
"اس کی تو عادت ہے اپنے خیر خواہوں کو زک پہنچانے کی۔" تازو کرختی سے بولیں۔
"تم بکواس بند کرو" وہ بدتمیزی سے اس پر چلائی۔
"تم اپنا یہ ڈرامہ بند کرو اور سکون سے جینے دو ہمیں آخر کب تک الٹے سیدھے فیصلے کرکے اپنے ساتھ دوسروں کی زندگی بھی جہنم بناتی رہوگی۔ تمہارے کرتوتوں کی وجہ سے ابا میاں بستر سے لگ گئے ہیں۔ اگر تم نے اور کوئی مسئلہ کھڑا کیا تو قاسم بھائی تمہیں جان سے مارنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔" وہ اتنے برافروختہ لہجے میں بولیں کہ چندا رونا دھونا بھول کر اسے فکر سے دیکھنے لگی۔
"کچھ اونچ نیچ ہوگئی تو ہاشم تو تمہیں گھر میں بھی گھسنے نہیں دیں گے 'اچھا ہے یا برا ہے وہ تمہارا شوہر ہے۔ تمہیں اسی کے ساتھ جینا مرنا ہے جبکہ یہاں تو تمہیں تن تنہا ہی کرنا پڑے گا لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ تم عقل مندی کا مظاہرہ کرو اور اپنی تقدیر پر راضی رہنا سیکھو۔ بی بی آجائیں 'کھانا لے میں نے صحن میں تخت پر لگادی ہے۔ قاسم اور ابا بھی دکان سے آتے ہی ہوں گے۔" وہ سکون سے اپنی بات مکمل کرکے کمرے سے چلی گئیں۔ چندا سمجھی یا نہ سمجھی۔ بی بی البتہ کچھ مطمئن ہو کر اب صحن میں جارہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"یہ آپ مجھے کہاں لائی ہیں؟" اجیہ نے ٹیکسی سے اترتے ہوئے سامنے بنی عمارت کو دیکھ کر حیرت سے استفسار کیا۔
"یہاں میں جاب کرتی ہوں۔" اس نے کہہ کر قدم آگے بڑھائے۔
"مجھے یہاں لانے کی وجہ؟" وہ اس کی معیت میں قدم بڑھاتی ہوئی بولی۔
"تمہیں سب سے ملوانا چاہتی ہوں۔" اس نے پرجوش سے انداز میں کہا۔ اس کے انداز پر اجیہ مسکرا کر خاموش ہوگئی اور دلچسپی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

یہ ڈیفنس میں بنا دو منزلہ گھر تھا۔ جس کے نچلے فلور پر میڈم نشی کا ویل ایکوپڈ' ویل فرنشڈ پارلر پلس بیوٹی کلینک جبکہ سیکنڈ فلور پر ان کی رہائش تھی۔
"ہیلو۔" پورچ سے اندر داخل ہو کر گل نے خوش دلی سے سب ہی کو مشترکہ ہیلو سے نوازا۔
"کسے لے آئیں؟" کئی ایک نے اجیہ پر توصیفی و ستائشی نگاہ ڈال کر سوال کیا۔
"میری بیٹی ہے؟" وہ تفاخر آمیز بے نیازی سے بولی۔
"اوہو۔"
"اچھا۔"
"واہ بھئی۔" سب کا ملا جلا ردعمل دیکھنے کو ملا۔ وہ ہنوز مسکراتی ہوئی میڈم نشی کے آفس کی طرف بڑھ گئی۔
"میرے پاس فی الحال جو کچھ تھا تمہیں دکھا چکی ہوں۔ اب تمہیں کچھ پسند ہی نہیں آرہا تو میں کیا کروں؟" میڈم نشی ڈیپ ریڈ گہرے گلے کے ٹاپ اور بلیک ٹراؤزر میں ملبوس گہری سرخ چیری رنگ کی لپ اسٹک لگائے ٹیبل کی دوسری طرف چیئر پر جلوہ افروز تھیں۔ وہ ایک خوش شکل۔ سرخ و سپید رنگت کی حامل' اخروٹی رنگ کے بالوں والی ڈھلتی عمر کی' مگر پرکشش عورت تھیں۔ لب و لہجے سے بناوٹی پن جھلکتا تھا۔
"میں اندر آسکتی ہوں؟" گل نے بھاری براؤن گلاس کا دروازہ دھکیل کر اجازت طلب کی۔
"ہاں آؤ۔" انہوں نے سر کو خفیف سی جنبش دی۔
"ہیلو میم۔ کیسی ہیں آپ۔" اس نے ان کی مزاج پرسی کی۔ میڈم بغور اجیہ کا جائزہ عمیق نگاہوں سے لے رہی تھیں' بولیں۔
"ہاں۔ ٹھیک ٹھاک۔ تم بیٹھو۔" انہوں نے سامنے رکھی دوسری کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ اجیہ بائیں ہاتھ پر رکھے صوفوں پر بیٹھ گئی۔
"ہاں بھئی۔ ان سے ملو یہ نیازی صاحب ہیں۔

اپنے ایاز ہمدانی ہیں نا' انہوں نے بھیجا ہے۔ کوئی میگزین شوٹ ہے اس کے لیے نئے چہرے کی تلاش ہے انہیں۔" میڈم نشی نے گل سے ان کا تعارف کروایا۔

"اوہ۔ اچھا۔" گل چونک گئی۔

"اور تم سناؤ۔ کیسے چلی آئی ہو۔" وہ مسکرا کر بولیں۔ مسکراہٹ ان چہرے پر بھدی لگتی تھی۔

"میری بیٹی ہے اجیہ۔ آپ سے تذکرہ کیا تو تھا۔ شاید آپ کے ذہن سے نکل گیا۔" گل جلدی سے بولی۔

"او ہو اچھا۔ اچھا تمہاری بیٹی ہے۔" انہوں نے اب اجیہ میں مزید دلچسپی لی۔

"کیا کرتی ہو بیٹا؟" انہوں نے وہیں بیٹھے بیٹھے صرف اپنی چیئر گھما کر پوچھا۔

"پڑھتی ہوں' سیکنڈ ایئر میں۔" اس نے جواب دیا۔ اسے نامعلوم سی الجھن ہو رہی تھی۔

"ہوں۔ گڈ' آپ بہت چارمنگ ہو۔ کسی نے بتایا آپ کو۔" ان کے لہجے پر اجیہ نے کچھ جھینپ کر گل کو دیکھا جو آنکھوں میں فاتحانہ چمک لیے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"جی۔ آئی نو۔" اس نے کچھ اس سادگی سے کہا کہ وہاں بیٹھے وہ دونوں نفوس بشمول گل کے قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔ ان کے ہنسنے نے اسے کنفیوز کر دیا۔

"بہت انوسینٹ ہے۔ از نٹ اٹ؟" انہوں نے سامنے بیٹھے نیازی صاحب سے تائید چاہی۔

"اوہ۔ یس۔" انہوں نے زور و شور سے اثبات میں سر ہلایا۔ "مجھے بس اسی طرح کا چہرہ درکار ہے اپنے پروڈکٹ کے لیے۔" انہوں نے یک دم کہا اور گل کا جی چاہا کہ وہ خوشی سے دھمال ڈالے۔ اسے اجیہ کے اوپر پورا بھروسہ تھا مگر اس کی قسمت پر نہیں' مگر اب شاید وہ اس کی قسمت پر بھی بھروسہ کرنے پر مجبور ہو گئی۔ اجیہ نے بڑی حیرت سے اس کی بات سنی مگر کچھ بولی نہیں۔

"مگر اسے تو کچھ بھی نہیں آتا۔" گل نے بڑی بے ساختہ قسم کی پریشانی میں گھر کر کہا۔

"تو ہم یہاں کس لیے بیٹھے ہیں' بڑی بڑی اناڑی یہاں سے ہنڈرڈ پرسینٹ گروم کر کے بھیجی ہیں۔ اسے بھی کریں گے۔" میڈم نشی کا انداز چیلنج قبول کرنے والا تھا۔ گل نے گہری طمانیت بھری سانس لی۔

"مگر جلدی میڈم نشی۔ اگلے مہینے پراڈکٹ کی لانچنگ ہے۔" وہ بے چینی سے بولے۔

"فکر مت کریں۔ ان شاء اللہ آپ کا کام ہو جائے گا۔" انہوں نے خالص کاروباری انداز میں انہیں تسلی دی۔

"اوکے پھر میں چلتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

"اوکے۔ میں بتاتی ہوں پھر آپ کو۔" میڈم نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں بھئی ادھر آؤ۔" میڈم نے اجیہ جو بے زار بیٹھی اپنے فون میں کچھ کر رہی تھی کو پکارا۔ اس نے سر اٹھا کر اپنی ماں کو دیکھا' وہ بھی اسے وہاں آنے کا اشارہ کرنے لگی۔ وہ اٹھ کر میڈم نشی کے سامنے والی خالی ہوئی نشست پر بیٹھ گئی۔

"کیا خیال ہے؟ تمہیں تھوڑا تراش خراش دیں؟" انہوں نے اپنی چیئر کی بیک سے ٹیک لگا کر دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم پیوست کر کے پوچھا۔ اجیہ کے تاثرات نافہم سے ہو گئے۔

"کیا مطلب؟"

"ارے بھئی۔" انہوں نے دانستہ لہجہ سرسری بنایا۔ "اب اتنی پیاری صورت ہے تمہاری' مگر تم پر تھوڑی توجہ دی جائے تو تم چودہویں کے چاند کی طرح چمکو۔ بال بھی تمہارے ویسے ہی پیارے ہیں' آگے سے تھوڑے سیٹ کرنے پڑیں گے۔" وہ جانچتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگیں۔

"سچ' بالکل کترینہ کیف لگو گی۔" انہوں نے اس میں ہوا بھرنی چاہی۔ وہ ہنس دی۔

"آنٹی۔ آپ مذاق کر رہی ہیں؟ امی تو مجھے آپ لوگوں سے ملوانے لائی ہیں' میں جیسی ہوں۔ ٹھیک ہوں۔ گروم ہو کر کیا کروں گی؟" اس کی بات پر میڈم

نے چونک کر گل کی جانب دیکھا۔ اس نے آنکھ سے کچھ اشارہ کیا۔

"ہوں یہ بھی ہے۔۔۔ مگر کیا تم نہیں چاہتیں کہ لوگ تمہیں لائک کریں؟" انہوں نے اس کی فطری جبلت پر ہاتھ ڈالا۔

"مجھے لوگوں کی کچھ پروا نہیں۔" اس نے سر جھٹک کر کہا۔

"کروالو بیٹا۔ آنٹی اتنے پیار سے آفر کررہی ہیں تو۔" گل کو بالآخر مداخلت کرنی پڑی۔

"مگر امی۔۔۔"

"اگر مگر چھوڑو۔۔۔ چلو آؤ میں تمہیں دکھاؤں میں کہاں کام کرتی ہوں۔" گل نے اسے بولنے کا موقع نہ دیا۔

"ہاں۔۔۔ ہاں جاؤ۔۔۔ تم اسے دکھالاؤ پھر تمہاری بیٹی کو چائے پلواتے ہیں۔" میڈم نشی نے آفس کا فون اٹھا کر کوئی نمبر ڈائل کرتے ہوئے کہا۔

☼ ☼ ☼

آج صبح ہی سے میرب بہت مصروف تھی۔ پہلے اس نے بہ طور خاص سائر کے پسندیدہ پکوان تیار کیے پھر کیک بیک کر کے سجا کر فریج میں رکھا۔ ان ہی سب تیاریوں میں کب دوپہر ڈھلی پتا ہی نہیں چلا۔

"واہ بھئی واہ۔۔۔ آج تو کچن سے بڑی مزیدار خوشبوئیں اٹھ رہی ہیں۔" وقار صاحب نے خوش دلی سے کہا۔

"جی بابا۔۔۔ سائر کی برتھ ڈے کی تیاری ہے۔" میرب جو اپنے کمرے میں جارہی تھی انہیں دیکھ کر ٹھہر گئی۔

"مگر اس کی سالگرہ تو کل ہے؟"

"جی۔۔۔ مگر آج رات بارہ بجے ہی کیک کٹوالیں گے۔" میرب نے مسکرا کر بتایا۔

"ہاں۔۔۔ یہ بھی اچھا ہے۔۔۔ تم نے اپنے گھر والوں کو انوائٹ کیا؟" ان کے تذکرے پر میرب کچھ افسردہ سی ہوگئی۔

"نہیں۔۔۔ ہم گھر کے لوگ ہی کافی ہیں۔"

"تمہارے بابا کو بھی نجانے بیٹے کے ساتھ جانے کی کیا سوجھی۔ ایک ہی تو دوست تھا میرا۔۔۔ بے دید نے میرا خیال بھی نہیں کیا۔ یہیں رہتا تو اچھا تھا نا' وہاں وہ خود بھی بیٹھا بور ہی ہورہا ہے۔" وقار صاحب سے بھی کبھی کبھار ان کی اسکائپ یا فون پر بات چیت ہوجاتی تھی۔

"جی بس۔۔۔ کیا کہوں۔" وہ اداسی سے بولی۔

"ارے میں بھی کیا ہوں۔" انہوں نے اپنے سر پر ہاتھ مارا۔ "خوامخواہ میں یہ تذکرہ چھیڑ کر تمہیں اداس کردیا' تم جاؤ' اپنی تیاری کرو۔۔۔ بلکہ کچھ چاہیے ہو تو مجھے بتاؤ۔" وہ اپنی بے عقلی پر تف بھیجتے ہوئے بولے۔

"نہیں بس سب کچھ ہوچکا ہے۔۔۔ صرف آپ نے یہ کرنا ہے کہ آج رات انہیں اپنے کمرے میں کسی نہ کسی طرح بارہ بجے تک مصروف رکھنا ہے تاکہ انہیں سرپرائز دیا جاسکے۔"

"ٹھیک ہے بھئی۔۔۔ یہ تو میں کرہی سکتا ہوں۔" وہ مسکرا کر بولے۔ وہ مسکراتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ تو وہ لالی کو چائے کے لیے آواز دینے لگے۔

☼ ☼ ☼

"اچھا۔۔۔! تو آج تم اپنا میک اوور کرواکر آئی ہو؟ بہت خوب صورت لگ رہی ہو گی؟" آغا نے دلچسپی سے استفسار کیا۔

"اس میں کیا شک ہے؟" اجیہ نے الٹا اسی سے سوال کیا۔ وہ تتلی بنی اپنے آپ کو آئینے میں بار بار خوشی و حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ ذرا سی محنت نے اس کے چہرے کو۔ کیسی تابناکی بخش دی تھی۔

"شک تو خیر کوئی نہیں ہے۔ بلکہ مجھے تو یقین ہے کہ اس روئے زمین پر تم سا حسین کوئی نہ ہوگا۔ میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ ماورائی حسن کی مالک میری محبوبہ ہے۔" وہ دھیمے سروں میں اس کے کان میں گنگنایا۔ اس کے عارض گلابی تو ہو ہی رہے تھے دہکنے لگے۔

"تمہیں باتیں بہت بنانی آتی ہیں۔" وہ لجا کر بولی۔
"تمہاری غلط فہمی ہے جان تمنا۔ میں صرف باتیں ہی نہیں بناتا۔" وہ معنی خیزی سے ہنسا۔
"آغا' میری امی اتنی خوش ہوئی ہیں مجھے یوں دیکھ کر کہ مجھے لگا میں نے ان کی بات مان کر ٹھیک ہی کیا۔" وہ پُرسکون لہجے میں بولی۔

"کیا مطلب؟" آغا اس رومانٹک گفتگو کے بیچ میں ایک خالص ان رومینٹک ہستی کا ذکر سن کر بری طرح بے مزہ ہوا۔
"بھئی۔۔۔ ان ہی کے اصرار پر تو میں نے یہ سب کروانے کی ہامی بھری تھی۔ پھر جب اپنا آپ دیکھا تو مجھے لگا کہ میں نے امی کی بات مان کر بالکل درست کیا ہے۔ پھر امی بھی خوش ہوئیں بہت۔" وہ بتانے لگی۔
"اچھا ٹھیک ہے' یار اب مجھ سے یوں دور نہیں رہا جا رہا۔۔۔ میں تم سے ملاقات کر کے کچھ سنجیدہ معاملات ڈسکس کرنا چاہتا ہوں۔" وہ مکمل سنجیدگی سے بولا۔
"کون سے سنجیدہ معاملات بھئی؟" اجیہ نے یوں ہی پوچھا۔ اس کا سارا دھیان اپنی چمکتی اسکن' تراشی ہوئی کماندار بھنوؤں اور ماتھے پر گری نفیس لٹوں کی جانب تھا۔
"کیا تم مجھ سے سنجیدہ ہو؟" اس نے یکلخت پوچھا۔
"یہ بھلا کیا بات ہوئی؟" وہ نا سمجھی سے بولی۔
"یار۔۔۔" وہ جھنجلا کر بولا۔ "میرا مطلب ہے شہزادی صاحبہ کہ کیا آپ بندۂ ناچیز کے ہمراہ زندگی گزارنے کے لیے واقعی سنجیدہ ہیں؟"
"آف کورس۔" وہ قطعی لہجے میں بولی۔ اب وہ بھی سنجیدہ ہو گئی۔
"تو پھر شادی کر لیتے ہیں۔ ویسے بھی میں کچھ روز میں واپس اسٹیٹس جا رہا ہوں۔"
"آغا۔۔۔ تم جا رہے ہو؟" اس کا دل ڈوب گیا۔
"جانا تو ہے یار۔۔۔ ڈیڈ مسلسل مجھ پر خفا ہو رہے ہیں۔ وہاں کام کا حرج ہو رہا ہے' مگر میں تمہارے چکر میں یہاں اٹکا ہوا ہوں۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔
"مگر میں کیا کروں گی تمہارے بغیر۔" اس کی آواز رندھ گئی۔
"یار پلیز میچور ہو جاؤ۔" وہ چڑ گیا اس کے انداز پر۔ "اسی لیے تو کہتا ہوں کہ شادی کر لیتے ہیں۔ پھر ساتھ ہی چلیں گے۔" اس کے پاس مسئلے کا حل موجود تھا۔
"مگر ایک دم یوں۔۔۔" وہ گھبرا گئی۔ "میرے گھر والوں نے کوئی پرابلم کری ایٹ کرنے کی کوشش کی تو؟" اس کے انداز میں اندیشے تھے' خدشے تھے۔
"محبت تم نے کی ہے۔ فائٹ بھی تمہیں کرنی ہو گی۔" وہ کندھے اچکا کر بولا۔ "اور یوں بھی کیوں مسئلہ کھڑا کریں گے وہ؟ کیا میں ڈیشنگ نہیں ہوں' امیر نہیں ہوں؟" اس کا لہجہ تیکھا ہو گیا۔
"مگر ان کے نزدیک شاید یہ باتیں قابل اعتنا نہ ہوں۔" وہ شدید ٹینشن میں گھر کر پھر سے کمرے میں چکرانے لگی۔
"وہاٹ؟ آج کل تو لوگ یہی کچھ تو دیکھتے ہیں۔۔۔ عجیب ہیں تمہارے گھر والے' بلکہ دقیانوسی زیادہ مناسب لفظ ہے۔" وہ ہلکے سے غصے سے بولا۔
"نہ صرف دقیانوسی بلکہ اپنے نظریات میں انتہا پسند بھی۔ پتا ہے امی بتا رہی تھیں کہ ایک مرتبہ۔۔۔"
"یار تم یہ "امی نامہ" پلیز آج تو بند کر دو۔ میں واقعی پریشان ہوں۔ مجھے تمہیں لے کے جانا ہے اپنے ساتھ۔" وہ بولا۔ اجیہ کو بے حد بری لگی اس کی بات۔ تاہم اس کی پریشانی بھی بجا تھی۔
"اچھا۔۔۔ کچھ سوچتی ہوں میں تم اتنے ٹینس مت ہو۔" اس نے اسے مقدور بھر تسلی دی۔
"ذرا جلدی سوچ لو۔۔۔"
"ہاں۔۔۔ میں کرتی ہوں کچھ۔۔۔ تم۔" اس کی بات ادھوری رہ گئی۔ وردانہ ناک کر کے میرب اندر داخل ہو رہی تھی۔
"چلو میں بعد میں بات کرتی ہوں۔" اجیہ نے بعجلت کہہ کر فون کاٹ دیا اور قدرے ناگواری سے میرب کو دیکھنے لگی۔
"وہ۔۔۔ اصل میں مجھے پوچھنا تھا کہ تم نے گفت

خرید لیا۔" وہ اس کی ناگواری بھانپ کر قدرے شرمندگی سے پوچھنے لگی۔

"جی۔۔۔ یہ لیں۔" اس نے اپنے تاثرات چھپا کر ایک ہلکے نیلے لائنوں والے ریپر میں ملفوف پرفیوم اسے سائیڈ ٹیبل سے اٹھا کر دیا۔

"شکریہ تمہارا بہت بہت۔۔۔ سائر کی برتھ ڈے رات میں سیلی بریٹ کرنے کا ارادہ ہے میرا۔" اس نے گفٹ تھام کر اسے بتانا ضروری سمجھا۔

"اچھا تو پھر۔۔۔؟" اس کے اجنبی لہجے پر وہ گڑبڑا گئی۔

"تم۔۔۔ بابا اور صرف میں ہوں گے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" اس کا انداز ایسا تھا کہ گویا کہہ رہی ہو "اب دفع ہو جاؤ۔" اس لیے وہ مزید کچھ کہے بنا خاموشی سے دفع ہو بھی گئی۔ اپنے عقب میں اس نے ٹھک سے دروازہ لاک ہونے کی آواز سنی۔

"پتا نہیں کون سے مسئلے کمرہ بند کر کے سلجھاتی رہتی ہے یہ لڑکی۔" وہ بڑبڑائی۔

☼ ☼ ☼

"نہ وہ منحوس انسان شیرازی میری زندگی میں آتا نہ مجھے اس کی وجہ سے یہ دن دیکھنے پڑتے۔ خواہ مخواہ ہی میں اس کے چکر میں پڑی۔ اچھی بھلی زندگی گزر رہی تھی مگر وہ زندگی بھی اچھی بھلی کہاں تھی؟ کم از کم اس گھر میں مجھے نسبتاً "سہولیات تو میسر ہیں۔ وہاں زندگی جی نہیں بس گزاری جاسکتی تھی' مگر کم از کم یہ جھنجھٹ تو نہیں تھا۔" وہ بیڈ پر چت لیٹی یک ٹک چھت کو گھور رہی تھی۔ اس کا ذہن مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

"پتا نہیں عین موقع پر کہاں جا مرا۔ اگر اسی سے شادی ہو جاتی تو ٹھیک تھا' مگر جب قسمت ہی میں گہن لگا ہو تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔" اسے رہ رہ کر آصف شیرازی کا خیال آرہا تھا۔ نہ وہ اس کی زندگی میں آتا' اسے خواب دکھاتا اور نہ ہی یہ سب کچھ جو ہو گیا تھا ہوتا۔ اس کی طبیعت آج کل ٹھیک نہیں تھی۔ اپنے میکے سے آئے ہوئے بھی اسے مہینہ بھر سے زائد

ہو چلا تھا۔ وہ جان گئی تھی کہ اس کا مطالبہ منظور نہیں ہو گا۔ پھر پہلی بار اس حالت سے گزر رہی تھی۔ نہیں تو اپنے طور پر ہی کوئی ٹونا ٹوٹکا کر کے اس "جھنجھٹ" سے چھٹکارا پانے کی تدبیر کر لیتی۔ ایک مرتبہ بشیرن سے کچھ جاننے کی کوشش بھی کی' مگر وہ تو کانوں کو ہاتھ لگا کر یوں بدکی گویا کسی قتل کی منصوبہ بندی میں اسے شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ تھک ہار کر وہ قسمت پر سب چھوڑے بیٹھی تھی۔ پھر جمیل نے بھی بہت سے وعدے وعید کیے تھے کہ یہ ولائے گا وہ ولائے گا اور اس "یہ" "وہ" میں "گاڑی" "سونے کے کنگن" اور "ملک سے باہر" گھمانے لے جانے کا اضافہ چند اپنے کر لیا تھا سو اب دل کی جلن کچھ کم تھی مگر انسان کا دل بھی عجیب شے ہے۔ جو میسر ہے۔ اس پر راضی نہیں ہوتا۔ جس کو چاہتا ہے۔ وہ میسر نہیں۔ اور کبھی جو اس کی چاہت' مراد بر آجائے تب اس کی قدر نہیں کرتا۔ اور کہیں تو قدر کرتے کرتے اکتانے لگتا ہے۔ اور اکتا کر پھر کسی نئی چاہت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ قرار اسے دراصل پھر بھی نہیں ملتا۔

☼ ☼ ☼

من پسند ڈنر کرنے کے بعد سائر اپنے کمرے میں جا رہا تھا تب ہی وقار صاحب نے اسے پکار لیا اور اپنے ساتھ اپنے کمرے میں لے گئے۔ میرب چپکے چپکے مسکرانے لگی۔ اجیہ کا ذہن اپنی پریشانیوں میں لگا ہوا تھا۔ لالی سے برتن وغیرہ سمیٹنے اور سائر اور وقار صاحب کو چائے کافی پہنچانے کا کہہ کر وہ تیار ہونے کمرے میں چلی آئی۔ ابھی ساڑھے دس بجے تھے۔ اس کے پاس کافی وقت تھا۔ کچھ وقت یونہی گزار کر وہ تیار ہونے لگی۔ آج کے دن میرب نے ڈل گولڈن اور مہندی کلر کی خوب صورت چنری کی بنگالی ساڑھی باندھنے کا ارادہ کیا تھا۔ یہ ساڑی سائر انگلینڈ سے اس کے لیے لایا تھا۔ ساڑی باندھ کر اس نے ہلکا پھلکا میک اپ کیا۔ بالوں کو یونہی کھلا چھوڑ کر صرف آگے سے بل لے کر سنہرے کیچر میں جکڑ لیے۔ زمرد کا لاکٹ سیٹ پہنا۔

ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنے وہ بہت خوب صورت' بہت مکمل لگ رہی تھی۔ اپنے اوپر پرفیوم اسپرے کرنے کے بعد اس نے ٹائم دیکھا پونے بارہ ہو رہے تھے۔ وہ گفٹ اٹھائے باہر چلی آئی۔ شریف سے کہہ کر منگوایا سرخ گلابوں کا بوکے اس نے اسٹڈی سے اٹھایا اور لاؤنج کی سینٹر ٹیبل پر دونوں چیزیں لاکر رکھ دیں۔ پھر کیک نکال کر لائی اور خوب صورت ربن لگی چھری اس کے برابر میں رکھ کر اجیہ کو بلانے گئی۔ اجیہ معمول کے حلیے میں تھی۔ اس نے اپنے کٹے بال پونی لگا کر چھپا رکھے تھے کہ مبادا کوئی پوچھ گچھ کرنے بیٹھ جائے۔ اس کا چہرہ تو خیر پہلے ہی کھلا پھول تھا۔ اس لیے چہرے کی رگڑائی وگڑائی سے کچھ خاص قابل توجہ فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ بے دلی سے ایک گفٹ شاپر پکڑے ہوئے تھی۔ جوں ہی بارہ بجے' میرب نے لاؤنج کی ساری بتیاں بجھادیں اور لالی کو حکم دیا کہ جب سائر لاؤنج میں آئے تب وہ لاؤنج روشن کردے۔ اسٹڈی میں سجے قدیم طرز کے گھڑیال نے بارہ بجائے۔ دو ایک منٹ کا انتظار کرنے کے بعد وقار صاحب سائر کو لیے لاؤنج میں چلے آئے۔

"یہ اتنا اندھیرا کیوں کر رکھا ہے لاؤنج میں۔" سائر کی سنجیدہ آواز اندھیرے میں ابھری۔

"حیرت ہے بھئی۔" وقار مصنوعی پن سے بولے۔ تب ہی ایک کھٹکے سے لاؤنج روشنی میں نہا گیا۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو...." میرب گنگنائی۔ اجیہ نے احسان کرنے والے انداز میں ساتھ دیا۔ وقار مسکرانے لگے۔ انہوں نے سائر کو گلے لگالیا۔

"سالگرہ مبارک ہو بیٹے' اللہ پاک تمہیں دونوں جہاں کی لاتعداد خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔" انہوں نے اس کا روشن ماتھا چوم کر نم آنکھوں سے دعا دی۔

"چلو آؤ کیک کاٹو.... تمہاری بیوی نے بڑی محبت سے بنایا ہے۔" وہ اس کے کندھے پر بازو پھیلا کر اسے لیے ٹیبل تک آئے۔ اس نے اک نگاہ اٹھا کر میرب کو دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ دونوں کی آنکھیں ملیں۔ میرب کی آنکھوں میں قندیل روشن تھی مگر

سائر کی آنکھیں انگارہ بن گئیں۔

ان تینوں کی تالیوں میں سائر نے کیک کاٹا۔

"یہ لیں بھائی آپ کا گفٹ۔" اجیہ نے سائر کو شاپر تھمایا اور کیک چکھے بنا ہی گویا تقریب بھگتا کر اندر بھاگی۔ وہ آج کل وقار کا سامنا کرنے سے گریز کرتی تھی۔ وقار نے بھی خوب صورت رسٹ واچ اسے دی۔ تھوڑا سا کیک چکھا اور واپس اپنے کمرے میں چلے گئے۔ لالی اپنا حصہ وصول کرنے کے بعد سامان سمیٹنے لگی۔ سائر اٹھا' بنا کچھ کہے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ میرب نے بکے اٹھایا' گفٹ سنبھالا اور اس کے پیچھے چل دی۔ وہ بڑے خوش کن خیالات میں گھری ہوئی تھی۔ لبوں پر دھیمی دھیمی مسکان سجائے وہ سج سج قدم اٹھارہی تھی۔ جوں ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ سگریٹ کے دھوئیں کے مرغولے اڑاتا سائر دیوانوں کی طرح اس پر جھپٹا تھا۔

میرب کی دہشت کے مارے چیخ نکل گئی۔ اس نے سرخ گلابوں کو نوچ کر پھینک دیا۔ گفٹ جھپٹ کر دیوار پر دے مارا۔"

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

امثل عزیز شہزاد

ایک ڈھلتی عمر کی عورت سڑک پار کرتے ہوئے ایک لڑکی کو دیکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک ماڈرن عورت ہے۔ وہ اسے چلا کر رکنے کے لیے کہتی ہے لیکن وہ دونوں سڑک پار کر کے گاڑی میں بیٹھ کر چلی جاتی ہیں۔

وقار صاحب کے دو بچے ہیں۔ اجیہ اور سائر... وہ سائر کی شادی کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ان کی بیوی اس دنیا میں نہیں ہے۔ ان کی سالی مہ پارہ خاص طور پر لندن سے اس شادی میں شرکت کرنے آئی ہیں' اجیہ وقار صاحب کو بتاتی ہے کہ سائر اس شادی سے ناخوش نظر آتا ہے۔ وقار صاحب یہ سن کر پریشان ہو جاتے ہیں۔

اجیہ بہت خوب صورت ہے۔ وہ دو ماہ کی تھی جب اس کی ماں چلی گئی۔ وہ اپنی خالہ مہ پارہ سے پوچھتی ہے' اس کی ماں کیسی تھیں۔ مہ پارہ بتاتی ہیں کہ اس کی ماں بہت خوب صورت تھی بالکل کانچ سے بنی مورت۔ وقار صاحب کی بہنیں بھی انہیں احساس دلاتی ہیں کہ سائر اس شادی سے خوش نہیں ہے۔ تب وقار صاحب سائر سے براہ راست بات کرتے ہیں کہ سائر کہیں اور انٹرسٹڈ تو نہیں ہے۔ تب سائر کہتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور وہ اپنے باپ کی کوئی بھی خواہش رد نہیں کر سکتا۔

سائر کی شادی میرب سے ہو رہی ہے۔ میرب دو سال کی تھی جب ان کی ماں بھی دنیا سے چلی گئی تھیں۔ ابراہیم صاحب نے اس کے بعد شادی نہیں کی۔ ان کے پڑوسی اور دوست احمد سعید اور ان کی بیگم نے میرب کا خیال اپنے بچوں کی طرح رکھا سعید صاحب کی بیٹی ماریہ کی میرب سے گہری دوستی ہے ان کا ایک بیٹا عاشر ہے جو اجیہ کو پسند کرتا ہے شادی کی

مکمل ناول

تقریبات میں سائر کا رویہ بہت اکھڑا اکھڑا رہتا ہے۔ شادی کی رات بھی وہ میرب سے بہت رکھائی سے پیش آتا ہے وہ میرب سے کہتا ہے کہ وہ اس سے صرف وفاداری کی توقع رکھتا ہے اور اسے اپنی بہن اور والد کا خیال رکھنے کو کہتا ہے۔
اجیہ کی دوست شینا بہت آزاد خیال لڑکی ہے۔ اس کا بھائی آغا شایان اجیہ میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔ اجیہ بھی اس کی طرف مائل ہے۔ جبکہ میرب کا بھائی سعد' اجیہ کو پسند کرتا ہے۔
سائر کا رویہ میرب کے ساتھ بہت عجیب ہے۔ وہ معمولی باتوں پر شدید رد عمل ظاہر کرتا ہے۔' وہ کہتا ہے کہ وہ کسی بھی لڑکے سے بات نہ کرے۔
وہ عورت جس نے سڑک پر مہ پارہ کو دیکھا تھا۔ ایک خستہ فلیٹ میں رہتی ہے۔ وہاں سے کوئی پرانا پتا نکال کر مہ پارہ کے گھر جاتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ مہ پارہ وہ گھر چھوڑ چکی ہے۔ لیکن وہاں کے مکین اسے وقار صاحب کے گھر کا پتا دے دیتے ہیں۔
تب وہ کہتی ہے وقار آج سے سالوں پہلے تم نے جو اذیت مجھے پہنچائی تھی' اس کے بدلے کا وقت آپہنچا ہے۔"
شیخ عبدالحمید کریانہ فروش ہیں۔ دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں' نازو' چندا اور مانو۔ چندا کا مزاج اور صورت سب سے الگ ہے۔ وہ بے حد حسین ہے اور پڑھائی کے بجائے دوسری رنگا رنگ سرگرمیوں میں دلچسپی رکھتی ہے۔ شیخ صاحب کی لاڈلی ہے۔ کالج میں ایک ڈرامے میں قلوپطرہ کا کردار کرتی ہے تو آصف شیرازی اسے ٹی وی پر اداکاری کی آفر کرتا ہے۔ وہ ایک ڈائریکٹر شکیل ملک کا ملازم ہے۔ اس آفر پر چندا بہت خوش ہوتی ہے لیکن وہ جانتی ہے کہ اس کے گھر والے کبھی اسے ٹی وی پر کام کرنے کی اجازت نہیں دیں گے اور شادی کرکے رخصت کردیں گے۔ وہ آصف شیرازی سے کہتی ہے کہ تم مجھ سے شادی کرلو یہ اصلی شادی نہیں صرف ایک معاہدہ ہوگا۔ میں گھر والوں کے چنگل سے نکل آؤں گی۔ آصف مان جاتا ہے۔
میرب سائر کے رویے سے بہت پریشان ہے۔ وہ عاشر سے بات کرنے کو منع کرتا ہے۔
اجیہ کا تعلق آغا سے بہت بڑھ چکا ہے۔ دونوں ملاقاتیں کررہے ہیں۔ اُدھیڑ عمر عورت اجیہ کو فون کرکے بتاتی ہے کہ اس کی ماں زندہ ہے۔ وہ کہتی ہے کہ وہ اجیہ کی ماں سے ملاقات بھی کراسکتی ہے۔

چوتھی قسط

اس کے بال پکڑ کر ہذیانی انداز میں غرایا۔
"آوارہ عورت۔۔۔ کیوں پہنا ہے تونے یہ بے ہودہ لباس' جواب دے۔" وہ اس کے بال پکڑ کر جھٹکے دینے لگا۔ مارے تکلیف کے وہ بلبلا کر رودی۔
"میرے بال چھوڑیں مجھے تکلیف ہورہی ہے۔" وہ کراہی۔
"تکلیف تو تجھے اب ہوگی۔۔۔ کس لیے کررہی ہے تو اپنے جسم کی نمائش' تیری کون سی حس کو تسکین مل رہی ہے بتا۔" وہ جنگلیوں کی طرح اس کی ساڑی کا پلو کھینچ کر بولا۔ پلو پن سے اٹکا ہوا تھا۔ یوں کھینچنے سے پھٹ گیا۔
"کیا ہوگیا ہے آپ کو۔۔۔ پلیز ہوش کریں۔" وہ بری طرح روتے ہوئے گڑگڑائی۔
"ہوش میں تو تجھے میں لاؤں گا۔ تو نے کیا سمجھا مجھے بے غیرت؟ جو میں چپ چاپ تیری بے ہودگیاں برداشت کرتا رہوں گا۔ مجھے پہلے ہی پتا تھا ساری عورتیں بے وفا ہوتی ہیں۔ اپنی خواہشات کی غلام تو میری آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتی ہے مگر میں بے وقوف نہیں ہوں' تو نے مجھے کمزور سمجھ رکھا ہے۔"
اس نے ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے گال پر دے مارا۔ وہ جو بے یقینی سے آنکھیں پھاڑے روتی ہوئی اس کا یہ پاگل پن' وحشت' دہشت سے دیکھ رہی تھی۔ لڑکھڑا کر پیچھے گری اور ہوش و خرد سے بے گانہ ہوگئی۔

ایک خوب صورت دن کا بد صورت اختتام ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

سر پھوڑے کی طرح دکھ رہا تھا۔ آنکھوں میں لگتا تھا گویا کسی نے مرچیں ڈال دی ہوں۔ پوری رات روتے روتے گزر گئی تھی۔ کیا تھا جو وہ بے ہوش ہی رہتی مگر اس ظالم نے اسے بے ہوش بھی رہنے نہ دیا۔ ہوش میں لا کر خود کمرے سے نکلتا چلا گیا۔ صبح کہیں جا کر روتے روتے ذرا کی ذرا آنکھ لگی۔ جو نامعلوم احساس کے تحت کچھ دیر بعد کھل بھی گئی۔ وہ دشمن جاں آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ اسے دیکھ کر میرب کے وجود میں دوڑتی اذیت دوچند ہو گئی۔

''اتنی ذلت... ایسا وحشیانہ سلوک۔'' وہ اپنی نگاہوں ہی میں گر گئی تھی۔ وہ تو صرف اسے بھرپور توجہ دینے... اپنی محبت کا احساس دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

''مگر بے کار ہے... سب بے کار ہے' اس آدمی کے سینے میں دل ہی نہیں تو دوسروں کا احساس کہاں سے ہو گا۔ یہ شخص اک پتھر ہے' جس سے سر ٹکرا کر میں پاش پاش تو ہو سکتی ہوں مگر اپنی محبت سے اسے تراش نہیں سکتی۔ اپنے حسن سلوک سے اسے موم نہیں بنا سکتی۔

بابا... آپ کہاں ہیں دیکھیے تو مجھے... جسے آپ نے کبھی غصے میں ڈانٹا تک نہیں' آج اس کے ساتھ کیسا بے رحمانہ سلوک کیا گیا ہے۔'' روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

وہ اسے نظرانداز کیے تیار ہوتا رہا اور پھر بنا کچھ کہے کمرہ عبور کر گیا۔ وہ اس کے جانے کے بعد اپنے بکھرے منتشر وجود سمیت اٹھی۔ دیر تک شاور کے نیچے کھڑی رہی۔ مگر اک عجب سی ذلت و سبکی کا احساس تھا جو حل ہی نہیں رہا تھا۔ کچھ دیر بعد نکلی اور اسٹڈی سے وقار صاحب کا لیپ ٹاپ لے کر اپنے روم میں لوٹی۔ فون پر اس نے ابراہیم صاحب کو اسکائپ پر آنے کا پیغام دے دیا تھا۔ جوں ہی وہ سامنے آئے وہ بنا کچھ پوچھے بنا کچھ کہے بے ساختہ — رو دی۔

''کیا ہوا میرو... میری جان... سب خیر تو ہے۔'' انہوں نے انجانے خدشوں میں گھر کر بے قراری سے پوچھا۔

''کیوں چلے گئے بابا! آپ مجھے یہاں اکیلا چھوڑ کے۔'' وہ بلک کر بولی۔

''میری بیٹی... خدارا خاموش ہو جاؤ' کچھ بتاؤ تو سہی کیا بات ہے۔ اتنی صبح سویرے کیوں مجھے بلایا... سب ٹھیک تو ہے۔'' ان کا تو چین و قرار اسے یوں تڑپتے دیکھ کر لٹ گیا تھا۔

''وہاں سب ٹھیک ہے؟ کسی نے کچھ کہا ہے کیا' سائرہ سے جھگڑا ہوا ہے؟'' وہ اندازے لگاتے رہے۔

''کچھ نہیں ہوا... بس مجھے آپ کے پاس رہنا ہے۔'' وہ ملتجی ہوئی۔ ''پلیز...''

''مگر بیٹا!... ایسے کیسے... اب گھر بار والی ہو۔ تم پر ذمے داریاں ہیں۔ سمجھ داری سے کام لو۔'' وہ رسان سے اسے بہلانے کی کوشش کرنے لگے۔

''تو آپ پاکستان آ جائیں۔ میں کچھ دن آپ کے پاس گزارنا چاہتی ہوں۔'' وہ مصر ہوئی۔

''بیٹا...'' ابراہیم صاحب اس کے مسلسل اصرار پر کچھ پریشان سے ہو کر بولے۔ ''کیا ہو گیا ہے تمہیں؛ تم تو کبھی اتنی ضدی نہیں تھیں۔ میں اکیلا نہیں آ سکتا۔ یہاں آ کر میرے گھٹنے جواب دے گئے ہیں۔ بغیر سہارے کے چلنے پھرنے سے معذور ہوں۔''

''مجھے آپ کی بہت یاد آ رہی ہے بابا۔'' وہ سسکنے لگی۔

''میرو بیٹے... اپنے بابا کی برداشت کا امتحان مت لو یوں رو کر۔'' وہ نمناک ہوئے۔ ''تم جانتی ہو میں تمہیں اور عاشر کو ذرا سی بھی تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔'' تب اسے ایک دم خیال آیا۔ بابا ضعیف ہیں اور دل کے مریض بھی۔ اس کے یوں ان کے سامنے ضبط کھو کر رونا بلکنا کسی طور مناسب نہیں' مگر کیا کرتی وہ

بھی اپنی جگہ مجبور تھی۔ اس وقت کسی بت ہی اپنے کی گود میں سر رکھ کر سارے دکھ درد اسے سنانے کا جی چاہتا تھا مگر اپنے زخم انہیں کہاں دکھا پائی تھی وہ۔ دکھا بھی نہیں سکتی تھی کہ انہوں نے بہت مان اور اعتماد کے ساتھ اپنے دوست پر بھروسا کر کے اپنی نازک سی بیٹی اس کے حوالے کی تھی اور جب مان اور اعتماد ختم ہو جائے، تب تو کچھ بھی باقی نہیں بچتا، جیسے اس کے اندر نہیں بچا تھا مگر وہ یہ خالی پن نہ انہیں دکھا سکتی تھی، نہ اس میں حصے دار ہی بنا سکتی تھی۔

"سوری بابا... میں نے بلاوجہ آپ کو پریشان کیا، یوں آدھی رات کو۔" وہ بے حد شرمسار لہجے میں بولی اور اپنی سسکیاں اپنے اندر دفن کرنے کی سعی لاحاصل کرنے لگی۔

"کوئی بات ہوئی ہے تو مجھے بتاؤ۔" وہ فکر مند تھے۔

"نہیں بس... بہت یاد آ رہی تھی آپ کی۔" اس نے بات گھمانا چاہی۔

"یاد تو میں اور عاشر بھی تمہیں پل پل کرتے ہیں بیٹا۔ عاشر کا کانٹریکٹ ختم ہوتے ہی ہم آ جائیں گے۔ تم سنبھالو اپنے آپ کو... بلکہ ایسا کرو کچھ دنوں کے لیے ہمارے بیٹی کے گھر رہ آؤ۔ وہ بھی تو تمہارا میکہ ہے۔"

(نہیں بابا... میں کہیں نہیں جا سکتی۔ اس زنداں سے تو شاید اب مر کر ہی رہائی ملے گی۔) "ہاں... دیکھتی ہوں، رئیلی سوری بابا... میں نے آپ کو پریشان کر دیا نا۔"

"ہرگز نہیں میری جان... کچھ دیر میں، میں بس جاگنے ہی والا تھا۔" انہوں نے اس کی شرمندگی زائل کرنے کو کہا۔

"اچھا... پھر خدا حافظ... عاشر کو میرا سلام کہیے گا۔"

"وہ بھی تمہیں بہت یاد کرتا ہے۔ چھٹی کے روز بات کر لینا اس سے بھی۔"

"او کے..." وہ کہہ کر سرعت سے آف لائن ہو گئی اور گھٹنوں میں سر دے کر بے آواز رونے لگی۔

"کیا کروں میں... کچھ سمجھ نہیں آتا۔ یا اللہ تو ہی کچھ راہ سجھا دے۔" وہ فریادی بنی۔ دوسری جانب ابراہیم صاحب تا حال متفکر بیٹھے تھے۔

"نہیں کچھ تو بات ہے... کیسی بجھی بجھی اور بے حال لگ رہی تھی میری... مجھے فاروقی سے بات کرنی ہی ہو گی۔" انہوں نے حتمی انداز میں سوچا۔

☆ ☆ ☆

دن بوجھل اور راتیں بے کیف تھیں۔ اوپر سے اس کی حالت... اس کا مزاج دن بدن چڑچڑا ہوتا جا رہا تھا۔ جمیل اس کا ہر ممکن خیال رکھ رہا تھا۔ اس کی ہر فرمائش خواہ ——— بے تکی ہی پوری کر رہا تھا مگر اس کی بے زاری تھی کہ بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ یوں ہی سات ماہ گزر گئے۔ اک روز اس کا جی اتنا گھبرایا کہ سر شام ہی کالونی کے باغ میں چہل قدمی کی غرض سے نکل گئی۔ اس کے بعد اس نے یہ معمول بنا لیا۔ جمیل کو پتا چلا تو اس نے بشیرن کو ساتھ لے جانے کی تاکید کی۔ وہ ان دنوں اپنے کاروبار میں دن رات مصروف تھا۔ وہ محنت کر رہا تھا۔ اسے چندا کو خوشیاں دینی تھیں۔ وہ ساری فرمائشیں پوری کرنی تھیں جو وہ "وقتاً فوقتاً" کرتی رہی ہے۔ چندا کو پرتعیش زندگی چاہیے تھی اور اس کے لیے بہت سا پیسہ درکار ہوتا ہے اور بہت سا پیسہ بہت سی محنت سے آتا ہے۔ سو وہ محنت کر رہا تھا۔ اس شام بھی وہ حسب معمول باغ کے لیے نکلی۔ بشیرن نے ساتھ چلنے کا کہا تو اسے دھتکار دیا۔ دھیمی چال چلتی ہوئی وہ اپنی مخصوص بینچ پر آ بیٹھی اور... باغ میں ہوتی رونق دیکھنے گئی۔ تب ہی کوئی خاتون اس کے نزدیک بینچ پر آ کر بیٹھیں۔

"ہیلو..." انہوں نے اسے مخاطب کیا۔ وہ چونکی... اور انہیں دیکھا۔ وہ ایک ادھیڑ عمر کی خاصی ماڈرن سی خاتون تھیں۔

"ہیلو..." وہ بھی جواباً بولی۔

"کون سا منتھ ہے؟" اس نے ناگواری سے جواب دیا۔ اسے عورتوں کے اس طرح کے سوالات بے

حد برے لگتے تھے۔

"اوف۔۔۔ بہت کم عمر لگتی ہو۔ کیا عمر ہے تمہاری؟؟"
اب انہوں نے اپنے کندھے تک آتے براؤن بال بینڈ سے آزاد کر لیے تھے۔

"انیس سال۔۔۔" اسے ان کا سوال نامہ زہر لگ رہا تھا۔

"اتنی کم عمر میں شادی کیوں کرلی؟ اوہ! سمجھ گئی لو میرج؟" انہوں نے یوں سر ہلایا، گویا سب سمجھ گئی ہوں۔

"جی نہیں۔۔۔ ارینج میرج۔۔۔" اس نے ان کی غلط فہمی فی الفور رفع کی۔

"ہائے نہیں۔۔۔ ایسی کیا افتاد آن پڑی تھی جو تمہیں اتنی کم عمری میں بیاہ دیا۔" وہ افسوس کرنے لگیں۔

"آپ کی تعریف؟" چندا نے چڑ کر پوچھا۔

"پومی۔۔۔" مسرت سے بتایا۔ (جتنی بے تکی یہ شخصیت ہے اس کا ایسا ہی نام ہونا چاہیے تھا۔) اس نے دل میں سوچا۔

"اچھا تو پومی آنٹی۔۔۔ آج کیا پہلی مرتبہ آئی ہیں آپ یہاں' آپ کو پہلے تو نہیں دیکھا۔" اس نے وقت گزاری کے لیے اب ان سے سوالات شروع کر دیے۔

"ہم ابھی ابھی کراچی سے یہاں شفٹ ہوئے ہیں۔ یہ علاقہ تو ایویں ہے۔ ہمارا تو گھر بن رہا ہے گلبرگ میں۔۔۔ کچھ روز میں وہیں شفٹ ہو جائیں گے۔" وہ تفاخر سے بولیں۔ ان کے اس علاقے پر ناک بھوں چڑھانے پر چندا کا منہ بن گیا۔ (ویسے کہہ تو ٹھیک ہی رہی ہیں۔ گلبرگ کے آگے تو یہ علاقہ تھرڈ کلاس ہی ہے۔) وہ تو سو فی صد متفق تھی۔

"کراچی میں کہاں رہتی تھیں؟" اس سوال پر وہ ایک لحظہ رکیں، پھر بولیں۔

"نرسری کے علاقے میں' دراصل میرے شوہر پی ٹی وی پر جاب کرتے تھے پہلے۔ سچ اتنی محنت اور معاوضہ کچھ خاص نہیں۔ پھر وہ تو میری قسمت سے باٹلی والا صاحب کی نظران پر پڑ گئی۔"

"کیا نام ہے آپ کے شوہر کا؟" چندا کے کان کھڑے ہو گئے۔

"انوار حمیدی۔۔۔ نام تو تم نے یقیناً" سنا ہوگا۔" وہ تیقن سے بولیں اور یہ نام یقیناً" چندا نے نہیں سنا تھا مگر اخلاقیات بھی کوئی چیز ہے آخر۔

"ہاں کیوں نہیں' وہ تو خاصے مشہور ڈائریکٹر ہیں۔" وہ بولی۔

"ڈائریکٹر تو خیر نہیں ہیں" وہ کچھ ہلکی ہو کر بولیں۔ "اسسٹ کرتے ہیں۔"

"ویسے اصلی کام تو سارا اسسٹنٹ ہی کرتے ہیں۔ ڈائریکٹر تو صرف منہ چلانے اور چیخ پکار کرنے کے سوا کرتا ہی کیا ہے۔" چندا نے کہا۔

"تم نے بالکل ٹھیک کہا' وہ بہت خوش ہو کر بولیں۔ "ساری محنت تو کریں۔ اسسٹنٹ اور کریڈٹ لے جاتے ہیں ڈائریکٹر اِس لیے تو حمیدی صاحب خود ڈائریکشن کا سوچ رہے ہیں۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے۔"

"تم بہت خوب صورت ہو' بالکل کسی فلمی ہیروئن کی طرح۔۔۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ۔ وہ نگوڑماریاں تو یوں ہی سی ہوتی ہیں' سارا کمال میک اپ کا ہوتا ہے۔"

"آپ مذاق کر رہی ہیں۔" وہ انکساری سے بولی۔ بناوٹی انکساری۔

"ارے بالکل نہیں۔۔۔" انہوں نے کہا۔۔۔ تم مجھے پیاری لگیں' تب ہی تم سے بات کی' ورنہ تو میں یوں ہی ہر کسی سے بات شروع نہیں کرتی' آخر کو اتنے بڑے نامی گرامی آدمی کی بیوی جو ہوں۔ وہ متکبرانہ لہجے میں بولیں۔

"جی ٹھیک کہا۔" چندا نے اثبات میں سر ہلایا۔
"آپ سے مل کر از حد خوشی ہوئی' وہ سامنے میرا گھر ہے' کسی وقت تشریف لائیے۔"
"ضرور۔۔۔ مجھے تمہارے گھر آکر خوشی ہوگی۔" پھر

وہ دیر تک یوں ہی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں اور یوں چند اکی روکھی پھیکی زندگی میں اک رنگ برنگ کردار کی آمد ہوئی۔ پومی۔ جیسا نام۔ ویسی ہی شخصیت اور ویسے ہی کام۔

☼ ☼ ☼

وقار بیٹھے 'کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ تب ہی بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھا ان کا فون بجا۔ انہوں نے چونک کر کتاب نشانی لگا کر بند کی اور راکنگ چیئر سے اٹھ کر فون تک آئے۔ اسکرین پر ابراہیم کا نمبر جگمگا رہا تھا۔

ابراہیم صاحب بمشکل تمام کچھ گھنٹے ہی اپنی فکر مندی اور تشویش کو دبا پائے تھے۔ وہ بھی اس لیے کہ انہیں معلوم تھا کہ شاید پاکستان میں ابھی سب جاگے نہ ہوں' خود تو وہ خیر رات کے اخیر پہر سے جاگ رہے تھے۔ میرو کی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ نظر انداز کرپاتے۔

"ہیلو۔۔۔ کیسے ہو بھئی ابراہیم۔۔۔ بڑے دنوں بعد یاد کیا۔" وہ خوشی سے کھل گئے۔

"السلام علیکم وقار۔۔۔ کیا حال ہے تمہارا؟" وہ نسبتاً" سنجیدگی سے بولے۔

"وعلیکم السلام۔۔۔ وعلیکم السلام۔۔۔ ٹھیک ٹھاک ہیں بھئی ہم تو'تم اپنی سناؤ۔" وہ بیڈ کے کنارے پر ٹک گئے۔

"سائر اور میرو کیسے ہیں؟" انہوں نے نہ جانے کیا سوچتے محتاط لہجہ اختیار کیا۔

"الحمدللہ دونوں خیریت سے ہیں۔ کل سالگرہ تھی سائر کی' میرو بیٹی تمہیں بہت یاد کرتی رہی۔" انہوں نے بتایا۔ "ابھی جاگی نہیں' جاگے گی تو تمہاری بات کروادوں گا نیٹ پر'شکل دکھا دینا بچی کو۔"

"وقار۔۔۔ وہاں سب ٹھیک تو ہے نا؟" وہ چاہتے ہوئے بھی انہیں آج صبح کا واقعہ بتا نہ پائے۔

"ارے بھئی ہاں۔۔۔ یار تم کیوں اتنے متفکر ہو رہے ہو' تمہاری بیٹی بہت خوش' بہت مطمئن ہے یہاں۔ چاہو تو اس سے خود پوچھ کر دیکھ لو۔ مجھ پر تو شاید تمہیں اعتبار نہیں رہا۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولے۔

"خوش اور مطمئن۔۔۔" ابراہیم نے دل میں دہرایا' مگر نہ ہی وہ مجھے خوش لگ رہی تھی' نہ ہی مطمئن۔۔۔ مگر یہ وقار کیا کہہ رہا ہے' میں کس پہ یقین کروں؟ وہ مزید بے چین سے ہو گئے۔

"ارے یار۔۔۔ کیا خاموش رہنے کے لیے فون کیا ہے۔۔۔ اور کیسا ہے عاشر۔ پھر کب آرہا ہے پاکستان؟"

"ہاں سب ٹھیک ہے۔ دیکھو کب آپاتا ہوں۔ چلو یار ابھی رکھتا ہوں' پھر بات کروں گا۔" انہوں نے مزید بنا کچھ سنے کہے فون رکھ بھی دیا۔

"یہ اسے کیا ہو گیا۔۔۔ لگتا ہے تنہائی سہتے سہتے بڈھا خبطی ہو گیا ہے۔" انہوں نے سر جھٹک کر ہنستے ہوئے فون رکھا اور دوبارہ کرسی پر بیٹھ کر کتاب اٹھالی۔ جو میرب پہ گزری تھی اس کا وہ گمان بھی نہیں کر سکتے تھے۔

مگر وہ میرب کے لیے اس قدر پریشان کیوں تھا۔ شاید دور ہے نا' اس لیے اور یوں بھی بیٹیوں کے معاملے میں تو والدین کے دل ہمیشہ ہی غیر مطمئن رہتے ہیں۔ میری اجیہ جب رخصت ہوگی تو نہ جانے میرا کیا حال ہوگا؟ وہ مسکرائے مگر نم آنکھوں سے سوچ گئے۔ کتاب انہوں نے ایک مرتبہ پھر بند کردی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے گڑیا' جب سے تو آئی ہے کچھ پریشان سی ہے' سب خیریت تو ہے نا؟" گل نے چائے کے کپ تپائی پر ٹکا کر خود بیڈ پر اجیہ کے نزدیک جگہ سنبھال لی۔

"نہیں امی۔۔۔ ایسی تو کوئی بات نہیں۔" وہ زبردستی مسکرا کر بولی۔ نہ جانے کون کون سی سوچیں تھیں جو اس وقت ذہن میں چکرا رہی تھیں۔

"اچھا۔۔۔ تو نے پھر کیا سوچا آگے کے بارے میں۔"

گل اپنا کپ اٹھا کر دانستہ سرسری انداز میں پوچھنے لگی۔

"آگے کیا سوچنا امی۔۔۔ فی الحال ایسے ہی ملنا ٹھیک ہے۔ یوں بھی کچھ دنوں میں میری شادی ہو جائے گی۔

پھر مجھے ڈیڈ کا کوئی خوف نہیں ہوگا۔ میں آپ سے علی الاعلان ملا کروں گی۔" اس کی نگاہیں ہاتھ میں پکڑے سیل پر تھیں۔

دھڑ... دھڑ... دھڑام... گل ششدر نگاہوں سے اسے دیکھے گئی۔ اس کے ارادوں کی فلک بوس عمارت خود اس پر گر پڑی۔

"تو... تم... تمہاری شادی ہو رہی ہے مگر کس سے؟" اس نے کپ واپس رکھ کر بے یقینی و اضطراب سے استفسار کیا۔

"وہ..." اجیہ نے نگاہیں فون اسکرین سے ہٹا کر اسے دیکھا۔ "میری فرینڈ ہے نتاشا۔ اس کا بھائی، مجھ میں انٹرسٹڈ ہے۔ بہت ڈیشنگ ہے۔ اسٹیٹس میں اپنا بزنس کرتا ہے۔" اس کے تابناک چہرے پر شرم و حیا جھلک رہی تھی۔

"مگر تم نے کبھی بتایا نہیں۔" اس کی آواز سے گہرا صدمہ جھلکتا تھا۔

"امی... موقع ہی نہیں ملا مگر اسے آپ کے متعلق سب معلوم ہے۔"

"کک... کیا معلوم ہے۔" وہ ہکلانے لگی۔

"بھئی یہ ہی کہ آپ میری والدہ ہیں اور میں آپ سے ملتی رہتی ہوں۔" اجیہ نے گل کے گلے میں بازو حمائل کرتے ہوئے سرخوشی سے کہا۔

"مگر تمہیں اتنی جلدی کسی پہ اعتبار نہیں کرنا چاہیے تھا۔" وہ ناراضی سے بولی۔

"اتنی جلدی کہاں امی!" وہ اس کی بات پر پریشان ہو کر بازو ہٹا کر پرے کھسکی۔ "میں تقریباً چھ مہینے سے جانتی ہوں اسے۔ اس کی فیملی سے بھی واقف ہوں۔"

"چھ ماہ میں صرف کسی سے جان پہچان کی جا سکتی ہے۔ دوستی نہیں اور تم تو اعتبار کر بیٹھی ہو۔" وہ چبھتے لہجے میں بولی۔

"وہ ہے ہی ایسا کہ اعتبار کرنے کو دل چاہتا ہے۔ اور پھر میں اس کی کس بات پر شک کروں؟ میں نے ان چھ ماہ میں اس سے بہت بار ملاقات کی ہے۔ اس نے کبھی کسی عامیانہ پن کا مظاہرہ نہیں کیا، مجھ سے بے جا فرمائش نہیں کی اور اب تو وہ مجھ سے سیدھا شادی کرنے کا خواہش مند ہے۔" وہ اس کا بھرپور دفاع کر رہی تھی۔

"مرد کو پہچاننے کے لیے صرف یہ ہی باتیں کافی نہیں ہوتیں۔" گل نے بتانا چاہا۔

"سارے مردوں کا پتا نہیں امی! مگر میں آغا کو اچھی طرح پہچانتی ہوں اور میری پیاری امی... اس کی طرف سے دل میں خدشات مت لائیں۔ وہ بہت نائس ہے، میں بہت جلد اسے آپ سے ملوانے لے کر آؤں گی۔" وہ گل کے دونوں ہاتھ تھام کر لجاجت سے بولی۔

"اتنے سالوں بعد ملی ہو۔ ابھی تو دل کی پیاس بھی نہیں بجھی تھی۔ تم تو پھر دور جا رہی ہو۔" اس نے اجیہ کے ہاتھ جھٹک دیے اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے انداز پر اجیہ حقیقتاً پریشان ہو گئی۔

"تو پھر میں کیا کروں؟" وہ یک دم ہی پریشان ہو کر بولی۔

"اسے شادی سے منع کر دو فی الحال..." وہ اسے دیکھ کر بولی۔

"وہ بالکل نہیں مانے گا۔" اس نے قطعیت سے نفی میں سر ہلایا۔

"تمہیں اس کی اتنی پروا ہے اور اس بے بس و خالی دامن ماں کا خیال نہیں۔" وہ سسکی لے کر رو پڑی۔

"امی... امی..." وہ عالم اضطراب میں یک دم اٹھ کر اس تک آئی اور اسے کندھوں سے تھام لیا۔

"پلیز روئیں مت... میں کرتی ہوں کچھ..." اجیہ نے چند اِکے آنسو اپنی پوروں میں سمیٹ لیے۔

"دیکھو میں تمہاری دشمن نہیں... تمہارے بھلے کے لیے ہی کہہ رہی ہوں اور یوں بھی تم کیا سمجھتی ہو کہ تمہارا باپ تمہیں پسند کی شادی کرنے دے گا، ہرگز نہیں... وہ دقیانوسی خیالات کا حامل شخص تمہیں زندہ گاڑ دینے کو ترجیح دے گا۔ میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔" وہ زہریلے لہجے میں بولی۔

"اس بات کا خدشہ تو مجھے بھی ہے' وہ اگر کچھ نہ بھی کہیں مگر سائر بھائی۔" اس کی آنکھوں میں سائر کا میرب کے ساتھ روا رکھا گیا سلوک گھوم گیا۔

"اسی لیے کہہ رہی ہوں۔ فی الحال اس قصے کو چھوڑو۔ یہ نہ ہو کہ اس کی ضد میں آکر تمہاری شادی فاٹنت یہ لوگ کہیں طے کردیں۔ ہمارا معاشرہ مردوں کا معاشرہ ہے۔ عورت چاہے جتنی بھی محفوظ ہو' بالآخر کمزور پڑ ہی جاتی ہے ان معاملات میں۔" وہ گہرے لہجے میں بولی۔

"تو پھر میں کیا کروں۔" اجیہ یک دم ہی ڈھیلی پڑ کر بیڈ پر ڈھے سی گئی۔

"فی الحال اس بات کو رہنے دو اور اپنی پڑھائی مکمل کرو۔ اور دیکھو تمہاری باتوں میں ہماری چائے بھی ٹھنڈی ہو گئی' میں گرم کرکے لاتی ہوں۔" اس نے ٹرے اٹھائی۔

"آپ بیٹھیں' میں چلوں گی۔" وہ اپنا ہینڈ بیگ تھام کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا بیٹی۔ فی امان اللہ۔" وہ اسے دروازے تک چھوڑنے آئی۔ ڈھیلے ڈھالے قدم اٹھاتی اجیہ کوریڈور میں چلتی چلی جا رہی تھی۔ دروازہ بند کرکے گل نے ہذیانی قہقہہ لگایا۔

"میں اتنی جلدی ہار نہیں مانوں گی۔" اس نے اپنا عزم دہرایا۔ اس کی آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"سچ بڑا ظلم ہوا تمہارے ساتھ۔" پومی اپنے ٹائٹ پرم بالوں کو جھٹکا دے کر ازحد تاسف سے بولیں۔ وہ اس وقت چندا کے گھر کے لاؤنج کے صوفے پر براجمان تھیں۔ سامنے کے صوفے پر چندا پیر اوپر کیے بیٹھی تھی گود میں کٹی ناشپاتیوں کی پلیٹ تھی اور زبان پر اپنے ساتھ بیتے واقعات۔ پومی اور چندا کی دوستی روز افزوں ترقی کر رہی تھی۔

"بس نصیب نصیب کی بات ہے۔" وہ ملول ہوئی۔

"ایسی بھی کوئی بات نہیں۔" پومی نے سیدھا ہاتھ نفی میں ہلایا۔ "انسان چاہے تو ذرا سی کوشش سے نصیب بدل بھی سکتا ہے۔"

"مجھے اب ان باتوں پر یقین نہیں رہا۔" وہ بے زاری سے بولی۔

"نہیں چندا نہیں۔" پومی تڑپ کر اس کے نزدیک آبیٹھیں۔ "میں تمہیں یوں تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ تم ذرا فارغ ہو جاؤ' میں نے بہت کچھ سوچ رکھا ہے تمہارے لیے۔ آخر دوست کس لیے ہوتے ہیں؟" اس نے بڑے دلار سے چندا کی ٹھوڑی چھو کر کہا۔

"بی بی جی کچھ کھانے کا جی چاہ رہا ہے تو لے آوں۔" تب ہی بشیرن نے آکر بڑے احترام و تابع داری سے پوچھا کہ یہ جمیل کا حکم تھا کہ چندا کا بے حد خیال رکھنا ہے۔

"یہ تم کیا ہر وقت میرے سر پر سوار رہتی ہو۔ کھلا کھلا کر مارنا ہے کیا مجھے۔ ویسے ہی میرا وزن ضرورت سے زیادہ بڑھ گیا ہے۔ پوری ڈھول بن گئی ہوں میں۔ نہ جانے واپس شیپ میں آنے کے لیے کتنی مشقت کرنی پڑے گی۔" وہ چیخ اٹھی۔

"مگر بی بی اس حالت میں تو کھانا پینا اپنی صحت کا خیال رکھنا بہت ضروری ہوتا ہے۔" وہ کہے بنا نہ رہ سکی۔

"بکواس بند کرو اپنی' آئی بڑی مجھے لیکچر دینے والی۔ اب جاؤ یہاں سے۔" اس نے جھڑک کر کہا۔ بشیرن ضبط کرتی پلٹ گئی مگر دل میں اسے ناشکری کے لقب سے پکارنا نہیں بھولی تھی۔

"دیکھا آپ نے۔" اس نے پومی آنٹی کو شکایتی انداز سے دیکھا۔ "کیسے جمی نے جگہ جگہ میری جاسوسی کرنے کے لیے لوگ اکٹھا کر رکھے ہیں۔ مجھے سانس لینے کی آزادی دے رکھی ہے اس انسان نے اس کی بڑی مہربانی ہے۔" اس نے گود میں رکھی پلیٹ سامنے ٹیبل پر پٹخ دی۔

"چلو جہاں اتنا برداشت کیا ہے چند روز اور سہی۔" انہوں نے دلاسا دیا۔" ویسے آپ ٹھیک ہی کہتی ہیں' ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے سے کچھ نہیں ہوگا' مجھے کچھ کرنا ہی پڑے گا۔" وہ پرسوچ لہجے میں بولی۔
"شاباش... یہ ہوئی نا بات۔" پوپی خوش ہو گئیں۔
"چلو اب اپنا موڈ ٹھیک کرلو' ٹی وی پہ گانے دیکھتے ہیں۔"
"ہوں..."

☼ ☼ ☼

"ماریہ فون اٹھاؤ۔" وہ اور سعدیہ بیگم ابھی ابھی بازار سے کچھ کپڑوں وغیرہ کی خریداری کرکے لوٹی تھیں۔ لاؤنج میں ماریہ سامان کے ساتھ ڈھیر تھی جبکہ سعدیہ فریش ہونے چلی گئی تھیں اور جاتے جاتے اسے فون ریسیو کرنے کی تلقین کرتی گئیں۔
"اوف... کیا ہے بھئی..." ماریہ کسلمندی سے اٹھی۔
"ہیلو..."
"ہیلو بیٹی ماریہ بات کررہی ہو؟" ابراہیم صاحب تھے۔
"وہ... السلام علیکم انکل... کیسے ہیں۔ کیا حال ہے آپ کا عاشر... کیسا ہے؟" اس نے نان اسٹاپ سوالات کرنے شروع کردیے۔
"وعلیکم السلام جیتی رہو' خوش رہو۔ تم سب کیسے ہو۔"
"الحمدللہ سب خیر خیریت ہے۔ ڈیڈی تو اس وقت گھر پر نہیں ہیں۔" وہ یہی سمجھی کہ انہوں نے اس کے ڈیڈی سے بات کرنے کے لیے فون کیا ہوگا۔
"آ... اچھا... بھابھی سے بات کرواسکو گی؟"
"جی... جی... ہولڈ کریں۔" دوسری طرف وہ بات تو سنو کہتے رہ گئے مگر وہ ریسیور کان سے پرے کیے اونچی آواز میں چیخ کر سعدیہ کو پکارنے لگی۔
"کیا ہوگیا؟" سعدیہ اس کے چیخنے پر برہمی سے بولتی کمرے سے نکلیں۔

"ابراہیم انکل کا فون ہے' آپ سے بات کرنا چاہ رہے ہیں۔" اس نے کہہ کر فون انہیں تھمادیا اور خود دوبارہ صوفے پر گر گئی۔
"السلام علیکم بھائی صاحب... کیا حال ہے؟" انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔
"وعلیکم السلام... بس بھابھی لگتا ہے زندگی کے دن پورے کررہے ہیں۔" انہوں نے یاسیت سے کہا۔
"ارے اتنے افسردہ کیوں ہیں آپ؟ عاشر بھی عجیب ہے ویسے... جب وہاں آپ نے تنہا ہی رہنا تھا تو بھلا یہاں سے لے جانے کی کیا تک تھی۔ یہاں کم از کم ہم لوگ تو تھے آپ کے پاس۔" وہ بولیں۔
"بس بھابھی' وہ بھی اپنی جگہ درست ہے۔ پہلے کی بات اور تھی' میرب بیٹی چوبیس گھنٹے میرے ساتھ رہتی تھی۔ اگر میں اب وہاں اکیلا رہتا تو اس کا ذہن بھی اٹکا رہتا۔ اب کم از کم اس کے سامنے تو ہوں۔" انہوں نے مدافعانہ انداز اختیار کیا۔ سعدیہ بے ساختہ مسکرا دیں۔
"اچھا خیر... اور سب خیریت ہے۔"
"بھابھی آپ سے اک بات پوچھنی تھی۔"
"ارے تو بلا جھجک پوچھیے۔" وہ ان کے انداز پر حیران ہوئیں کہ اتنے تکلفات ان لوگوں کے مابین بہرحال نہیں تھے۔
"آپ میرب کے گھر آتی جاتی ہیں؟"
"ایک دو بار تو گئی ہوں مگر زیادہ جانا میں نے مناسب نہیں سمجھا۔ اس کی نئی شادی ہوئی تھی' ایسے میں اسے وہاں ایڈجسٹ کرنے میں مسئلہ ہوجاتا۔" انہوں نے محتاط جواب دیا۔ میرب کے تذکرے پر ماریہ کے کان کھڑے ہوگئے۔
"رہنے تو آتی ہوگی میرو؟"
"نہیں... آج تک تو نہیں آئی' ہم نے بھی نہیں بلایا۔"
"مگر کیوں بھابھی...؟" انہوں نے پھر سے پوچھا۔
"اب آپ سے کیا کہوں... میں نے محسوس کیا ہے کہ شاید سائرہ یہ بات پسند نہیں کرتی۔" وہ صاف

گوئی سے بولیں۔ کچھ دیر وہ چپ سے ہو گئے۔
"بھابھی کیا اس کے گھر میں کوئی مسئلہ ہے۔ کیا وہ خدانخواستہ خوش نہیں ہے وہاں۔"
"ایسی تو کوئی بات نہیں۔" انہوں نے قطعی لہجے میں کہا۔ "ماریہ تو آتی جاتی رہتی ہے اس کے ہاں' اگر ایسا کوئی مسئلہ ہوتا تو وہ مجھے ضرور بتاتی۔"
"اچھا۔۔۔ ماریہ بیٹی جاتی ہے وہاں۔۔۔" وہ کچھ اطمینان سے بولے۔ "دراصل آج صبح صبح اس نے مجھے نیٹ پر بلایا اور بنا کچھ کہے بہت دیر تک بلک بلک کر روتی رہی بھابھی! آپ تو جانتی ہیں ان دونوں بچوں کو میں نے کتنے پیار اور توجہ سے پالا ہے۔ ان کی ماں کے گزر جانے کے بعد۔" وہ آبدیدہ سے ہو گئے۔ "ان کی آنکھ میں آیا آنسو میرے دل پر لاوا بن کر گرتا ہے۔ میں صبح سے بہت بے چین اور بے آرام ہوں' اس نے تو مجھے کچھ نہیں بتایا مگر میں سمجھ گیا ہوں کہ اس کے آنسوؤں کا کچھ نہ کچھ سبب ضرور ہے' بھابھی! آپ نے تو بالکل ایک ماں کی طرح اس کا خیال رکھا ہے۔ آپ اس سے ملاقات کریں شاید اپنے دل کی بات وہ آپ سے کر سکے۔"
"آپ بالکل فکر نہ کریں' میں آج ہی جاتی ہوں اس کی طرف۔ آپ کی یہ بات سن کر تو مجھے بھی پریشانی ہو گئی ہے۔ تسلی رکھیں' ان شاء اللہ سب ٹھیک ہی ہو گا۔" انہوں نے تسلی آمیز انداز اختیار کیا۔
"بہت ممنون رہوں گا میں آپ کا۔"
"ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں آپ۔ میو میری بھی تو بیٹی ہے۔" وہ خفا ہو گئیں۔
"اچھا اللہ حافظ۔"
"خدا حافظ۔۔۔" سعدیہ نے کہہ کر فون رکھ دیا اور متفکر سی ماریہ کے برابر آ بیٹھیں۔
"کیا بات ہے امی؟" ماریہ نے تشویش سے پوچھا۔
"بھائی صاحب کا فون تھا۔ میو نے انہیں صبح فون کیا اور بہت رو رہی تھی۔"
"اچھا مگر کیوں۔" وہ سیدھی ہو بیٹھی۔
"پتا نہیں' ماریہ! تم تو اس کے پاس جاتی رہی ہو۔ اس کی سہیلی ہو تم مجھے بتاؤ کیا اسے کوئی مسئلہ ہے وہاں؟" انہوں نے یکدم پوچھا۔ ماریہ گڑبڑا سی گئی۔
"نن۔۔۔ نہیں تو۔۔۔" اسے میو کا بھرم عزیز تھا۔
"ہوں۔۔۔" سعدیہ نے پرسوچ ہنکارا بھرا۔ "شام میں چلتے ہیں پھر اس کی طرف۔"
"آپ رہنے دیں امی میں ہو آتی ہوں۔" ماریہ نے انہیں روکنا چاہا۔
"نہیں ماریہ۔۔۔ بھائی صاحب نے مجھے جانے کے لیے کہا ہے اور پھر کچھ تو فرض میرا بھی بنتا ہے کہ میں اس کا خیال رکھوں۔ سامان سمیٹو اور کچھ دیر آرام کر لو تم بھی۔ سعد آ جائے تو چلتے ہیں۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئیں۔
"جی امی۔۔۔" اس کے حلق سے مری مری سے آواز برآمد ہوئی۔ وہ نہیں چاہ رہی تھی کہ سعدیہ وہاں جائیں کہ اتنا تو وہ سمجھ گئی تھی کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔
"میں بھی تو اتنے دن سے اسے فون نہ کر سکی' نہ جانے کیا بات ہو گئی ہے۔" وہ بھی گہرے تفکر میں ڈوب گئی۔

☆ ☆ ☆

"مبارک ہو آپ کو۔ بیٹا ہوا ہے۔" نرس نے باہر آ کر مسرت سے اطلاع دی۔ جمیل پر تو گویا شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ تسبیح پڑھتی بی بی جان اور مانو کی خوشی بھی دیدنی تھی۔
"بہت مبارک ہو بیٹا۔" انہوں نے جمیل کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔
"آپ کو بھی بی بی جان۔" وہ خوشی سے دیوانہ ہوا جا رہا تھا۔
"خوشی ہمارے ساتھ نہیں بانٹیں گے۔" اسی نرس نے پوچھا۔
"کیوں نہیں۔ یہ لیں آپ کا حصہ۔" اس نے جھٹ ہزار کا نوٹ پاکٹ سے نکال کر اسے تھمایا۔ نرس جو سو یا دو سو کے آسرے میں تھی اکٹھا ہزار روپیہ

دیکھ کر اس کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ پھر جلدی سے اسے مٹھی میں بھینچ کر بولی۔

"کچھ دیر بعد آپ کی مسز کو روم میں شفٹ کردیا جائے گا۔ آپ لوگ آکر ملاقات کرسکتے ہیں۔" اور مڑ کر چل دی۔

"جاؤ بیٹا پہلے شکرانے کے نوافل ادا کرلو۔" بی بی نے یاد دلایا۔

"جی بی بی جان۔" وہ سعادتمندی سے کہہ کر نماز کے لیے چلا گیا۔

"یا اللہ۔ میری چندا کو عقل سلیم عطا فرما۔ تیری عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔ اسے صحت دے، تندرستی دے۔ دنیا و آخرت کی ہر خوشی و نعمت سے نواز دے۔ آمین ثم آمین۔"

ماں کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔ بلکہ دعا تو کوئی بھی مانگے، کبھی رد نہیں ہوتی۔ بی بی جان کی دعاؤں کو جلد یا بدیر مقبول ہونا ہی تھا۔ مگر انسان کا کیا کیا جائے۔ اس کی جلد بازی کا کیا کیا جائے۔ دعا اور عمل سے تقدیر بدلتی ہے۔ مگر کبھی کبھی آپ کے اعمال دعا پر حاوی ہوجاتے ہیں۔ اور ان کا بوجھ دعا کو اوپر جانے ہی نہیں دیتا۔ زمین بوس کردیتا ہے۔

☼ ☼ ☼

یہ مغرب کے بعد کا وقت تھا جب سعدیہ بیگم اور ماریہ سعد کے ساتھ میرب کے گھر میں داخل ہوئے۔ عجیب سے وحشت ناک سناٹے نے ان کا استقبال کیا۔ لالی نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور ان کی آمد کی اطلاع دینے کے لیے میرو کے کمرے پہ دستک دی۔ وہ صبح سے تین چار مرتبہ اس کا دروازہ کھٹکھٹا چکی تھی۔ وقار صاحب تو صبح ہی سے اپنے کسی دیرینہ دوست کی طرف نکلے ہوئے تھے۔ اجیہ کو ویسے بھی گھریلو معاملات سے کچھ خاص سروکار نہ تھا۔ رہ گئی لالی تو وہ دروازہ کھٹکھٹا تو ضرور دیتی تھی۔ مگر اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ بغیر اجازت ملے وہ مالکان کے کمروں میں داخل ہوسکے۔ اسے تشویش تو ضرور تھی مگر ادھر ادھر کے کاموں کی مصروفیت نے اس کی تشویش بھی بھلادی تھی۔ ابھی بھی دروازہ پہ دستک دینے پر جواب ندارد۔ اس کی تشویش پھر سے جاگ اٹھی۔ اور اس نے ڈرائنگ روم میں جوس کے ساتھ یہ اطلاع بھی پہنچادی۔

"کیا؟" ماریہ اپنی جگہ سے بے ساختہ اٹھ کھڑی ہوئی، "صبح سے میرو کمرے میں ہے اور گھر میں کسی کو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ وہ کمرے میں جھانک آتا کہ وہ زندہ ہے یا مرگئی۔" وہ غصے میں چیخی۔ اس کی بات پر سعدیہ دہل گئیں۔

"کیا بات کررہی ہو ماریہ، جاؤ دیکھو اندر جاکر تم۔" انہیں صورت حال کی سنگینی کا اندازہ صحیح معنوں میں اب جاکر ہوا تھا۔ ماریہ تیزی سے لالی کے پیچھے گئی۔

"آپ پریشان نہ ہوں امی جان، ان شاء اللہ میرو ٹھیک ہوگی۔" سعد خود فکر مند تھا مگر انہیں دلاسہ دیتا رہا۔ ماریہ نے بری طرح دروازہ کھٹکھٹایا مگر جواب نہیں ملا۔ اس نے دروازے کے ہینڈل کو گھمایا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ کمرے میں گھرا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

"میرو۔ میرو۔ کہاں ہو تم۔" وہ متوحش ہو کر چلائی۔ لالی نے سٹول کر لائٹ جلائی۔ میرو آڑی ترچھی رات والے لباس میں بیڈ پر پڑی ہوش و خرد سے بیگانہ تھی۔

"میرو!" اس کی حالت دیکھ کر ماریہ رو دی۔ "میرو ہوش کرو۔" وہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کا گال تھپتھپانے لگی۔

"پانی دو۔" اس نے لالی سے کہا۔ اس کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر لالی بھی حواس باختہ ہو گئی تھی۔

"یہ لیں۔" اس نے سائیڈ ٹیبل سے گلاس اٹھا کر اسے تھمایا۔ اس نے میرو کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے، مگر نتیجہ صفر رہا۔

"جاؤ سعد سے کہو گاڑی نکالے۔ ہمیں اسے اسپتال لے جانا ہو گا۔" اس نے اپنے آنسو پونچھ کر لالی سے کہا۔

لالی تیزی سے پلٹ کر باہر نکلی اور ڈرائنگ روم میں جا کر سعد سے گاڑی نکالنے کو کہا۔

"خدا خیر کرے۔۔۔ کیا معاملہ ہے۔" سعدیہ بیگم بھی ۔۔۔ پریشانی سے کھڑی ہو گئیں۔

"وہ جی' بڑی بی بی بے ہوش پڑی ہیں۔ ہوش میں نہیں آ رہی ہیں۔" اس نے فکر مندی سے بتایا۔

"سب گھر والے کہاں ہیں؟" انہوں نے سلگتے ہوئے پوچھا۔

"صاحب تو صبح سے اپنے کسی دوست کی طرف گئے ہیں۔ چھوٹے صاحب ابھی آفس سے نہیں لوٹے اور اجیہ بی بی جی اپنی دوست کے گھر گئی ہوئی ہیں۔" اس نے مودب لہجے میں بتایا۔

"نہ جانے کیسے بے پروا لوگ ہیں۔ اب بتاؤ' میں ابراہیم بھائی کو کیا جواب دوں گی۔" ان کا طیش اب شرمندگی میں ڈھل گیا۔

"اوہ امی۔۔۔ اتنا کیوں پریشان ہو رہی ہیں' ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو گا۔" سعد خود بھی بے حد فکر مند ہو گیا تھا تاہم خود پر قابو پا کر انہیں تسلی دی پھر لالی سے مخاطب ہوا۔

"آپ اور ماریہ میرب کو گاڑی تک لائیے۔ میں گاڑی نکالتا ہوں۔" وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکلا۔ وہ واپس میرب کے کمرے میں آ گئی۔ ماریہ اس کی ہتھیلیاں سہلا رہی تھی۔

"وہ جی آپ کے بھائی کہہ رہے ہیں کہ میرب بی بی کو گاڑی تک اٹھا کر لے آئیں۔" ماریہ پریشان ہو گئی گو کہ میرب دھان پان سی تھی مگر ماریہ بھی آخر لڑکی تھی اور اس کے لیے میرب کو ۔۔۔۔ اٹھا کر گاڑی تک لے جانا ہرگز آسان نہ تھا اور سعد کا اسے لے جانا انتہائی نامناسب تھا سو اس نے ہمت کی لالی نے بھی بھرپور مدد کی۔ یوں اسے پورٹیکو میں کھڑی گاڑی میں ڈالا گیا۔ ماریہ اس کے ساتھ ہی پیچھے بیٹھ گئی جبکہ شدید پریشانی میں گھری سعدیہ نے آگے بیٹھتے ہوئے لالی سے بے حد غصے سے کہا۔

"ہم میرو کو اسپتال لے جا رہے ہیں۔ جب تمہارے صاحب لوگ لوٹ آئیں تو انہیں بتا دینا اور یہ بھی کہہ دینا کہ اگر اسے کچھ ہو گیا تو ان کے لیے اچھا نہیں ہو گا۔" یہ کہہ کر انہوں نے دروازہ دھاڑ سے بند کیا۔ لالی نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

بی بی سوا مہینے تک چندا کے پاس رہ کر گھر لوٹ گئی تھیں۔ ان دنوں زیادہ تر سوتو ان کے پاس ہی رہا۔ انہوں نے ہی اسے سنبھالا۔ چندا کی بے آرامی کے خیال سے راتوں کو خود جاگیں بھی۔ اس عمر میں اس مشقت نے انہیں تھکا ڈالا تھا۔ اور وہ خود بخار میں مبتلا ہو گئیں۔ وہ تو چاہتی تھیں کہ چندا یہ دن اپنے میکے میں گزارے مگر چندا ہی کسی طور راضی نہ ہوئی کہ اسے یہاں ہر طرح کی سہولت میسر تھی۔ بات ٹھیک بھی تھی اسی لیے بی بی جان مان گئیں اور اس کا خیال کرتے ہوئے خود یہاں رہ کر بچے اور اس کی دیکھ بھال کرتی رہیں۔ اسے مقوی غذائیں بنا کر دیتیں' مگر وہ کھانے سے صاف انکاری تھی۔

"مجھے نہیں کھانا یہ سب' میرا ویٹ مزید بڑھ جائے گا۔" وہ جھلا جاتی۔

"نہیں بڑھتا وزن' تم کھاؤ تو۔ تمہارے لیے یہ ضروری ہے۔" وہ پیار سے پچکارتیں۔

"اوفوہ۔۔۔ نہیں کھانا' کہہ دیا نا۔" وہ چیخ اٹھتی تو بی بی

اپنا سامنہ لے کر رہ جاتیں۔
جمیل ان کی موجودگی سے مطمئن تھا۔ اب جب وہ چلی گئی تھیں تو اس نے چندا کو کھلانے پلانے اُس کا خیال رکھنے کی ذمہ داری خود پر عائد محسوس کی۔
"چندا! یخنی دن میں دو بار پیا کرو۔"
"بشیرن سے کہو، تمہیں فروٹ کاٹ کر دے۔"
"چندا! رات کو بھی تم نے دودھ کا گلاس یونہی پڑا رہنے دیا۔ اپنی صحت کی طرف سے اتنی بے پروائی اچھی نہیں۔ آخر کو تم سونو کو فیڈ بھی کرواتی ہو، ایسے تو تم بیمار پڑ جاؤ گی۔" فکر مندی سے لبریز محبت سے چور یہ جملے چندا کو تیر کی طرح لگتے۔
"خدا کے واسطے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔" ایک روز اس نے تنگ آکر ہاتھ جوڑے۔ "میری بھی کوئی زندگی ہے۔ پسند ہے کیوں ہر وقت تلوار کی طرح میرے سر پر لٹکتے رہتے ہیں۔" وہ اتنی درشتی سے بولی کہ جمیل تو چپ کا چپ رہ گیا۔ پھر اسے کھانے پینے کی تاکید کرنے میں محتاط بھی ہو گیا، مگر کب تک؟
سونو کا سینہ کچھ روز سے جکڑا ہوا سا تھا۔ اس پر مستزاد چندا جمیل کو آئس کریم کھاتی ہوئی دکھائی دی۔
"یہ تم کیا کھا رہی ہو؟" وہ قدرے برہمی سے بولا۔
"اسے آئس کریم کہتے ہیں۔" اس نے ٹی وی پر نظریں جمائے ہوئے جواب دیا۔
"تمہیں معلوم ہے کہ سونو بیمار ہے؟" وہ ترشی سے بولا۔
"وہ بیمار ہے میں تو نہیں۔" اس نے ایک بڑا سا چمچہ بھر کر منہ میں ڈالا۔
"مگر وہ بیمار ہو سکتا ہے تمہاری ان حرکتوں سے۔ تم کیا جانتی نہیں کہ وہ مدر فیڈ پر ہے۔" وہ تپ کر بولا۔
اس نے اطمینان سے خالی کپ سامنے ٹیبل پر رکھا اور بغور اس کی آنکھوں میں دیکھ کر گویا ہوئی۔
"میں جانور نہیں ہوں جمیل! آج کے بعد وہ پاوڈر ملک پیے گا۔"
"مگر اس کی صحت...!" اس کی بات چندا نے تیزی سے اچک لی۔
"اور میری صحت؟ تمہیں یہ نظر نہیں آرہی۔ کیا سے کیا ہو گئی ہوں میں۔ میرا فگر دیکھو، کیسا بگڑ گیا ہے۔ چہرہ مرجھا کر کالا ہو چکا ہے۔ آنکھوں کے نیچے دو دو انچ کے حلقے بن گئے ہیں۔ بال ہیں تو وہ جھڑ جھڑ کر جھاڑو بن چکے ہیں۔" وہ روہانسی ہو گئی۔
"سب تمہاری غلطی ہے۔" جمیل نے صاف گوئی سے کہا۔ "کون سی نعمت ہے جو تمہیں میسر نہیں مگر تم ہو کہ کھانے کا نام نہیں لیتیں۔ یہ تو ہونا ہی تھا۔"
"ہاں.... ہاں سب میری غلطی ہے۔" وہ جاہلوں کی طرح چیخی۔
"بالکل ہے۔" وہ بے لچک انداز میں بولا۔ "اور اب تم کہہ رہی ہو کہ ہمارا سونو ڈبے کا دودھ پیے گا۔ چار ماہ کا بچہ ہے وہ اُس کی صحت بالکل برباد ہو کر رہ جائے گی۔"
"پھر اس کی صحت۔" وہ چیخ ہی تو گئی۔ "تمہیں اب میری کچھ پروا ہے کہ نہیں۔"
"ہے کیوں نہیں ہے۔" وہ یک لخت نرم پڑ گیا۔ "یہ سب میں تمہارے بھلے ہی کے لیے تو کہہ رہا ہوں۔" وہ اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔
"میرے بھلے کے لیے یا سونو کے بھلے کے لیے۔" اس نے زہر خند لہجے میں کہا۔
"ایک ہی بات ہے۔"
"ایک ہی بات نہیں ہے۔" وہ زور دے کر بولی۔ "بس میں نے کہہ دیا میں آج کے بعد اسے فیڈ نہیں کرواؤں گی۔" وہ قطعیت سے کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"جیسی تمہاری مرضی۔" اس نے تھک کر صوفے کی پشت سے سر ٹکا لیا تھا۔
"ہونہہ!" وہ نخوت سے سر جھٹک کر لاؤنج عبور کر گئی۔
کتنا بچپنا بھرا ہے اس کے اندر۔ بات سمجھتی ہی نہیں۔ وہ سوچ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

سائرہ اور وقار آگے پیچھے ہی گھر میں داخل ہوئے

تھے۔ ابھی سائر کے قدم سیڑھیوں کی جانب بڑھے ہی تھے کہ اسے لالی کی آواز سنائی دی جو وقار کو میرب کے متعلق مطلع کر رہی تھی۔

"صاحب جی! بی بی اپنے کمرے میں بے ہوش پڑی تھیں۔ ان کے رشتے دار آئے تھے، وہ ہی کمرے میں گئے تو معلوم پڑا۔"

"کیا بات کر رہی ہو۔" وقار جو اطمینان سے صوفے پر بیٹھ رہے تھے گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ "کہاں ہے میرب بیٹی؟" انہوں نے تشویش سے پوچھا۔

"وہ جی۔۔۔ ان کے رشتے دار انہیں گاڑی میں ڈال کر اسپتال لے گئے ہیں۔" اس نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے بتایا۔

"صبح جب میں گیا تب تو سب ٹھیک تھا۔ ناشتا کیا تھا اس نے؟"

"وہ جی۔۔۔ بی بی تو آج اپنے کمرے سے نکلی ہی نہیں سارا دن۔" اس نے سر جھکا کر مجرموں کی طرح بتایا۔

"کیا؟" وہ بے ساختہ چیخ اٹھے۔ "اور تم؟ تم نے بھی انہیں بلانے کی زحمت محسوس نہیں کی؟" وہ طنزیہ بولے۔

"تین چار مرتبہ دروازہ بجایا تھا جی میں نے، مگر ان کا کوئی جواب نہیں ملا تو میں سمجھی وہ سو رہی ہوں گی۔"

"شاباش ہے تمہاری عقل کو، اور اجیہ۔۔۔ اجیہ کہاں تھی؟ اسے بھی بھابھی کا خیال نہیں آیا۔" وہ سخت طیش میں آکر بولے۔

"وہ تو جی۔۔۔ کالج سے آکر سو گئی تھیں۔ شام میں اپنی سہیلی کی طرف چلی گئیں اور ابھی تک نہیں لوٹی ہیں۔" اس نے سہمے ہوئے لہجے میں بتایا۔

"اجیہ سہیلی کی طرف چلی گئی۔۔۔! بنا بتائے۔۔۔ بنا اجازت کے؟"

وہ اچھنبے سے بولے، اپنی پیشانی پریشانی سے رگڑتے ہوئے سائر کو پکارا جو بے تاثر انداز میں کھڑا تھا۔ ان کے پکارنے پر ان کے پاس آیا۔

"تم نے بھی میرب کو فون نہیں کیا؟" انہوں نے اپنا غصہ دباتے ہوئے کہا۔

"میں تو روز ہی اسے فون نہیں کرتا۔" اس نے سپاٹ لہجے میں بتایا۔

"تمہاری بیوی بے ہوش ہے، اسپتال میں پڑی ہے۔" انہوں نے جیسے اس کے جذبات جھنجھوڑنے چاہے۔

"اسے گاڑی میں کس نے ڈالا تھا؟ اس کے کزن سعد نے؟" سائر نے جوابا" لالی کی طرف دیکھ کر کہا، اس پر وقار نے تحیر سے اسے دیکھا۔

"نہیں جی۔۔۔ میں نے اور ان کی کزن نے۔" لالی سرعت سے بولی۔

"یہ کیا فضول کی باتوں میں پڑ گئے ہو۔ فون کرو انہیں۔ پتا کرو کہاں ہیں وہ؟" انہوں نے جھڑکا۔

سائر دانت پر دانت جمائے اپنا سیل نکال کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ نمبر ماریہ کا تھا، مگر ریسیو سعد نے کیا۔ ان سے اسپتال کا پتا معلوم کر کے اس نے فون بند کر دیا۔

"چلو جلدی چلو۔۔۔ نہ جانے کیا معاملہ ہے۔ بس اللہ رحم کرے۔" وہ متفکر سے تھے مگر سائر کے چہرے پر تفکر، پریشانی، پشیمانی کچھ بھی نہ تھا اور یہی چیز وقار کو حیران کر رہی تھی، بے حد حیران۔۔۔

☼ ☼ ☼

چندا کے بے حد اصرار پر جمیل کو سونو کے لیے کل وقتی آیا کا بندوبست کرتے ہی بنی۔ زینت بی بی ادھیڑ عمر کی بیوہ خاتون تھیں۔ اولاد کوئی تھی نہیں۔ صاف ستھری اور معقول تھیں۔ انہوں نے آتے ہی سونو کو بڑے اچھے طریقے سے سنبھال لیا۔ زینت بی بی کیا آئیں چندا کے پیروں سے گویا کوئی بیڑی کھلی تھی۔

پوری آنٹی کا اپنا پارلر اور جم بھی تھا۔ اب چندا کا بیشتر وقت وہیں پر گزرنے لگا۔ چند ہی دنوں میں وہ پہلے سے زیادہ اسمارٹ، جاذب نظر اور خوب صورت ہو گئی۔ اس وقت وہ بڑی مطمئن و مسرور سی ان کے سجے سجائے ڈرائنگ روم میں بیٹھی اورنج جوس کے گھونٹ

لے رہی تھی۔ تب ہی باتوں کے دوران یومی آنٹی نے کہا۔

"تو پھر کیا سوچا ہے تم نے آگے کے بارے میں۔"

"کیا مطلب؟" وہ یک دم چونک سی گئی۔ "کیا سوچنا ہے مجھے۔" وہ الٹا ان ہی سے استفسار کرنے لگی۔

"بھئی! وہ تمہارے خواب تمہاری تمنائیں؟ وہ سب کیا ہوئیں؟" انہوں نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے گویا اس کا ہی کوئی درد اسے یاد دلایا تھا۔ اب چندا اور ان کی اتنی "دوستی" تو ہو ہی چکی تھی کہ دونوں ہی نے ایک دوسرے سے اپنے دل کی باتیں شیئر کرلی تھیں۔ اپنے ساتھ ہوئی "زیادتیوں" پر ایک دوسرے سے ہمدردی بھی وصول کرچکی تھیں۔

"اب ان باتوں کا تذکرہ کرنے سے کیا فائدہ۔" اس نے چڑ کر گلاس ٹیبل پر پٹخا۔

"بھئی... میں تو اتنا جانتی ہوں کہ اپنے خوابوں کو پانے کی کوئی عمر نہیں ہوتی اور جو لوگ کوشش کرتے ہیں بالآخر اپنی منزل پا ہی لیتے ہیں۔" انہوں نے اکسایا۔

"مگر کیسے یومی آنٹی' آپ کو میری مجبوریوں کا پتا تو ہے۔" وہ منہ بنا کر بولی۔

"مجبوری وجبوری کچھ نہیں ہوتی ڈیئر' یہ سب کم ہمت' بزدلوں کی باتیں ہیں۔ نیا آسمان تمہارے سامنے ہے' آگے بڑھو' اڑان بھرو بھلا آزاد پنچھی کو بھی کوئی قید کرسکا ہے؟" انہیں نے ایک گہری ستائشی نگاہ اس کے ہیرے جیسے چمکتے چہرے کو دیکھ کر کہا۔

"مگر کیسے ممکن ہے یہ اب؟ میں شادی شدہ ہوں۔ میرا ایک بچہ ہے۔" وہ کڑوے لہجے میں بڑبڑائی۔

"مگر یہ بات تو صرف تم جانتی ہو نا۔ مارکیٹ میں کون بتائے گا؟" وہ معنی خیزی سے دھیمے سے ہنسیں۔

اب کی مرتبہ چندا کچھ نہیں بولی بس نا سمجھی مگر دلچسپی سے انہیں دیکھے گئی۔

"کیوں ٹھیک ہے نا؟" وہ تصدیق چاہتے ہوئے بولیں۔

"خاک ٹھیک ہے... جمیل کبھی نہیں مانے گا۔" وہ جھنجلائی۔ ہاں اور نا کے درمیان والی کیفیت...

"نہ مانے... تمہیں بتانے کی ضرورت بھی کیا ہے۔" وہ بے پروائی سے بولیں۔ "اور یوں بھی اس نے کون سا تمہیں سکھی رکھا ہوا ہے۔ ہنی مون تک پہ تو تمہیں لے کر نہیں گیا۔ کپڑے دیکھو اپنے... صاف لگتا ہے جیسے کہ کسی عام سی مارکیٹ سے خریدے ہوں۔ ہیرے کی ایک انگوٹھی تک تو ہے نہیں تمہارے پاس۔ آخر اس نے تمہیں دیا ہی کیا ہے۔ اوپر سے پابندیاں ایسے لگاتا ہے تم پر گویا تمہیں کسی محل کی ملکہ بنا رکھا ہو... توبہ۔" انہوں نے تیزی سے نفی میں سر ہلا کر اسے اس کی زندگی کا ایسا آئینہ دکھایا جس میں وہ اپنی کربناک تصویر دیکھ کر گنگ رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

"ذہنی تناؤ اور نقاہت کی وجہ سے پیشنٹ بے ہوش ہے ایسی کوئی فکر کی بات نہیں۔ انہیں ڈرپ لگادی گئی ہے۔ کچھ دیر میں انہیں ہوش آجائے گا تو دوبارہ چیک اپ کرکے دوائیاں تجویز کی جاسکیں گی تب تک آپ لوگ ریلیکس کریں۔" ڈاکٹر اپنے مخصوص لہجے میں کہہ کر پیشہ ورانہ مسکراہٹ سے انہیں نواز کر اپنے روم کی طرف جاچکی تھی۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" سعدیہ بیگم کے منہ سے بے ساختہ ہی شکر کا کلمہ نکلا اور وہ لابی میں رکھی کرسیوں میں سے ایک پر ڈھیلے ڈھالے انداز میں بیٹھ گئیں۔

"جی ہاں! شکر ہے اللہ کا کہ اس کی جان بچ گئی ہو کرنہ سائر بھائی نے تو اسے مارنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔" ماریہ تند لہجے میں چبا چبا کر بے ساختہ کہہ گئی۔ کیا کرتی' وہ پچھلے ایک گھنٹے جس شدید ذہنی پریشانی کا شکار رہی تھی وہی جانتی تھی' پھر فکر مندی کے ساتھ ساتھ اسے ہلکا سا یقین بھی تھا کہ ہو نہ ہو میرو کی اس حالت کا تعلق براہ راست سائر ہی سے ہوسکتا ہے۔

"کیا اول فول بک رہی ہو۔" سعدیہ نے یکدم سر اٹھا کر اسے بے یقینی سے دیکھا۔

"جی ہاں امی! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ سائر بھائی نے اس کی زندگی جہنم بنا رکھی ہے۔ وہ بے حد شکی مزاج انسان ہیں۔ ہم سے ملنے ہمارے گھر آنے تک کی پابندی لگا رکھی ہے انہوں نے اس پر۔ اس کا ہر عمل اس کا کردار سب کچھ مشکوک ہے ان کی نظر میں۔ جب سے شادی ہوئی ہے وہ کسی تلوار کی مانند لٹکے رہتے ہیں اس کے سر پر۔ ہو نہ ہو اس کی اس حالت کے ذمے دار بھی وہی ہیں۔" وہ یقین سے بولی۔ سعدیہ منہ کھولے اس کے انکشافات سن رہی تھیں۔

میرب کا محتاط رویہ اور سائر کا لیا دیا انداز وہ بھانپ تو گئی تھیں، مگر انہوں نے نظر انداز کر دیا تھا کہ نئی نئی شادی ہے، میرب سائر کے ساتھ جتنی جلدی ممکن ہو ایڈجسٹ کرلے اچھا ہے۔ ان کے تو وہم و گمان میں بھی یہ سب نہیں تھا۔ بیٹی نہیں تھی وہ ان کی، مگر عزیز اتنی ہی تھی۔

"تم... تمہیں یہ سب کیسے معلوم؟" الفاظ بکھرنے لگے تھے۔

"خود اسی نے بہت مجبور ہو کر بتایا تھا۔" اب وہ یک دم ہی راز فاش کر دینے پر کچھ پشیمان سی تھی۔ تھک کر ان کے برابر ہی میں ٹک گئی۔

"ابراہیم بھائی کو پتا ہے؟" ان کے ذہن میں یک دم ہی ابراہیم صاحب کی فون کال آگئی۔

"نہیں، نہ انہیں نہ کسی اور کو۔ اس نے اپنی بہن اپنا دوست سمجھ کر صرف مجھ سے شیئر کی تھی یہ بات۔" وہ سر جھکا کر مجرموں کی طرح بولی۔

"اور تم نے مجھ تک کو بتانا ضروری نہیں سمجھا۔" انہیں یک دم ہی اس پر بے تحاشا غصہ آیا تھا۔ "تم آج کل کی نسل نہ جانے اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہو۔ ارے ابھی بڑے بیٹھے ہیں تمہارے، تم لوگ خود کیوں اپنے ماں باپ بن کر اپنے مسائل سلجھانے کی کوشش کرتے ہو۔"

"امی... ایسی بات نہیں۔ میرو کسی کو دکھ نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔ بس اسی لیے۔" وہ اس کی صفائی دینے لگی۔

"پتا نہیں ان پانچ ماہ میں بن ماں کی بچی پر کیا بیت گئی۔ ابراہیم بھائی تو اسے میری سرپرستی میں چھوڑ گئے تھے۔ میں انہیں کیا جواب دوں گی؟" ان کی آنکھیں ایک مرتبہ پھر بھیگ گئیں۔ تب ہی دور سے سامنے کا شیشے کا داخلی دروازہ دھکیل کر اندر آتے ہوئے وقار اور سائر دکھائی دیے۔ ان کے ساتھ ساتھ ہی بل کے معاملات نپٹا کر سعد آتا دکھائی دیا۔

وقار متوحش اور پریشان سے تھے جبکہ سائر کے اوپر بے حس سی لاتعلقی طاری تھی۔ جسے دیکھ کر ماریہ اور سعدیہ، دونوں ہی کو بے حد و بے حساب غصہ آیا تھا۔

"السلام علیکم!" وہ انہیں سلام کر کے پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے ایک کونے میں کھڑا ہو گیا۔ البتہ سعد سے مصافحہ کرتے وقت ایک ناگوار و کٹیلی نگاہ اس پر ڈالنا ضروری سمجھا تھا۔

"کیسی طبیعت ہے میرب بیٹی کی۔" وقار نے سعد سے مصافحہ کرتے ہوئے سعدیہ سے پوچھا۔

"زندہ ہے۔" انہوں نے ترخ کر جواب دیا۔ وقار کے ماتھے پر ناگواری کی لکیریں ابھریں۔

"کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" انہوں نے حتی الامکان اپنے لہجے سے غصہ ظاہر نہ ہونے دیا، مگر ایسا کوئی تکلف سعدیہ نے نہیں کیا۔

"پوچھیں اپنے صاحبزادے سے، جو اس کی اس حالت کے ذمے دار ہیں۔" وہ اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ ماریہ نے کچھ پریشانی جبکہ سعد نے حیرت سے اپنی نرم خو والدہ کو دیکھا تھا۔

"دیکھیے بھابھی! میرب کی حالت کی وجہ سے ہم بھی پریشان ہیں، مگر اس طرح کی الزام تراشی قطعی نامناسب ہے۔" اب کی مرتبہ ان کا انداز بھی روکھا تھا۔ سائر کے ابرو تن گئے تھے۔ آنکھیں غصے سے بھری تھیں تاہم وہ خاموش رہا۔

"بھائی صاحب! بخدا میں الزام تراشی نہیں کر رہی، آپ کو حقیقت سے آگاہ کر رہی ہوں کیوں کہ آپ کے انداز سے لگتا ہے جیسے آپ بھی اس بات سے ناواقف ہیں۔" وہ اب کی بار کچھ نرم ہو کر بولیں۔

"کیسی حقیقت' کون سی بات؟" وہ بے وقوفوں کی طرح کبھی انہیں کبھی پیچھے کھڑے سائر کو دیکھے گئے۔

"یہ تو آپ اپنے بیٹے ہی سے پوچھیے' فی الحال میں آپ کو بتا دینا چاہتی ہوں کہ میرب یہاں سے میرے ساتھ گھر جائے گی اور اس وقت تک وہاں رہے گی جب تک کہ وہ مکمل صحت یاب نہیں ہو جاتی۔" وہ استحقاق سے دو ٹوک گویا ہوئیں۔ تب ہی یک دم سائر آگے آیا۔

"آپ چاہیں تو اسے ہمیشہ کے لیے اپنے پاس رکھ سکتی ہیں۔ جبکہ میرا خیال ہے وہ خود بھی ایسا ہی چاہتی ہے۔"

وہ زہر خند لہجے میں سعد کو سر سے پیر تک طنزیہ انداز میں گھور کر الٹا گھوما اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا باہر نکل گیا۔ یہاں کوئی بھی نا سمجھ نہیں تھا جو اس کی بات کا مفہوم نہ سمجھ پاتا۔ مارے ضبط کے سعد کا سفید چہرہ سرخ پڑ گیا۔ ماریہ اس کی جرات پر ہکا بکا رہ گئی جبکہ سعدیہ نے حق دق کھڑے وقار کو مخاطب کیا۔

"دیکھ لیا آپ نے' کیا خناس سمایا ہوا ہے آپ کے بیٹے کے دماغ میں... اس کے اسی خناس نے میرب کو اس حال پر پہنچایا ہے۔ بھائی صاحب! مجھے شکایت سائر سے نہیں' گلہ آپ سے ہے۔ آپ تو بڑے مان سے بیاہ کر لے گئے تھے' اس بن ماں کی بچی کو' آپ نے بھی اس کا خیال نہ رکھا۔ اب آپ ہی بتائیے۔ میں ابراہیم بھائی کو کیا جواب دوں۔" وہ جذباتی انداز میں بولیں۔ ماریہ نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں حوصلہ دینا چاہا۔

"میں... میں آپ سے کیا کہوں... اس وقت بہت شرمندہ ہو رہا ہوں۔ مجھے تو لگا' ان دونوں کے درمیان سب کچھ ٹھیک ہے۔ اب اس طرح کی صورت حال کا تو میں نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ آپ ابراہیم کو مت بتائیے۔ خدا کی قسم میں اس کی ملامت برداشت نہیں کر سکوں گا۔" وہ اپنی پیشانی رگڑتے ہوئے شدید مضمحل لگ رہے تھے۔

"میرا مقصد آپ کو شرمندہ کرنا ہرگز نہیں ہے بھائی صاحب! میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ اگر کوئی مسئلہ ہے تو اسے حل کر لیا جائے۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ... میرب کیسی ہے میں مل لوں اس سے؟" وہ اپنے آپ کو سنبھال کر بولے۔

"ٹھیک ہے مگر ابھی غنودگی میں ہے۔" ماریہ نے بتایا۔ سعد کافی دیر خاموش کھڑے رہنے کے بعد وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

"ٹھیک' ٹھیک ہے پھر۔ میں چلتا ہوں۔ آپ لے جائیے میرب کو اپنے ساتھ... میں دیکھتا ہوں اس مسئلے کو... حل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔" وہ جانے کے لیے مڑے پھر کچھ یاد آنے پر دوبارہ ان سے مخاطب ہوئے۔ "بل میں بھر دوں گا' آپ تردد نہ کریں۔"

"بل ادا کیا جا چکا ہے بھائی صاحب! میرو میری بیٹی کی طرح ہے۔ آپ فکر نہ کریں بے کار باتوں کی۔" سعدیہ نے کہا۔ وہ سر ہلا کر ناالوداع کہے باہر نکلتے چلے گئے۔

"اولاد بھی انسان کو کیسے کیسے شرمندہ کرواتی ہے۔" سعدیہ بڑبڑائیں تب ہی نرس نے آ کر اطلاع دی۔

"آپ کی پیشنٹ کو ہوش آ گیا ہے اور وہ اندر بلا رہی ہیں آپ کو۔"

☼ ☼ ☼

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" چندا نے چینل تبدیل کرتے ہوئے بے چینی سے ایک مرتبہ پھر جمیل سے پوچھا۔

"کس بات کا؟" جمیل کا سر ہنوز رنگ برنگی فائلوں پر جھکا ہوا تھا۔

اب کی بار چندا تپ ہی تو گئی۔ ریموٹ بیڈ پر پٹخ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور ڈریسنگ چیئر پر آ کر بیٹھ گئی مگر جمیل کے انہماک میں فرق نہ آیا۔ اس نے تلملاتے ہوئے ہینڈ لوشن کا ڈھکن کھولا اور لوشن ہاتھ پر ملنے لگی۔

"میں کچھ کہہ رہی ہوں سن رہے ہیں آپ۔" وہ چیختے ہوئے بولی۔

"ہاں کہو... کان کھلے ہیں میرے۔"

"مجھے یورپ کب لے کر چلیں گے۔ ہماری شادی کو اتنا عرصہ ہو گیا' آپ مجھے کہیں گھمانے نہیں لے کر گئے۔"

"یار... سونو کو ذرا بڑا تو ہو لینے دو۔ ایک سال کا بچہ ہے خیال کرنا پڑتا ہے۔" ان کی بات نے اس کے تن بدن میں آگ بھڑکا دی۔

"آپ ایک بات مجھے صاف صاف بتایئے۔" اس نے لوشن ٹیبل پر پٹخا۔ "آپ کی زندگی میں میری کوئی اہمیت ہے بھی یا نہیں۔" اس کے انداز برہمی پر جمیل نے فائل سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تمہاری ہی وجہ سے کہہ رہا ہوں' تم وہاں تفریح کرو گی یا بچے کے پیچھے ہلکان ہوتی رہو گی۔ ذرا بڑا ہو جائے تو تمہیں ہی آسانی رہے گی۔" وہ اس کے برعکس رسان سے بولا۔

"مگر اسے لے کر جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہمارا ہنی مون ہے۔ ہم اکیلے نہیں جا سکتے کیا؟" وہ ضدی پن سے بولی۔

"اوہو' تو یوں کہو نا کہ ہنی مون منانے کا جی چاہ رہا ہے۔" اس نے فائل بند کر کے اسے محبوبیت سے دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"جمیل' بات کو اِدھر اُدھر مت کریں۔" وہ سختی سے بولی۔

"بات ادھر جائے یا ادھر پہنچے گی یہیں تک۔" وہ غیر سنجیدہ انداز میں بولا۔

"مجھے ٹالنے کے بجائے صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ آپ کی اوقات نہیں ہے مجھے وہاں لے کر جانے کی۔" اس نے کچھ اتنی بدتمیزی سے کہا کہ یک لخت جمیل سنجیدہ ہو گیا۔

"میری اوقات کو چھوڑو... تمہاری اوقات ہے اتنی بہترین زندگی گزارنے کی جو تم گزار رہی ہو۔" اس نے ٹھنڈے ٹھار لہجے میں کہا۔ چندا تمسخر سے ہنس دی۔

"میری اوقات کی کیا بات کرتے ہو جمیل... میری پرواز تو آسمانوں تک ہے' مگر مجھے محض گھر اور گھرداری جیسے سنہرے جال میں مقید کر دیا گیا ہے۔"

"اپنے آپ کو اتنی اونچائی پر تصور کرنا چھوڑ دو... نیچے گرو گی تو تمہیں ہی تکلیف ہو گی۔" اس کا لہجہ ناصحانہ تھا' مگر وہ مزید بھڑک گئی۔

"گرتے وہ ہیں جو اونچا اڑنے کے ہنر سے ناواقف ہوں اور مجھے ڈراوے دینے کی بجائے کچھ اپنا اسٹیٹس بلند کرنے کی کوشش کرو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔"

"اپنی ہمت اور کوشش سے ہی میں اس مقام پر پہنچا ہوں۔" اس نے جتایا۔

"زمین کے نیچے رہنے والے محض زمین کے اوپر ہی آجانے کو کامیابی تصور کرتے ہیں۔" وہ استہزائیہ بولی۔

"زمین کے اوپر ہی سب کچھ ہے۔ میں آسمان پر چڑھنے کی خواہش میں اپنے پیر زمین سے اٹھا دینے والے بے عقلوں میں سے نہیں ہوں۔" وہ گہرے لہجے میں بولا۔

"بہرحال میں کچھ نہیں جانتی... مجھے یورپ جانا ہے اور اسی مہینے جانا ہے ورنہ نہیں۔" وہ ہٹیلے پن سے بولی۔

"نہیں تو نہ سہی تمہاری مرضی' مگر فی الحال میں تمہیں لے کر نہیں جا سکتا۔" اس نے قطعیت سے کہہ کر گویا بات ہی ختم کر دی اور فائلیں سمیٹنے لگا۔

"تم مجھے منع کر رہے ہو؟" وہ تحیر آمیز بے یقینی سے بولی۔ اس کی کشادہ آنکھیں مزید پھیل گئی تھیں۔

"ہاں!" وہ کہہ کر فائلیں سمیٹ کر اسٹڈی میں رکھنے چلا گیا۔

"ہیں۔ اسے کیا ہوا؟" وہ اب تک بے یقینی سے کھڑی تھی۔ جن کے لبوں سے صرف آپ کے لیے ہاں نکلتا ہو' جب وہ منکر ہو جائیں تب جو محسوس ہوتا ہے اس وقت وہ وہی محسوس کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اسپتال سے گھر تک کا راستہ بے حد خاموشی سے

طے ہوا۔ سائر لب بھینچے' ماتھے پر شکنوں کا جال پھیلائے ازحد سنجیدگی سے ڈرائیونگ کرتا رہا۔ جبکہ وقار صاحب کسی بہت ہی گہری سوچ میں مستغرق تھے۔ وہ چونکے تب' جب گاڑی گھر کے پورٹیکو میں آکر رکی۔

گھر کے اندر آکر وہ اسی گہری' دبیز خاموشی کے ساتھ بنا کسی کی طرف دیکھے اپنے کمرے کی جانب چلتے چلے گئے۔ ان کے قدم ڈھیلے ڈھالے اور کندھے ڈھلکے ہوئے سے تھے۔ سائر انہیں یوں پژمردہ دیکھ کر عجیب سے ملال میں گھر گیا' مگر دوسرے ہی لمحے اسے اس چالباز' احمق پر شدید تاؤ چڑھ گیا جو اس سب کی ذمے دار تھی۔

"ہونہہ ڈرامے باز' بدکردار عورت۔" وہ تنفر سے سر جھٹک کر اپنے کمرے میں آکر کپڑے تبدیل کرنے لگا۔ شام میں کچھ اسنیکس لے لیے تھے اس لیے بھوک تو اسے فی الحال نہیں تھی البتہ کافی کی طلب شدید تھی۔ ابھی وہ باہر جاکر لالی کو کافی کا کہنے کا سوچ ہی رہا تھا کہ معاً" دروازہ پر دستک ہوئی۔

"لیس کم ان۔" وہ اپنے لیپ ٹاپ کو بیڈ پر رکھتے ہوئے بولا۔ آنے والے وقار تھے جنہیں دیکھ کر وہ یک دم سیدھا ہوا۔

"بابا آپ..... آیئے بیٹھیے۔" اس نے جلدی سے بیڈ کی طرف اشارہ کیا۔

وہ چپ چاپ بیٹھ گئے۔ وہ یونہی کھڑا انہیں سوالیہ نگاہوں سے دیکھے گیا۔

"بیٹھ جاؤ۔" وہ کچھ دیر توقف کے بعد گہری سانس بھر کر بولے۔ وہ بلا چوں چرا بیٹھ گیا۔

"تم جانتے ہو سائر.....!" کچھ دیر بعد ان کی درد میں ڈوبی گہری آواز گونجی۔ "تم نے آج کیا کیا ہے؟ تم نے میری تربیت' میرا مان' میرا تم پر بھروسا' فخر و غرور سب تہہ خاک کر دیا۔" اتنا کہہ کر ان کی آواز رندھ گئی۔

"نہیں بابا! نہیں۔" وہ تڑپ ہی تو گیا۔ "میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ میں تو آپ کو دکھ دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔" اس کے روم روم میں ندامت آمیز بے چینی بھر گئی۔ اس نے وقار کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ انہوں نے چھڑائے نہیں' تاہم اس کی جانب دیکھا بھی نہیں۔

"کیا میں یہ پوچھنے کا حق رکھتا ہوں کہ آخر تم نے اس معصوم کے ساتھ ایسا کیا سلوک روا رکھا تھا جو وہ یوں نڈھال ہو کر رہ گئی۔" ان کی رندھی ہوئی آواز میں ہلکا سا غصہ چھلکا۔

"معصوم؟" اس نے زہرخند انداز سے دہرایا اور ان کے تھامے ہوئے ہاتھ چھوڑ دیے۔ "وہ ہرگز معصوم نہیں ہے بابا! آپ محض چہرے دیکھ کر دھوکا کھا جاتے ہیں۔" وہ نظریں چراتے ہوئے بولا۔

"اچھا۔ ایسا کیا کیا ہے اس نے؟" ان کا غصہ بڑھنے لگا۔

"وہ بدکردار ہے۔" وہ مضطربانہ انداز میں چیخ کر بولا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے الفاظ پر وقار ششدر رہ گئے۔ ان کی نگاہوں میں اتنی بے یقینی اور تحیر تھا کہ سائر جھینپ گیا۔

"مجھے معلوم ہے کہ آپ میری بات کا یقین نہیں کریں گے حالانکہ آپ کو کرنا چاہیے۔" وہ زور دے کر بولا۔ مگر اب کی بار وقار بھڑک گئے۔

"تمہیں اتنا رکیک جملہ اپنی پاک باز بیوی کے لیے ادا کرتے ہوئے ذرا بھی شرم نہیں آرہی؟"

"شرم مجھے نہیں اسے آنی چاہیے۔" وہ بھی بلند آواز میں بولا۔

"وہ غیر لڑکوں کے ساتھ بے تکلفی برتتی ہے' لوگوں کو اپنے پیچھے لگا کر خوش ہوتی ہے۔ بے ہودہ لباس پہنتی ہے۔ پھر بھی اسے شرم نہیں آتی تو مجھے اسے بدکردار کہتے ہوئے شرم کیوں آئے۔" وہ ہذیان بک رہا تھا۔ وقار الزامات کی یہ فہرست سن کر حق دق رہ گئے۔ کچھ دیر بعد ان کے لب پھڑپھڑائے۔

"سائر.....! وہ ایسی نہیں ہے' میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں' میرے بچے۔" وہ بے چارگی سے بولے۔

"وہ ایسی ہی ہے بابا' پلیز آپ اس کی طرف داری مت کریں۔" وہ بے لچک لہجے میں کہہ کر واش روم

میں گھس گیا۔ وقار نے تھکی تھکی سی سانس لی۔
"تو گویا تا عمر مشقت کے بعد بھی میں ناکام ٹھہرا؟"
ان کے ذہن میں یہی سوچ منجمد ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

میرب کے ہوش میں آنے کے بعد کچھ ٹیسٹ کیے گئے۔ وہ اب نارمل مگر بے حد گم صم اور اداس سی تھی۔ ماریہ اس کے نزدیک بیٹھی پیار سے اس کا سر سہلا رہی تھی جبکہ سعدیہ اپنے سیل پر آنے والی کسی کال پر مصروف کوریڈور میں تھیں۔ سعد کہیں گیا ہوا تھا۔
"میرب... میری جان! اب کیسا محسوس کر رہی ہو تم۔ قسم سے یار! تم نے تو جان ہی نکال دی تھی۔" وہ اس کی اداسی زائل کرنے کو شگفتگی سے بولی۔
"ماریہ... کیا سائرہ ابھی تک نہیں آئے۔" اس نے بے چینی سے دریافت کیا۔
"وہ اور انکل دونوں آئے تھے۔ انکل کی طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں تھی اسی لیے انہیں لے کر وہ واپس گھر چلے گئے۔" ماریہ نے اس کی کیفیت کے پیش نظر بات بنائی۔
"ماریہ پلیز... مجھے کچھ دن اپنے گھر لے چلو۔" وہ لجاجت سے بولی۔ ماریہ کی آنکھیں بھیگ گئیں۔
"کیوں نہیں میرب... وہ تمہارا ابھی تو گھر ہے۔" اس نے پچکار کر کہا۔
"نہیں ماریہ! دنیا میں اب میرا کوئی گھر نہیں۔" اتنا کہہ کر وہ رونے لگی۔ ماریہ بے بسی و ترحم سے اسے دیکھنے لگی۔ تب ہی سعدیہ نرس کے ساتھ خوشگوار موڈ میں کمرے میں داخل ہوئیں اور اسے روتا دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔
"کیوں بھئی میرب! کیوں رو رہی ہو؟" وہ اس کے نزدیک آکر پیار سے بولیں۔ نرس سفید لفافہ ہاتھ میں لیے مسکرا رہی تھی۔
"آنٹی! مجھے بابا کے پاس جانا ہے۔" وہ بچوں کے سے لہجے میں بضد ہوئی۔
"ٹھیک ہے چلی جانا۔" انہوں نے اسی انداز میں تسلی دی جسے طفل تسلی کہا جاتا ہے۔ "فی الحال تو ایک خوش خبری سنو۔" وہ معنی خیزی سے مسکرائیں۔ ماریہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔
"تمہارے قدموں تلے جنت تعمیر ہونے جا رہی ہے میرب۔" انہوں نے اسے نم آنکھوں سے دیکھ کر مطلع کیا۔
"ک... کیا مطلب؟" وہ ہکلا گئی۔
"مطلب... آپ امی جان بننے والی ہیں۔" نرس نے شوخی دکھائی۔
"کیا..." ماریہ خوشی سے اچھل پڑی۔
جبکہ اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ وہ بس بے یقینی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"کیا ہوا سب خیریت ہے؟" جوں ہی وہ اپنے کمرے میں داخل ہوئی اسے آغا کا ایس ایم ایس موصول ہوا۔ جواباً" اجیہ نے اسے کال ملالی۔ وہ آج وقار سے اجازت لیے بغیر آغا ہی کے گھر گئی تھی۔ وہاں سے وہ اسے ڈنر کے لیے لے گیا تھا جہاں انہیں بہت سی باتیں ڈسکس کرنی تھیں۔ مستقبل کا لائحہ عمل طے کرنے کے بعد اس نے ہی اجیہ کو گھر ڈراپ کیا تھا۔ اجیہ کچھ خائف سی تھی گھر پر اترتے وقت تب ہی اس وقت آغا نے اسے ایس ایم ایس کر کے حالات جاننا چاہے تھے۔
"کیا ہوا؟" آغا نے چھوٹتے ہی پوچھا۔
"کیا بتاؤں آغا! یہاں تو مسئلہ ہو گیا ہے؟" وہ بیڈ پر ٹک کر ناخن کترنے لگی۔
"کیا ہوا کچھ بتاؤ تو سہی۔" وہ جھنجلا گیا۔
"میری بھابھی ہاسپٹلائز ہو گئی ہیں۔ اب ہمارا کیا ہو گا؟" وہ پریشان کن لہجے میں گویا تھی۔
"یار! ان کے ہاسپٹلائزڈ ہونے سے ہمیں کیا مطلب "آئی مین ہمیں کیا مسئلہ ہو سکتا ہے؟" وہ نا سمجھی سے بولا۔
"بھئی۔ میرے بابا بہت عجیب آدمی ہیں۔ وہ یہ بھی

تو کہہ سکتے ہیں کہ جب تک بھابھی ٹھیک نہیں ہو جاتیں اس وقت تک ہمارے رشتے کی بات نہیں چل سکتی اور پھر ہم نے تو یہی ڈی سائیڈ کیا تھا ناکہ میں بھابھی سے تمہارا ذکر کروں گی اور وہی اپنے طریقے سے بات آگے پہنچائیں گی۔" اس نے مسئلے سے آگاہ کیا۔

"اوہ نو..." وہ یک دم ہی پریشان ہو کر بولا۔ "واقعی یہ تو پرابلم ہو گئی۔ میرے پاس تو زیادہ دن نہیں ہیں' میں تو چاہ رہا تھا کہ کم از کم نکاح ہو جاتا' پھر پیپر وغیرہ بننے میں بھی وقت لگتا ہے۔ میرا تو ذہن بالکل ماؤف ہو گیا یار۔"

"اب کیا کریں؟" وہ سابقہ لہجے میں بولی۔

"چلو کچھ سوچتے ہیں۔ یہ تمہاری بھابھی کو بھی ابھی ہی کچھ ہونا تھا۔" وہ چڑ کر بولا۔

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔" وہ ٹھنڈی سانس بھر کر بولی اور پھر بائے کر کے فون آف کرنے کے بعد اپنے گھٹنے پر چہرہ ٹکا کر لاتناہی سوچوں میں گھر گئی۔

اور اگر ہماری سوچوں ہی کے مطابق مستقبل بسر ہونے لگے تو پھر تقدیر کہاں جائے؟

☼ ☼ ☼

"میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہا تھا۔" پومی آنٹی اپنے موقف کے درست ہونے پر تفاخر سے بولیں۔ "کہ تم اس شخص کے ساتھ رہ کر اپنے آپ کو' اپنی صلاحیتوں کو ضائع کر رہی ہو۔ اس شخص کو نہ تمہارا احساس ہے نہ قدر۔"

وہ لوگ اس وقت پومی آنٹی کے گھر کے لان میں موجود کین کی کرسیوں پر بیٹھے شام کے وقت چائے اور اسنیکس سے شغل فرما رہے تھے۔

"مجھے لگتا ہے آنٹی! آپ کی بات ٹھیک ہی ہے۔ پہلے کی بات اور تھی اب وہ خاصا بدل گیا ہے۔ نہ وہ اب میری باتوں کو اہمیت دیتا ہے نہ فرمائشیں پوری کرتا ہے۔ اور تو اور اب تو ہمہ وقت اس کے سر پر "خسو" نو اور

اس کی پرورش" ہی سوار رہتی ہے۔" اس کی پرسوچ نگاہیں غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہی تھیں۔

"تم ابھی بھولی ہو۔ یہ مرد نامی مخلوق صاحب اولاد ہو جانے کے بعد ہی اپنا اصل چہرہ دکھاتے ہیں جو کم از کم بیویوں کے لیے تو ہرگز خوب صورت نہیں ہوتا۔" وہ ناک چڑھا کر بولیں اور چائے کے گھونٹ بھرنے لگیں۔

"ہوں... تو اب میں کیا کروں؟" اس نے غور سے انہیں دیکھ کر استفسار کیا۔

"حمیدی صاحب کے پاس چوہدری فضل دین کی آفر ہے کہ وہ ان کی فلم ڈائریکٹ کریں... ابھی تو معاملات چل رہے ہیں۔ فلم کی کاسٹنگ وغیرہ بھی نہیں ہوئی تم کہو تو بات کروں؟"

انہوں نے لہجہ بہ ظاہر سرسری سا بنا کر پوچھا' مگر چندا تو اچھل ہی پڑی۔ اس کی بجھتی آنکھوں کی قندیلیں روشن ہو گئیں۔

"کیا ایسا ممکن ہے؟" وہ پرجوش ہو کر بولی۔

"ناممکن بھی ہو تو بھلا میں کس مرض کی دوا ہوں۔ تم سے دوستی کی ہے' تمہارے شوہر کی طرح تم سے غرض کا رشتہ تو باندھ نہیں رکھا۔" وہ جتا کر بولیں۔

"بس تو پھر ٹھیک ہے کیجئے آپ بات... اب کچھ بھی ہو جب اسے میری پروا نہیں تو مجھے کیا پڑی ہے' یوں بھی ایسی روکھی پھیکی سی زندگی تو میرا خواب نہیں تھی۔" وہ پراعتماد ہو کر بولی۔

پومی آنٹی کی چھوٹی چھوٹی میک اپ سے اٹی آنکھیں جگمگانے لگیں۔

☼ ☼ ☼

اک اچھوتا احساس تھا جو اس کے من میں جاگزیں ہو رہا تھا۔ اسے لگا وہ مکمل ہو گئی ہو۔ اسے آج تک ایسی لذت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ وہ خوشی کے اس مقام پر کھڑی تھی جہاں پہنچ کر روح اداس ہو جاتی ہے۔ سو وہ اداس تھی مگر مسرور بھی۔ بہت سے واہمے اندیشے' مایوسیاں بھاپ بن کر اڑ گئے تھے۔ اور وہ ہلکی

پھلکی سی ہو کر گھر آئی تھی۔
"تم کیا کمرے میں اکیلے اکیلے بیٹھی مسکرا رہی ہو؟ چلو تمہیں باہر امی بلا رہی ہیں۔"
ماریہ نے کمرے میں آکر جھانکا۔ وہ اس کی بات سن کر چونکی پھر اثبات میں سرہلا کر اس کے پیچھے چلتی ہوئی لاؤنج میں چلی آئی۔ سعدیہ فون پر مصروف گفتگو تھیں۔ اسے دیکھ کر بولیں۔
"لیں بھائی صاحب آگئی میرب' خود ہی اس سے بات کرکے تسلی کرلیں۔" انہوں نے فون اسے پکڑایا۔
وہ یک لخطہ محجوب سی ہوگئی تاہم سنبھل کر اس نے ابراہیم صاحب کو سلام کیا۔
"وعلیکم السلام میری بیٹی میرے جگر کا ٹکڑا! کیسی ہو تم؟" ان کے حلیم لہجے میں محبت کی چاشنی تھی۔
"جی بابا! اللہ کا شکر ہے بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ کی طبیعت کیسی ہے' عاشر کیسا ہے۔" اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔
"ہم لوگ ٹھیک ہیں میرے بچے! تمہارے گھر میں تو سب ٹھیک ہے نا؟ سائر کیسا ہے؟ اس سے تو بات ہی نہیں ہوپاتی۔" ان کے لہجے میں شکوہ تھا۔
"سب ٹھیک ہے بابا! سائر اصل میں بہت مصروف رہتے ہیں آج کل' کچھ کاروباری مسائل ہیں بس ان ہی میں الجھے ہوئے ہیں۔ آپ کو تو اکثر سلام دیتے ہیں' میں ہی پہنچانا بھول جاتی ہوں شاید۔" وہ سائر کے تذکرے پر بجھ سی گئی۔
"اسے وعلیکم السلام کہنا اور بہت دعائیں دینا اور ہاں بیٹا! زندگی کے اس نئے موڑ پر گھبرانا نہیں۔ میں دعاگو ہوں تمہارے لیے۔ جی تو چاہ رہا ہے اڑ کر وہاں پہنچ جاؤں' مگر مجبور ہوں کہ اکیلے سفر نہیں کرسکتا اور عاشر کو چھٹی ملے گی نہیں۔" وہ اداسی لیے بولے۔
"بابا جان! آپ پلیز اداس مت ہوں۔ بس دعا کرتے رہیں میرے حق میں۔" وہ بھی رنجیدگی سے بولی۔
"چلو بیٹے رکھتا ہوں۔ اللہ تمہیں خوش رکھے۔" انہوں نے فون بند کردیا۔ اس نے بھی ڈھیلے انداز میں ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔
"کیوں بیٹا... کیوں اتنی بجھی بجھی سی بیٹھی ہو۔" سعدیہ نے اس کے لیے جوس لاتے ہوئے پوچھا۔
"آنٹی پلیز... میرے لیے اتنا تردد مت کریں۔" اس نے انہیں جوس کا گلاس لاتے دیکھ کر شرمندگی سے کہا۔
"یہ تم نے غیروں جیسی باتیں کب سے شروع کردیں۔ کیا تم میری بیٹی نہیں ہو۔" وہ اس کے قریب بیٹھ کر خفگی سے بولیں۔
"آنٹی پلیز... آپ لوگ ہی تو میرے اپنے ہیں۔ آپ کو میں غیر کیوں سمجھوں گی۔" وہ بولی۔
"غیر تو تم سمجھتی ہو بیٹا۔" وہ کچھ ناراضی سے بولیں۔ "اگر اپنا سمجھتیں تو کیوں سارے دکھ اکیلے جھیلتی رہتیں۔" ان کی بات پر میرب کا سر جھک گیا۔
"مجھے اپنا پندار عزیز ہے آنٹی۔" وہ دھیرے سے بولی۔
"پندار کو عزیز رکھنا اچھی بات ہے' مگر تجربے کی بات ہے کہ محض پندار کے سہارے زندگی نہیں گزرتی۔ زندگی مسائل کا حل مانگتی ہے۔"
"میں اپنے طور پر اپنا مسئلہ حل کرنا چاہتی تھی۔"
"مگر کیا تمہارا مسئلہ حل ہوا؟ نہیں نا۔ تو کیا اب بھی تمہیں کسی کی رہنمائی کی ضرورت نہیں؟"
وہ خاموش رہی۔ وہ کچھ دیر اسے بہ غور دیکھتی رہیں۔
"اب کیا سوچا ہے تم نے۔ ابھی تو میں نے بھائی صاحب کی طبیعت اور دوری کے پیش نظر یہ بات ان سے چھپالی' مگر کیا یہ بات اتنی ہی معمولی ہے کہ تادیر مخفی رہ سکے؟ کیا تمہیں یقین ہے کہ انہیں دوسری جانب سے بھی یہ بات معلوم نہیں ہوگی کہ تمہارے اور سائر کے مابین کچھ بھی ٹھیک نہیں؟" انہوں نے میرب کے سامنے ان گنت سوال رکھ دیے۔
"تو پھر میں کیا کروں؟" وہ سسک اٹھی۔ "اس بے یقین آدمی کو اپنی وفا کا یقین کیسے دلاؤں؟ اس بدگمان شخص کی بدگمانیاں کیسے دور کروں؟ وہ جو ایک عورت کی

بے وفائی کا بدلہ مجھ سے لے رہا ہے۔ اسے انتقام لینے سے کیسے روکوں؟" وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

سعدیہ اسے تاسف سے دیکھنے لگیں۔ مگر یہ وقت افسوس کرنے سے کہیں زیادہ سوالات کرنے کا تھا۔

"اس نے تم سے خود یہ بات کہی ہے کہ وہ کسی اور کو چاہتا تھا؟" سعدیہ کو ماریہ ساری صورت حال سے آگاہ کر چکی تھی۔

"نہیں۔" اس نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔ "مگر مجھے یقین ہے کہ یہی بات ہو گی۔" اس نے یقین سے کہا۔

"بیٹی۔ زندگی مفروضوں کی بنا پر نہیں گزرتی۔ تمہیں اس سے کھل کر بات کرنی چاہیے۔" انہوں نے سمجھایا۔

"بات تو تب کروں نا جب وہ کرنے دیں۔ ان کا جی چاہتا ہے تو بات کرتے ہیں ورنہ نہیں۔" وہ کچھ چڑ کر بولی۔

"یہ تو عجیب بات ہے۔" وہ کچھ پریشان سی ہو گئیں۔ "تب پھر یہ مسئلہ کیسے حل ہو؟ وہ تو یوں چپ کر کے بیٹھ گئے ہیں گویا جان چھوٹی ہو۔"

"جان ہی تو چھوٹی ہے ان کی۔" وہ تلخ ہوئی۔ اس نے سائر کے ہاتھ اٹھانے کا ابھی تک کسی کو بھی نہیں بتایا تھا۔ کیسے بتاتی؟ خود کو ارزاں کرنا دوسروں کی نظر میں آسان نہیں ہوتا۔

"ایسے تو معاملات نہیں چلیں گے۔ مجھے ہی کچھ کرنا ہو گا۔ تم ہی اسے فون کر کے یہ خوش خبری سنا دو، شاید اس کے مزاج پر خوش گوار اثر پڑے۔" وہ جیسے کسی نتیجے پر پہنچ کر بولیں۔

"آپ کو کیا لگتا ہے، وہ یہ خبر سن کر مجھے لینے دوڑے چلے آئیں گے۔" وہ طنزیہ بولی۔

"نہ آئے مگر اس کے علم میں یہ بات لانی بھی تو ضروری ہے۔"

"تو پھر آپ ہی بتا دیجیے۔ میں تو ہرگز بھی انہیں فون نہیں کروں گی۔" وہ قطعیت سے کہہ کر اٹھی اور لاؤنج عبور کر گئی۔

سعدیہ کی تفکر میں ڈوبی آنکھیں اس کے تعاقب میں تھیں۔

☼ ☼ ☼

پومی آنٹی نے اپنے نئے گھر کی خوشی میں پارٹی دی تھی اور چندا کو ہدایت تھی کہ بہترین انداز میں تیاری کر کے آئے کہ وہاں پومی آنٹی اور ان کے شوہر حمیدی صاحب کے حلقہ احباب نے جمع ہونا تھا۔ چوہدری صاحب بھی مدعوئین میں شامل تھے۔ چندا نے آج کی تقریب میں اپنے تن پر سجانے کے لیے سفید براق۔ نیٹ کی ساڑی کو چنا تھا جو سفید اور ہلکے نیلے نگینوں کے کام مزین تھی۔ فیروزے اور زرقون کا سیٹ ان کی شادی کی سالگرہ پر جمیل نے اسے گفٹ کیا تھا۔ اس نے وہی پہن لیا۔ ریشمی تھان سی مرمریں کلائیوں میں نگینے جڑا کڑا گھمایا۔ غزالی قاتل آنکھیں گہرے نیلے رنگ میں رنگین۔ ہونٹوں پر چمکدار مگر ہلکی گلابی لپ اسٹک جمائی۔ بالوں کے سروں کو اس نے لوز کرل کر لیا تھا وہ یوں ہی پشت پر لہرا رہے تھے۔ آخر میں "بولڈ" کی مسحور کن خوشبو اسپرے کی۔ سلور چمکدار اونچی ہیل کے سینڈل پہنے۔ چھوٹا سا پرس مٹھی میں دابے، وہ تقریب میں جانے کے لیے بالکل تیار تھی۔

اس وقت رات کے آٹھ بجے کا عمل تھا۔ جمیل کو آج دیر سے گھر آنا تھا وہ فون پر اسے مطلع کر چکا تھا اور وہ بھی اسے مسز حمیدی کے گھر کی اس "پارٹی" کے متعلق بتا چکی تھی۔ مگر اتنا ہی کہ ان کے نئے گھر کی خوشی میں پارٹی ہے مگر وہاں کیا ہو گا، یہ بتانا اس نے ضروری نہیں سمجھا تھا۔

ٹھیک آٹھ بجے پومی آنٹی کا ڈرائیور اسے لینے گھر کے باہر موجود تھا۔ پومی آنٹی نے چندا کو پک کرنے کے لیے، بہ طور خاص اسے بھیجا تھا۔

وہ اپنی کمان دار کمر لچکاتی نزاکت سے گاڑی میں آ بیٹھی۔ اس نے گھر سے نکلتے وقت براؤن شال لپیٹ

لی تھی۔ جو اس نے یوپی آنٹی کے گھر میں داخل ہونے سے قبل اتار کر گاڑی ہی میں رکھ دی تھی کہ واپسی بھی تو اسی گاڑی میں ہونی تھی۔

یوپی آنٹی کے وسیع و عریض گھر کے بقعہ نور بنے لان میں وہ جس دم داخل ہوئی ایک لحظہ جھجک سی گئی کہ وہ بھلا کب اتنی شاندار تقریبات کا حصہ رہی تھی؟ ان کی کلاس میں تو تقریب کے نام پر محض شادی ولیمہ ہی بڑے پیمانے پر کیا جاتا تھا۔ بہت ہوا تو عقیقہ سالگرہ وغیرہ۔ جہاں کی سجاوٹ مہمان اور کھانے سب ہی اوسط درجے یا اس سے کچھ نیچے ہی ہوتے تھے۔

یہی دنیا تو ہے میری منزل۔ جہاں سب کچھ محض "اپورچ" نہیں بلکہ بہترین ہے۔ شاندار ہے پر تعیش ہے۔ اس کی ساحر آنکھیں خوابناک سی ہو کر کئی ایک لوگوں کو اس کی جانب متوجہ کر گئیں۔

"ارے چندا!" یوپی آنٹی کی گرم جوش آواز اسے ہوش میں لے آئی "یہاں کیوں کھڑی ہو ارے بھئی آؤ نا۔" انہوں نے بڑے پرتپاک انداز میں اسے خوش آمدید کہا تھا۔ وہ ان کی معیت میں یوں قدم اٹھاتی گئی گویا کسی ریاست کی شہزادی ہو۔ وہاں موجود کئی "شوقین" اس کی جانب مکمل متوجہ ہو گئے۔ کئی ایک کو اپنا دل اس کے قدموں کے ساتھ گھسٹتا محسوس ہوا۔ مگر وہ شان بے نیازی سے ان کے دل روندتی ہوئی چوہدری صاحب کے پاس جا کر ٹھہر گئی۔

"دیکھیں چوہدری صاحب! کیا ہیرا ڈھونڈا ہے آپ کے لیے۔ کیا داد نہیں دیں گے۔" یوپی آنٹی نے چوہدری صاحب کو مخاطب کر کے کہا۔ وہ جو کسی سے مصروف گفتگو تھے پلٹے اور ان کی آنکھیں چندھیا گئیں۔

"واہ۔ واہ بھئی واہ مسز حمیدی جواب نہیں آپ کے انتخاب کا۔" انہوں نے اسے تولتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مشروب کا گھونٹ بھرا۔

"تو۔ کیا کرتی ہیں یہ؟"

چندا نے لب کھولے مگر کچھ سوچ کر بند کر لیے۔

"پڑھتی ہے کالج میں بہت شوق ہے اسے اداکاری کرنے کا۔" انہوں نے گڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"اچھا شوق ہے اور ان کا شوق انہیں بالکل صحیح مقام پر لے کر آیا ہے۔" اس نے کہا۔

"اچھا چندا تم ذرا چوہدری صاحب کو کمپنی دو میں اپنے مہمانوں کو اٹینڈ کر لوں۔" یوپی آنٹی نے چندا کا داہنا ہاتھ دباتے ہوئے گویا اسے کچھ اشارہ دیا۔ اور اسے سمجھا کر آگے بڑھ گئیں۔

اسے چوہدری کے ساتھ کھڑا دیکھ کر دیگر کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی۔ مگر یہ ان کے ہاں کا مروجہ اصول تھا کہ کوئی دوسرا کسی کے خاص مہمان کو بہکا کر اپنی جانب متوجہ نہیں کر سکتا تھا۔

"کہاں پڑھتی ہیں؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ابھی کالج میں ہوں۔" اس نے دھیمے سے بتایا۔

"اچھا۔ اچھا خیر پہلے اداکاری وغیرہ کا تجربہ ہے؟"

"جی۔ جی نہیں بس کالج ہی میں اسٹیج ڈرامے وغیرہ کیے ہیں۔"

"چلیں خیر۔ آپ کا تو یہ قاتل حسن ہی کافی ہے۔" اس نے چٹخارا لے کر کہا۔ اس کا انداز چندا کو اچھا تو نہیں لگا مگر پروفیشنل ازم کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ اس لئے محض اک خاص انداز سے مسکرا دی۔

"آپ کے ہاتھ خالی ہیں۔ کچھ شوق نہیں فرمائیں گی؟"

"جی نہیں شکریہ۔" اس نے ناگواری سے ناک چڑھائی۔

"کیا ادا ہے۔" وہ عش عش کر اٹھا۔ "آپ تو بنی بنائی ہیروئن ہیں جی آپ پر محنت نہیں کرنی پڑے گی۔ قسم سے اک بار آ جائیں اسکرین پر تہلکہ مچا دیں گی۔"

اچانک ہی فضا بے ہنگم موسیقی سے گونج اٹھی۔ اور کچھ لوگ اپنے پارٹنرز کے ساتھ تھرکنے لگے۔ چوہدری نے بھی مشروب کا خالی گلاس ویٹر کو تھما دیا اور کمال بے تکلفی سے اس کی نیم برہنہ کمر میں ہاتھ ڈال کر بولا۔

"ساتھ نہیں دیں گی۔"

"کیوں نہیں۔" وہ پذیرائی کرنے والے انداز میں مسکرائی تھی۔ اور دوران رقص ہی چوہدری اس کے متعلق بہت کچھ سوچ چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

"مگر یہ کیوں ہوتا ہے کہ کرتا تو کوئی اور ہے اور بھگتنا اس کے متعلقین کو پڑتا ہے۔" وقار نے کتاب نشانی لگا کر بند کی اور ٹیبل پر رکھ کر چشمہ دائیں ہاتھ سے اتار کر ساتھ ہی رکھ دیا۔ اور خود کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔ وہ آج کل اپنا زیادہ۔ وقت اسٹڈی میں گزار رہے تھے گھر میں سوائے لالی سے ضرورتاً" بات کرنے کے کسی سے بھی بات نہیں کر رہے تھے۔ ان کا ذہن الجھنوں کا شکار تھا۔ خدشے تھے کہ انہیں چین نہیں لینے دے رہے تھے۔ سائر کا رویہ ہنوز اول روز جیسا تھا۔ اور یہی بات انہیں خطرے کی گھنٹی محسوس ہو رہی تھی۔

اور میری ساری زندگی اسی ڈر کے تحت گزری ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہیں ویسا نہ ہو جائے مگر تب تو ایسا یا ویسا کچھ بھی نہیں ہوا اور اب یہ صورت حال۔ میں کیا کروں کس سے مدد مانگوں۔ ابراہیم کیا سوچے گا' کیا یہی سب کرنے کے لیے اس کی بیٹی کو گھر لائے تھے؟

وہ ان ہی سوچوں میں غلطاں تھے تب ہی ٹیبل پر رکھا ہوا ان کا فون زور سے بج اٹھا۔ انہوں نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں اور فون اٹھا کر دیکھا سعدیہ کے گھر کا نمبر تھا۔ "اٹھاؤں یا نہ اٹھاؤں' ان کے سوالوں کا میں کیا جواب دوں گا؟" وہ شش و پنج میں پڑ گئے۔ فون بج بج کر خاموش ہو گیا۔

"مگر خاموشی تو فرار ہے۔ اب جو بھی ہو' اللہ مالک ہے۔" انہوں نے ٹھنڈی سانس بھری تب ہی فون پھر بجنے لگا۔

"ہیلو۔ السلام علیکم۔ میں سعدیہ بات کر رہی ہوں بھائی صاحب۔" انہوں نے کہا۔

"وعلیکم السلام۔ جی بھابھی اسنائیے کیا حال ہے آپ کا۔" انہوں نے محتاط ہو کر بات شروع کی۔

"ہم تو اللہ کا شکر ہے ٹھیک ہیں' آپ سنائیے وہاں کا کیا حال ہے۔ آپ نے تو پلٹ کر کال بھی نہیں کی۔" ان کے لہجے میں تشویش بھی تھی اور شکوہ بھی۔

"جی بس۔ کچھ مصروفیت تھی' اک دو روز میں چکر لگاتا ہوں۔" ان کا لہجہ بے یقین سا تھا۔

"جی ضرور' فی الحال تو میں نے آپ کو ایک خوش خبری سنانے کے لیے فون کیا ہے۔ خیر سے آپ دادا بننے جا رہے ہیں۔ مبارک ہو آپ کو۔"

"کیا کہا؟" انہیں لگا ان کی سماعت کو دھوکا ہوا ہے۔

"جی بالکل' اللہ نے کرم کیا ہے' میرو منتظر ہے بھائی صاحب! لاکھ یہاں ہر طرح کا آرام ہے مگر اسے اس حالت میں روحانی مسرت و قلبی سکون تو بہرحال اپنے شوہر کی کے گھر جا کر حاصل ہو گا۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا میری بات۔" وہ سنجیدگی سے بولیں۔

"بھابھی صاحبہ! بالکل سمجھ رہا ہوں آپ فکر مت کریں۔ بس بچی کا بہت خیال رکھیں ان شاء اللہ میں آج یا کل آ کر اسے لے جاؤں گا۔" ان کی آواز مارے خوشی کے کپکپا رہی تھی۔

"آج یا کل تو نہیں' فی الحال تو وہ یہیں ہے۔ ماریہ کی تاریخ طے ہونے تک۔"

"ملنے تو آ سکتا ہوں؟" انہوں نے پوچھا تو وہ شرمندہ ہو گئیں۔

"کیسی باتیں کرتے ہیں آپ' جب چاہیں آئیں۔ آپ کا اپنا گھر ہے۔ مگر آپ سائر کے ساتھ آئیں گے تو مجھے زیادہ خوشی ہو گی۔"

"چلیں دیکھتا ہوں۔" ان کا مسکراتا لہجہ کچھ ماند پڑ گیا۔ "بھابھی صاحبہ آپ سے ایک التجا کرنی تھی۔" وہ جھجک کر بولے۔

"جی بولیے۔"

"آپ فی الحال ابراہیم سے ان سب باتوں اور حالات کا تذکرہ مت کیجیے گا خدارا۔" ان کی آواز شرمندگی سے مغلوب تھی۔

"ارے نہیں۔" وہ صرعت سے بولیں "بلکہ میں

خود آپ سے یہی کہنے والی تھی کہ خوامخواہ ابراہیم بھائی کو پریشان مت کیجیے گا۔"

"میں سمجھتا ہوں۔"

"اچھا رکھتی ہوں۔ آپ کی منتظر رہوں گی۔" انہوں نے یاد دلایا۔

"ان شاء اللہ میں کل ہی چکر لگاتا ہوں۔" فون بند کرنے کے بعد انہوں نے ایک تروتازہ سی سانس لی۔ انہیں لگ رہا تھا گویا وہ پھر سے جوان ہوگئے ہوں۔

☼ ☼ ☼

"کیوں کیا ہوا؟ اتنی افسردہ اور پریشان سی کیوں ہو؟" گل نے شربت بنا کر لاتے ہوئے پوچھا۔ آج کئی دن بعد اجیہ نے اس کے پاس چکر لگایا تھا۔

"بس کیا بتاؤں امی' اچانک ہی بھابھی کی طبیعت کچھ خراب ہوگئی اور وہ اسپتال سے اپنے گھر چلی گئی ہیں۔ معلوم نہیں ان کے اور سائر بھائی کے بیچ کیا مسئلہ ہوگیا ہے مگر مصیبت میرے لیے کھڑی ہوگئی ہے۔" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"تم کیوں فکر مند ہورہی ہو اتنی۔" گل بے پروائی سے بولی۔ "ہوگیا ہوگا کسی بات پر جھگڑا۔ میاں بیوی تو یوں بھی لڑتے جھگڑتے ہی رہتے ہیں۔" اس نے کہہ کر ٹھنڈا ٹھار شربت کا گلاس لبوں سے لگایا۔

"مجھے ان کی پرواہ نہیں اپنی فکر ہے۔ میرا معاملہ تو کھٹائی میں پڑ گیا نا۔" وہ چڑ کر بولی۔ "گھر میں ہر کوئی اسی ٹینشن میں مبتلا ہے۔ ایسے میں میرے معاملے کو کون دیکھے گا۔" کالی اسے سب خبریں بہم پہنچاتی رہتی تھی۔

"چچ۔ چچ۔" گل نے متاسف سے لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "کس قدر خود غرض ہیں یہ باپ بیٹا۔ انہیں تمہاری کوئی پروا ہی نہیں۔ سچ کہتی ہوں میری بچی' تجھے دیکھتی ہوں تو کلیجہ شق ہونے لگتا ہے۔ کاش تیری شادی ہی میں اپنے ہاتھوں سے کر سکتی' تیری پرورش تو نہ کر سکی۔" وہ گلاس رکھ کر رقت لہجے میں بولی۔

"امی!" اس نے جھٹ اپنی بانہیں اس کے گلے میں ڈال کر پیار سے کہا۔ "یہ بھی آپ ہی کی خواہش ہے کہ آپ سے تعلق کو میں پوشیدہ رکھوں ورنہ تو مجھے اب آپ سے ایک پل بھی دور رہنا گوارا نہیں ہے۔"

"تب ہی بیاہ کر سات سمندر دور جانے کا منصوبہ بنائے بیٹھی ہو۔" اس نے خفگی سے اس کے ہاتھ ہٹائے۔ وہ کچھ پریشان سی ہوگئی۔ پھر صفائی دینے والے انداز میں بولی۔

"مگر امی! یہ تو ہم دونوں ہی کے لیے اچھا ہے نا' شادی کے بعد میں آپ کو وہیں اپنے پاس بلالوں گی۔"

"خاک بلالوگی۔ وہ تمہارا شوہر بلانے دے گا تب نا۔"

"نہیں امی! وہ ایسا نہیں۔ میری ہر بات مانتا ہے۔" اس نے آغا کا دفاع کیا۔

"ہونہہ۔ شادی کے بعد عورت مرد کے لیے صرف بیوی ہوتی ہے۔ جس کی بات ماننا یا سننا وہ اپنی توہین سمجھتا ہے۔" وہ زہر آلود لہجے میں بولی۔

"امی۔ آپ دنیا کے ہر مرد کو بابا جیسا کیوں سمجھتی ہیں۔"

"کیونکہ سارے مرد ایک جیسے ہوتے ہیں۔" وہ کرختی سے بولی۔

"چھوڑیں یہ بے کار کی بحث۔ میرے لیے دعا کریں۔ آغا بہت غصے میں ہے۔ پتا نہیں ہمارا کیا بنے گا۔" وہ مضطربانہ انداز میں اپنی انگلیاں چٹخاتی ہوئی بولی۔

"(بنے گا تو وہی جو میں بنانا چاہتی ہوں۔ عنقریب وہ وقت آیا ہی چاہتا ہے میری بچی!)" گل نے دل میں مسکراتے ہوئے کہا مگر بولی تو یہ کہ۔

"ہاں بیٹا۔! میری ساری دعائیں تیرے ہی لیے ہیں۔"

☼ ☼ ☼

کچھ دیر قبل ہی وقار صاحب نے کسی نتیجے پر پہنچ کر سائر کو اسٹڈی میں طلب کیا تھا اور اب وہ ٹیبل کے سامنے رکھے لائٹ براؤن صوفے پر خاموشی سے

سر جھکائے بیٹھا تھا۔

"تمہیں صاف صاف بتانا ہوگا کہ تمہیں میرب سے کیا شکایت ہے؟" وقار صاحب کی بارعب آواز گونجی۔ سائر نے سر نہیں اٹھایا۔

"میں بتا چکا ہوں۔" اس نے بھی دو ٹوک کہا۔

"میرے نزدیک ان بے کار اور واہیات باتوں کی کوئی اہمیت نہیں۔" بیک جنبش قلم انہوں نے اس کی بات رد کی۔

"مگر میرے لیے ہے۔" سر ہنوز جھکا ہوا تھا۔ اور نگاہیں براؤن کارپٹ پر مرکوز تھیں۔

"ہوں۔" انہوں نے پر سوچ ہنکارا بھرا۔ "تو پھر آگے کا کیا سوچا ہے؟" انہوں نے نگاہیں سائر پر گاڑ کر جاننا چاہا۔ وہ خاموش رہا۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔" وہ تحکمانہ بولے۔

"میں نے فی الحال کچھ نہیں سوچا۔" کچھ دیر توقف کے بعد مدہم انداز میں کہا۔

"یہ تو اچھی بات ہے کہ تم کوئی سنگین فیصلہ کرنے میں متامل ہو۔" انہیں کچھ اطمینان ہوا۔ "اب جو میں تمہیں بتانے جا رہا ہوں ہو سکتا ہے وہ سن کر تمہیں فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔" انہوں نے کچھ دیر ٹھہر کر اس کے تاثرات جانچے۔ وہ ہنوز چہرے کے عضلات تانے بیٹھا تھا۔ انہوں نے بات کا سرا وہیں سے جوڑا۔

"تمہاری بیوی ماں بننے والی ہے۔ بہتر ہے کہ تمہارے بیچ جو بھی معاملات بگڑ گئے ہیں انہیں درست کرلو اور اسے گھر لے آؤ۔" یہ اطلاع نہیں دھماکا تھا۔ سائر کے کان سنسنانے لگے۔ اس نے ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

وہ سنجیدہ مگر مطمئن سے بیٹھے تھے گویا اب سب ٹھیک ہونے والا ہو۔

مگر نہیں۔ کہیں کچھ بہت غلط ہو گیا تھا۔ اور غلطیوں کو بہرحال سدھارنا تو پڑتا ہی ہے۔

"ٹھیک ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔" وہ عجلت میں کہتا ہوا اضطراری انداز میں کمرہ عبور کر گیا۔ وقار نے اک پدرانہ شفقت بھری مسکراہٹ سے اس کا بے قرار انداز دیکھا۔ اور سر جھٹک کر پھر سے کتاب اٹھالی۔

انہیں محسوس ہوا تھا کہ اب تو سب ٹھیک ہی ہونا ہے۔ اب تو سب ٹھیک ہی ہوگا۔!

☼ ☼ ☼

"اب بتا بھی دیجئے پومی آنٹی! آخر ایسی کیا بات ہو گئی جو آپ اتنی پُرجوش ہو رہی ہیں۔" چندا نے بے چینی سے دریافت کیا۔

"بتاتی ہوں۔ بتاتی ہوں۔ آخر اتنی جلدی بھی کیا ہے۔" بشیرن ٹیبل پر چائے سرو کر رہی تھی۔ شام کا ٹھنڈا وقت تھا۔ پومی آنٹی نے سہ پہر ہی چندا کو فون کر کے شام میں اپنی آمد کی اطلاع دے دی تھی۔ چندا تب ہی سے خاصی مضطرب اور بے تاب تھی۔

"ہاں تو اب سنو۔" پومی آنٹی نے بشیرن کے جانے کے بعد چپس اٹھا کر منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ "چوہدری صاحب تمہیں اپنی فلم کی ہیروئن بنانے پر تیار ہو گئے ہیں۔"

"کیا!" چندا کی چیخ بڑی بے ساختہ تھی۔ "آپ سچ کہہ رہی ہیں نا۔" اندرونی جوش و مسرت سے اس کا حسین چہرہ گلنار ہو گیا۔

"لو مجھے جھوٹ بولنا ہوتا تو گلبرگ سے یہاں تک کا سفر طے کر کے آتی۔ میں نے کہا تھا نا چندا ڈیئر! اپنی قسمت خود بنانی پڑتی ہے اور پھر ہم جس کا ساتھ دینے کی ٹھان لیں اسے منزل پر پہنچا کر ہی دم لیتے ہیں۔" وہ شان بے نیازی سے بولی۔

"مان گئے آپ کو۔ مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا۔" وہ جذباتی ہو کر بولی۔

"ارے بھئی یقین کر بھی لو۔" آنٹی ہنستے ہوئے بولیں۔ "بس اب سمجھو سارے ہی معاملات تیزی سے آگے بڑھیں گے۔ ایسا کرو کہ کل شام چوہدری صاحب کے گھر چل کر اپنا رول وغیرہ پڑھ کر کانٹریکٹ سائن کرلو۔ فلم سے متعلق کچھ ڈسکشنز بھی وہیں کرلیں گے ہیں کیوں کیا خیال ہے؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں جیسا آپ کہیں۔" اس پر تو

گویا شادیٔ مرگ کی سی کیفیت طاری تھی۔
"ہاں بس تو پھر ٹھیک ہے۔ سچ چندا! تم بڑی خوش قسمت ہو۔" انہوں نے اس کے اندر ہوا بھری۔ چندا نے کرن انگڑائی۔
"واقعی چوہدری صاحب کافی پروفیشنل بندے ہیں۔ میں تو ان کی قائل ہو گئی۔" چندا داد دینے والے انداز میں بولی۔
"ہاں نا۔" آنٹی نے تائیداً کہا۔ "اب دیکھو نا ان کی جگہ کوئی اور بندہ ہوتا تو خواہ مخواہ الٹی سیدھی شرائط رکھتا۔ انہوں نے تو سیدھا سادا پیغام بھجوایا ہے تمہیں۔" انہوں نے چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے توتے کی طرح آنکھیں نچائیں۔
"پیغام! کیسا پیغام؟" چندا نے مسکراتے ہوئے یونہی پوچھا۔
"بھئی۔" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔ "صاف اور سیدھی بات ہے اتنا تو تم جانتی ہی ہو کہ اس فیلڈ میں کچھ لو اور دو کا اصول چلتا ہے۔ اب اگر وہ تمہیں اتنا بڑا چانس یونہی دے رہے ہیں تو ان کے جذبات کا خیال کرنا تمہارا فرض بنتا ہے۔" وہ کچھ مبہم سے انداز میں بول رہی تھیں۔ چندا کو الجھن ہونے لگی۔
"آپ صاف صاف بات کہیے۔" اس نے ٹوکا۔
"صاف بات تو یہ ہے کہ چوہدری صاحب تم سے شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔" وہ تو یوں بولیں گویا یہ کوئی ازحد معمولی بات ہو مگر چندا کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔
"کیا مطلب؟" وہ کھٹے لہجے میں بے ساختہ بولی۔
"مطلب کیا پوچھ رہی ہو۔ بھئی سیدھی سی بات ہے وہ تم سے شادی کرنے کی صورت ہی میں تمہیں اپنی فلم کی ہیروئن کاسٹ کریں گے۔" انہوں نے بغیر لاگ لپیٹ کے کہہ دیا۔
"یہ کیا بکواس کر رہے ہیں وہ۔ میں شادی شدہ ہوں۔ ایسا کیسے ممکن ہے۔" وہ آتش فشاں بن گئی۔
"مگر ان سے تو تم کالج گرل کی حیثیت سے ملی ہو نا بابا؟" یوں آنٹی نے اکتا کر اسے یاد دلایا۔
"مگر وہ تو آپ ہی نے کہا تھا اس لیے میں نے ایسا کہا۔" اس نے بھی ہاں وہاں کروائی۔ مگر یوں نے بڑا سا ٹکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔
"تو کیا بتاتی کہ تم شادی شدہ اور ایک بچے کی ماں ہو۔ انہوں نے تو یہ سن کر تمہیں قریب بھی پھٹکنے نہ دینا تھا۔ لاکھوں روپے بھلا ہولی شے پر لگا کر انہیں اپنا سرمایہ ڈبونا ہے کیا؟ بی بی! تم کس جہاں میں ہو۔ یہ مایا نگری ہے یہاں سچ کی کوئی قیمت نہیں۔ جھوٹ کا سکہ چلتا ہے انہوں نے صاف کہا ہے تم سے شادی کرنے کی صورت ہی میں وہ تمہیں اپنی فلم میں لیں گے ورنہ نہیں۔" وہ کاٹ دار لہجے میں بولتی چلی گئیں۔
"مگر آپ تو کہہ رہی تھیں کہ ان کی کوئی شرط نہیں پھر یہ کیا ہے۔" وہ بگڑ کر بولی۔
"اسے شرط نہیں ڈیل کہتے ہیں۔ تم چاہو تو بنا شادی کے بھی ان کے ساتھ۔" مگر ان کی بات ادھوری رہ گئی۔
"کیا بکواس کر رہی ہیں آپ یوں آنٹی۔" وہ بپھر گئی۔ "مجھے ہیروئن بننا ہے فاحشہ نہیں۔"
"زیادہ پارسا بننے کی ضرورت نہیں۔ تم اتنی ہی تو بھولی ہو نا! ارے بی بی! جب اپنے حسن کی نمائش لگاؤ گی تو خریدار بھی آئیں گے اور لٹیرے بھی۔ یہ تو ان کی شرافت ہے کہ وہ لوٹنے پر یقین نہیں رکھتے۔ اور بالفرض تمہیں وہ یا کوئی اور کسی بھی شرط اور مطالبے کے بنا کام دے بھی دے تو تب تم اپنے اس دقیانوسی اور اجڈ شوہر کا کیا کرو گی؟ وہ تمہیں چپکے اتنی ہی آسانی سے یہ کام کرنے دے گا نا۔ چندا جان! خواب دیکھنے اور انہیں حقیقت بنانے میں آسمان سے زمین تک کا سفر کرنا پڑتا ہے۔ یہ نخرے مارکیٹ میں نہیں چلیں گے۔" وہ استہزائیہ کہتے کہتے آخر میں ناراضی سے بولیں۔
"کیا کوئی اور صورت نہیں یوں آنٹی؟" وہ حقائق کی روشنی میں کچھ دھیمی ہو کر بولی۔
"ہے نا۔ گھر بیٹھ کر انتظار کرو بچہ پالو۔" وہ طنزیہ بولیں۔ "میں تو اب چلوں گی۔ دیکھو چندا! تمہاری دوستی کے چکر میں، میں نے تمہیں چوہدری سے متعارف کروایا

تھا ورنہ تو یہاں نہ حسن کی کمی ہے نہ لیلنٹ کی اور جو لڑکیاں مارکیٹ میں نکلتی ہیں وہ اتنی شرائط اور پابندیوں کے ساتھ آگے نہیں بڑھ پاتیں۔ میں نے تمہیں سمجھایا باقی تمہاری مرضی۔ تمہارا جو فیصلہ ہو مجھے وہ تین دن میں سوچ کر بتا دو فون پر۔ میں اب یہاں نہیں آؤں گی۔ مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں۔"

وہ نخوت سے کہہ کر اٹھیں اور اپنا کولڈن پرس بغل میں داب کے چل دیں۔ اسے خدا حافظ بھی نہیں کہا۔ چندا نے بے ساختہ آنسو بہانے شروع کردیے تھے۔

"میری تو قسمت ہی پھوٹی ہوئی ہے۔ کیا ہے جو وہ کم بخت چوہدری بغیر اس واہیات شرط کے مجھے قلم میں لے لے۔" اس نے سسکتے ہوئے سوچا۔

"تو اور کیا ہے اگر تم اس کی بات مان جاؤ۔" دل نے چپکے سے کہا۔

چندا رونا دھونا بھول کر یک دم خاموش ہوگئی۔

☆ ☆ ☆

"کیا سوچ رہی ہو؟" میرب چھت پر رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھی کافی دیر سے ایک ہی زاویے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ ڈھلتی سہ پہر کا سے تھا۔ ماریہ اور وہ چائے لے کر چھت پر آگئی تھیں۔

"ہوں؟" وہ چونکی پھر اس کی جانب دیکھا "کچھ نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلا کر چائے کا کپ اٹھایا۔

"سائرہ بھابی کے متعلق سوچ رہی ہوگی۔" ماریہ پُر یقین لہجے میں بولی۔

"تو اور کیا سوچوں۔" وہ الٹا اس سے پوچھنے لگی۔

"ویسے تو سوچنے کو بہت کچھ ہے جیسا کہ" وہ سوچتی ہوئی بولی "میرے سسرال والوں کی آمد پر مینو کیا ہو؟ میرے برائیڈل ڈریسز کس رنگ کے ہوں۔ تم میری شادی پر کیا پہنو گی۔ وغیرہ وغیرہ۔" وہ اسے جتا کر داد طلب نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"نہیں ماریہ۔ میرا دل کہیں بھی نہیں لگ رہا۔ تم نہیں جانتیں میں کس ذہنی اذیت سے دوچار ہوں۔" وہ بے چارگی سے بولی۔

"اگر تم یہ باتیں ہی سوچتی رہو گی تو ذہن اذیت ہی میں رہے گا۔ یار! اپنے آپ کو نکالو اس جمود سے جو تم پر طاری ہے۔"

"میں نے کتنا چاہا تھا کہ میرے اس نئے نئے رشتے کا تماشا نہ بنے مگر بن گیا۔" وہ اداسی سے بولی۔

"تماشا کس نے بنایا ہے میرو۔" وہ برا مان گئی۔ "خدانخواستہ ہم تماشائی تو نہیں۔ ہم تو تمہارا معاملہ حل کرنے کی مخلصانہ کوشش کررہے ہیں۔"

"مجھے تم سب کے اخلاص اور کوششوں پر چنداں شک نہیں ماریہ! مگر میں جانتی ہوں تمہاری یہ کوشش رائیگاں ثابت ہوگی۔" وہ مایوس لہجے میں بولی۔

"کیوں اتنی مایوسانہ باتیں کررہی ہو میرو۔ اللہ پر بھروسا رکھو۔ وہ کوئی نہ کوئی بہتری کی صورت نکال دے گا ان شاء اللہ۔" اس نے تسلی آمیز لہجہ اختیار کیا۔ "پھر اب تو یہ صرف تمہارا معاملہ نہیں ان کی اولاد کا بھی معاملہ ہے۔ ہوسکتا ہے یہ نیا موڑ تمہاری زندگی میں خوشی اور مثبت تبدیلی لے آئے۔"

تب ہی ملازمہ نے آکر نیچے وقار صاحب کی آمد کی اطلاع دی۔ میرب کے اعصاب کشیدہ ہوگئے۔

"چلو۔ دیکھتے ہیں انکل کیوں آئے ہیں۔" ماریہ بھی تشویش سے بولی۔

پھر وہ دونوں ڈرائنگ روم میں چلی آئیں جہاں سعدیہ پہلے ہی موجود تھیں اور غالباً وقار کو صورت حال سے آگاہ کرچکی تھیں ان کے سنجیدہ اور گہری سوچ میں ڈوبے چہرے کو دیکھ کر تو یہی لگا۔ ماریہ اور میرب انہیں سلام کرکے بیٹھ گئیں۔

"بیٹا یہاں آؤ میرے پاس بیٹھو۔" وقار نے اسے پیار سے اپنے پاس بلایا۔ وہ اٹھ کر ان کے نزدیک بیٹھ گئی۔ چند ثانیے کے لیے ڈرائنگ روم میں خاموشی چھا گئی۔ تب ہی سعدیہ اٹھ کھڑی ہوگئیں اور انہوں نے ماریہ کو بھی پکارا۔

"آؤ بیٹا ماریہ ذرا میرے ساتھ کچن میں۔" پھر وہ میرب سے مخاطب ہوئیں "جب تک تم انکل سے باتیں کرو ہم ابھی آتے ہیں۔" ان کی نگاہوں میں

حوصلہ افزائی تھی۔

"تمہارا بیٹا ہم سے ناراض ہے؟" گفتگو کی ابتدا وقار ہی نے کی۔

"نہیں تو بابا۔ میں آپ سے بالکل ناراض نہیں ہوں۔" وہ پھیکی سی مسکراہٹ سے بولی۔

"ہوں۔ سائر سے ہو۔" وہ خاموش رہی۔

"گویا ہو۔" وہ جیسے سمجھ کر سرہلانے لگے۔ "دیکھو بیٹا۔" پھر انہوں نے محتاط لہجے میں کہنا شروع کیا۔ "سائر کے لیے میں نے تمہارا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ میں جانتا ہوں کہ تم نہایت سلجھی ہوئی' تعلیم یافتہ اور بہت پیاری بچی ہو اس کے علاوہ تم بھی سائر کی طرح بچپن ہی میں اپنی والدہ کے سائے سے محروم ہوگئی تھیں تو تمہیں شاید بہتر اندازہ ہو کہ اک بن ماں کے بچے کی شخصیت میں کجی رہ ہی جاتی ہے۔ وہ بہت سے نفسیاتی مسائل کا شکار ہوجاتا ہے۔ بیٹا! وہ اتنا کہہ کر خاموش ہوگئے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ لفظوں کا استعمال نہایت احتیاط اور سوچ سمجھ کر کررہے ہوں۔

"سائر بھی کچھ مسائل کا شکار رہا ہے مگر میرا خیال تھا کہ تمہارا پیار و محبت اور توجہ اس کے اندر کا یہ خلا پُر کردے گی مگر شاید اس کے من میں اتنی زیادہ گہرائی ہے کہ تمہاری رسائی فی الحال وہاں تک ممکن نہیں ہوسکی۔"

وہ یکدم چپ ہوگئے۔ تب غور سے اس کی بات سنتی ہوئی میرب نے ان سے پوچھا۔

"بابا! مجھے سچ بتایئے گا کہ کیا سائر کہیں انوالو تھے؟"

"کیا مطلب؟" وقار بری طرح چونک اٹھے۔

"میرا مطلب ہے کہ۔" میرب جھجکی۔ "کیا ان کی زندگی میں کوئی لڑکی تھی پہلے۔"

"ہرگز نہیں۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" وقار قطعیت سے بولے۔ "مگر تمہیں ایسا کیوں لگا۔؟" انہوں نے تعجب سے اسے دیکھا۔

"مجھے۔" وہ جھجھکی "مجھے لگا شاید وہ کسی کی بے وفائی کا بدلہ مجھ سے لے رہے ہیں۔" وہ تصویر والی بات گول کرگئی۔ ان کا انداز ہی اتنا قطعی تھا۔

"بے وفائی؟" وقار نے ٹھنڈی سانس بھری۔ "بچے! بے وفائی صرف محبوب یا محبوبہ ہی تو نہیں کرتے۔" ان کا لہجہ گہرا اور یاسیت آمیز تھا۔ "تم اس کی طرف سے جی میلا مت کرو۔ بہت پیارا بچہ ہے میرا سائر۔ تم جیسی اچھی لڑکی اگر اس کا ساتھ دے گی تو بہت جلد وہ اعتبار کرنا سیکھ لے گا' وہ صرف بے اعتبار ہے اور کچھ نہیں۔"

"بابا' میں ہر طرح سے تعاون کرنے کے لیے تیار ہوں مگر۔ تعاون تو باہمی طور پر ہوتا ہے۔ یک طرفہ نہیں۔ یک طرفہ تو محض احسان ہی ہوا کرتا ہے۔"

"تمہیں احسان ہی کرنا ہوگا بیٹی! کیا تم نہیں جانتیں' احسان کا بدلہ بھی احسان ہی ہوتا ہے۔" انہوں نے اس کا سر تھپکا۔ میرب دھیرے سے مسکرادی۔

"ابھی کیا' جب تک چاہو یہاں رہو۔ ان شاءاللہ وہ خود تمہیں لینے آئے گا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں میرا بیٹا اتنا برا نہیں۔"

تب ہی سعدیہ اور ماریہ کے ساتھ ٹرالی گھسیٹتی ملازمہ آتی دکھائی دی۔ میرب کے لبوں پر نسبتاً مطمئن مسکراہٹ سجی تھی۔ ماریہ نے بھی سکون سا محسوس کیا۔

"پھر کب آرہے ہیں ہماری بیٹی کے سسرال والے تاریخ لینے۔" وقار نے موضوع بدلا تو سب اب اس موضوع پر گفتگو کرنے لگے۔ ماریہ شرمگیں مسکراہٹ سمیت بڑی دلکش لگ رہی تھی۔ میرب اسے دیکھ کر کھل کر مسکرادی۔

☼ ☼ ☼

پچھلے دو گھنٹوں سے وہ فل اسپیڈ سے گاڑی مختلف سڑکوں پر دوڑا رہا تھا۔ پتا نہیں وہ کس سے بھاگنا چاہتا تھا۔ زہریلی سوچیں تھیں کہ اس کا دامن یوں پکڑے ہوئے تھیں گویا چھوٹ جانے کا خدشہ ہو۔

تھپڑ۔ دھکے۔ جھڑکیاں۔

ہاں یہی سب تو ہے میرے بچپن کی سوغات۔ مگر

میں اسے کسی اور کا نصیب نہیں بننے دوں گا۔ چاہے اس کے لیے مجھے اس کی جان ہی کیوں نہ لینی پڑے۔" اس نے مصمم ارادہ کیا۔ رات کا اندھیرا کچھ اور بڑھ گیا تھا گاڑی ہوا سے باتیں کر رہی تھی اور ساٸر خود سے۔

☆ ☆ ☆

"پوپی آنٹی ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں۔ بھلا اس جیسا بیک ورڈ انسان مجھے بخوشی اجازت کیوں دینے لگا اس کام کی۔ اچھا ہے نا بعد میں بھی تو یہی سب ہونا ہے تو ابھی ہی کیوں نہ ہو؟" چندا نتیجے پر پہنچ چکی تھی۔ سارا مسئلہ جمیل سے بات کرنے کا تھا اور آج کل وہ اسی ادھیڑبن میں تھی۔ پوپی آنٹی کو پہلے ہی فون کر کے وہ اپنی رضامندی دے چکی تھی جس پر انہوں نے اسے ازحد شاباشی سے نواز کر بے پناہ مسرت کا اظہار کیا تھا۔ مگر سارا مسئلہ یہ ہی تھا کہ وہ جمیل سے کہے کیسے مگر بہرحال اسے ہمت تو کرنی تھی سو اس نے کمر کس ہی لی۔ وہ آج کل مختلف فائلیں پھیلائے نجانے کیا کرتا رہتا تھا۔ اس وقت بھی ٹی وی لاؤنج میں بیٹھا کسی نیلی فائل میں منہمک تھا تب ہی چندا اس کے نزدیک آ کر کھڑی ہو گئی۔

"سنو! مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" سچی بات تو یہ ہے کہ وہ اس وقت بے طرح گھبراہٹ کا شکار تھی۔ ہاتھ پیر ٹھنڈے پڑ رہے تھے۔

"بولو جان! سن رہا ہوں۔"

"مجھے تم سے طلاق چاہیے۔" اس نے تھوک نگلتے ہوئے بالآخر جلدی سے کہہ دیا۔

جمیل نے حیرانی سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "کیا چاہیے؟" ویسے تو اسے ہمیشہ کچھ نہ کچھ چاہیے ہی ہوتا تھا تب ہی وہ اس کے پاس آتی تھی مگر اس وقت "کیا" چاہیے۔ وہ سمجھ نہیں سکا۔

"مجھے تمہارے ساتھ نہیں رہنا۔ مجھے طلاق چاہیے۔" اس نے "طلاق" پر زور دے کر کہا۔ جمیل بے ساختہ زور سے ہنس دیا۔ اس کے ہنسنے پر وہ جز بز ہو گئی۔

"میں مذاق نہیں کر رہی۔" وہ تپ کر بولی۔

"او ہو۔ بیٹھ جاؤ۔ بیٹھ کر بات کرو۔" وہ محظوظ ہو رہا تھا۔

"قسم سے یار میں اتنا میچور شخص اور تم۔ ایمان سے تم بالکل بچوں جیسی حرکتیں کرتی ہو۔" وہ ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹ کر اپنے نزدیک بٹھاتے ہوئے بولا۔ وہ تلملا گئی۔

"جمیل! میں سنجیدہ ہوں۔"

"ہاں وہ تو دکھ ہی رہی ہو، مگر ہو کیوں۔ اب کیا غلطی کر بیٹھا ہوں۔ میں اچھا ہاں یاد آیا تمہارا ہنی مون ڈیو ہے مجھ پر سچ سچ۔ ویسے ٹھیک ہی ناراض ہو تم حق ہے تمہارا، کتنے سال ہو گئے۔ مگر میں اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا۔ بس جان نیا نیا اس کام میں ہاتھ ڈالا ہے۔ کام مکمل توجہ مانگ رہا ہے بس اسی لیے تم سے غافل ہو گیا مگر پکا وعدہ اب بالکل بھی نہیں۔ اگلے ہفتے کام کے چکر میں مجھے ملائیشیا جانا ہے۔ چلو تم بھی۔ اب ٹھیک۔" وہ اسے پچکارتے ہوئے بولا۔

"لعنت بھیجتی ہوں میں تم پر اور تمہارے جھوٹے وعدوں پر۔ بس میں نے کہہ دیا مجھے طلاق چاہیے۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی تو وہ بھی یکلخت سنجیدہ ہو گیا۔

"چندا! اتنا بچپنا اچھی بات نہیں۔ میں اگر تمہارے جاہلانہ مطالبے کو ہنس کر ٹال رہا ہوں تو میری نرمی سے ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ۔" وہ بولا۔ ساری فائلیں اس نے پرے کھسکا دی تھیں۔ چندا بھی ہاتھ چھڑا کر ایک مرتبہ پھر کھڑی ہو گئی۔

"میں بچی نہیں ہوں۔ پورے ہوش و حواس میں یہ بات کر رہی ہوں۔ یہ مطالبہ کرنا میرا حق ہے۔" وہ چلائی۔

"آہستہ بولو جاہل عورت۔ سونو سن لے گا تمہیں اس کا کچھ خیال ہے کہ نہیں۔" وہ بھی ضبط کرتے کرتے چیخ گیا۔

"مجھے کسی کی پروا نہیں۔ تم لوگوں کو جب میرا احساس نہیں تو میں کیوں خیال کروں۔"

"دیکھو تم حد سے بڑھ رہی ہو۔" وہ انگلی اٹھا کر

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

امتل عزیز شہزاد

ایک ڈھلتی عمر کی عورت سڑک پار کرتے ہوئے ایک لڑکی کو دیکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک ماڈرن عورت ہے۔ وہ اسے چلا کر رکنے کے لیے کہتی ہے لیکن وہ دونوں سڑک پار کرکے گاڑی میں بیٹھ کر چلی جاتی ہیں۔

وقار صاحب کے دو بچے ہیں۔ اجیہ اور سائر...... وہ سائر کی شادی کی تیاریاں کررہے ہیں۔ ان کی بیوی اس دنیا میں نہیں ہے۔ ان کی سالی مہ پارہ خاص طور پر لندن سے اس شادی میں شرکت کرنے آئی ہیں' اجیہ وقار صاحب کو بتاتی ہے کہ سائر اس شادی سے ناخوش نظر آتا ہے۔ وقار صاحب یہ سن کر پریشان ہوجاتے ہیں۔

اجیہ بہت خوب صورت ہے۔ وہ دو ماہ کی تھی جب اس کی ماں چلی گئی۔ وہ اپنی خالہ مہ پارہ سے پوچھتی ہے' اس کی ماں کیسی تھیں۔ مہ پارہ بتاتی ہیں کہ اس کی ماں بہت خوب صورت تھی بالکل کانچ سے بنی مورت۔ وقار صاحب کی بہنیں بھی انہیں احساس دلاتی ہیں کہ سائر اس شادی سے خوش نہیں ہے۔ تب وقار صاحب سائر سے براہ راست بات کرتے ہیں کہ سائر کہیں اور انٹرسٹڈ تو نہیں ہے۔ تب سائر کہتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور وہ اپنے باپ کی کوئی بھی خواہش رد نہیں کرسکتا۔

سائر کی شادی میرب سے ہورہی ہے۔ میرب دو سال کی تھی جب ان کی ماں بھی دنیا سے چلی گئی تھیں۔ ابراہیم صاحب نے اس کے بعد شادی نہیں کی۔ ان کے پڑوسی اور دوست احمد سعید اور ان کی بیگم نے میرب کا خیال اپنے بچوں کی طرح رکھا سعید صاحب کی بیٹی ماریہ کی میرب سے گہری دوستی ہے ان کا ایک بیٹا عاشر ہے جو اجیہ کو پسند کرتا ہے شادی کی

مکمل ناول

تقریبات میں سائر کا رویہ بہت اکھڑا ہوا رہتا ہے۔ شادی کی رات بھی وہ میرب سے بہت رکھائی سے پیش آتا ہے وہ میرب سے کہتا ہے کہ وہ اس سے صرف وفاداری کی توقع رکھتا ہے اور اسے اپنی بہن اور والد کا خیال رکھنے کو کہتا ہے۔

اجیہ کی دوست شینا بہت آزاد خیال لڑکی ہے۔ اس کا بھائی آغا شایان اجیہ میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔ اجیہ بھی اس کی طرف مائل ہے۔ جبکہ میرب کا بھائی سعد' اجیہ کو پسند کرتا ہے۔

سائر کا رویہ میرب کے ساتھ بہت عجیب ہے۔ وہ معمولی باتوں پر شدید رد عمل ظاہر کرتا ہے۔' وہ کہتا ہے کہ وہ کسی بھی لڑکے سے بات نہ کرے۔

وہ عورت جس نے سڑک پر مہ پارہ کو دیکھا تھا۔ ایک خستہ فلیٹ میں رہتی ہے۔ وہاں سے کوئی پرانا پتا نکال کر مہ پارہ کے گھر جاتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ مہ پارہ وہ گھر چھوڑ چکی ہے۔ لیکن وہاں کے مکین اسے وقار صاحب کے گھر کا پتا دے دیتے ہیں۔

تب وہ کہتی ہے وقار آج سے سالوں پہلے تم نے جو اذیت مجھے پہنچائی تھی' اس کے بدلے کا وقت آپہنچا ہے۔''

شیخ عبدالحمید کریانہ فروش ہیں۔ دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں' نازو' چندا اور مانو۔ چندا کا مزاج اور صورت سب سے الگ ہے۔ وہ بے حد حسین ہے اور پڑھائی کے بجائے دوسری رنگارنگ سرگرمیوں میں دلچسپی رکھتی ہے۔ شیخ صاحب کی لاڈلی ہے۔ کالج میں ایک ڈرامے میں قلوپطرہ کا کردار کرتی ہے تو آصف شیرازی اسے ٹی وی پر اداکاری کی آفر کرتا ہے۔ وہ ایک ڈائریکٹر شکیل ملک کا ملازم ہے۔ اس آفر پر چندا بہت خوش ہوتی ہے لیکن وہ جانتی ہے کہ اس کے گھر والے کبھی اسے ٹی وی پر کام کرنے کی اجازت نہیں دیں گے اور شادی کر کے رخصت کر دیں گے۔ وہ آصف شیرازی سے کہتی ہے کہ تم مجھ سے شادی کر لو یہ اصلی شادی نہیں صرف ایک معاہدہ ہوگا۔ میں گھر والوں کے چنگل سے نکل آؤں گی۔ آصف مان جاتا ہے۔

میرب سائر کے رویے سے بہت پریشان ہے۔ وہ عاشر سے بات کرنے کو منع کرتا ہے۔

اجیہ کا تعلق آغا سے بہت بڑھ چکا ہے۔ دونوں ملاقاتیں کر رہے ہیں۔ اُدھیڑ عمر عورت اجیہ کو فون کر کے بتاتی ہے کہ اس کی ماں زندہ ہے۔ وہ کہتی ہے کہ وہ اجیہ کی ماں سے ملاقات بھی کرا سکتی ہے۔

پانچویں قسط

''میری حدیں مجھے مت بتاؤ... بس میری بات مانو اور مجھے بخش دو۔'' اس نے ہاتھ جوڑے۔

جمیل کو بے طرح تاؤ چڑھا اس کے انداز پر۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ کہتا' سائیڈ پر رکھا فون بج اٹھا۔ اس نے چندا کو گھورتے ہوئے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف کی بات سن کر اک لمبی سی ٹھنڈی سانس بھری اور ''اچھا ہم آتے ہیں۔'' کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔

''تمہارے گھر سے فون تھا... تمہارے ابا میاں کا انتقال ہو گیا ہے ابھی کچھ دیر قبل... فوراً'' چلنا ہے ہمیں۔'' وہ اسے مطلع کر کے لاؤنج عبور کر گیا۔

کوئی چیز چھناکے سے اس کے اندر ٹوٹی تھی اور اس کی آنکھیں بھرنے لگیں۔

''ابا... ابا... یہ کیسے ہو گیا میرے اللہ۔'' وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر صوفے پر بیٹھتی چلی گئی اور کمرے میں ان کی لڑائی بغور' مگر خاموشی سے سنتا سونو اس کے رونے پر گھبرا کر بے ساختہ اٹھ بیٹھا۔

''زینت بی' ممی کو کیا ہوا؟؟''

''بس بیٹا... اللہ انہیں صبر اور عقل دے' تم سو جاؤ صبح تمہیں اسکول بھی جانا ہے۔'' زینت بی نے اک ٹھنڈی افسردہ سانس لے کر کہا۔

''مگر زینت بی! ممی بڑی زور زور سے رو رہی ہیں۔'' وہ پریشانی سے بولا۔

''میرے بچے کسی پیارے کے بچھڑ جانے کا دکھ انسان کو یونہی پگھلا دیتا ہے۔'' وہ اسے پچکار کر لٹاتے

ہوئے بولیں۔ ''اور اب مزید باتیں نہیں' اچھے بچوں کی طرح سو جاؤ' شاباش۔'' اور وہ اتنا فرماں بردار تو تھا ہی کہ ان کی بات مان جاتا۔

☼ ☼ ☼

لا متناہی سوچوں کا سلسلہ تھا اور میرب لب بھینچے خاموشی سے بظاہر LED پر نگاہیں جمائے ٹوئیٹر پر براجمان تھی۔ تب ہی پاس رکھے فون کی گھنٹی بجی۔ وہ کچھ چونک کر جیسے ہوش میں آئی اور ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔

''ہیلو السلام علیکم!'' اس نے اپنی مخصوص نرم آواز میں کہا۔

''میں میرب سے بات کر سکتا ہوں؟'' دوسری طرف سے آتی آواز نے میرب کا پورا وجود جھنجوڑ کر سراپا سماعت بنادیا۔ اس کی قوت گویائی سلب ہوگئی۔

''ہیلو؟'' دوسری جانب سے کسی قدر بے زاری سے کہا گیا۔

''میں.... میں بات کر رہی ہوں۔'' اس نے ہمت مجتمع کر کے کہا۔

''میں سائر بات کر رہا ہوں۔'' اس کے بعد دونوں طرف خاموشی۔ گویا کہنے سننے کو کچھ نہ ہو۔

''ہیلو میرب! میں سائر بات کر رہا ہوں۔'' اس نے دوبارہ بتایا۔

''جی پہچان گئی ہوں۔ کیسے ہیں آپ؟'' آنکھوں میں آنسو تو آگئے' مگر لب پر بے رخی کا شکوہ لانے کی جرات نہ ہوئی۔

''کیسی ہو؟''

''جی رہی ہوں۔'' آنکھ سے بہتے آنسو بائیں ہاتھ کی پہلی انگلی سے صاف کیے۔ دائیں ہاتھ میں ریسیور تھام رکھا تھا۔

''ہوں!'' اس نے جواباً''ایک سنجیدہ سا ہنکارا ابھرا۔ ''طبیعت کیسی ہے؟''

''اچھی ہے۔''

''گھر آنے کے متعلق کیا سوچا ہے؟''

''جی؟'' اس نے بڑی بے یقینی سے اس کی بات سنی۔

''میں لینے آؤں یا خود آجاؤ گی؟'' وہ یوں بولا گویا معمول کی بات ہو۔ میرب کے دل کو ٹھیس سی لگی۔ نہ اپنے کیے پر شرمندگی کا اظہار نہ معذرت۔۔۔ اسے واپس گھر جانا ہی تھا' مگر اس طرح بے وقعت ہو کر نہیں۔

''جواب دو میرب۔''

''میں کیا کہوں۔'' وہ بے بسی سے رو دی۔

''دیکھو میرب' میں بہت پریکٹیکل قسم کا انسان ہوں' تمہارا یہ رونا دھونا مجھے کوفت میں مبتلا کرتا ہے۔ بہتر ہے کہ تم اپنے انداز زندگی میں میچورٹی لاؤ۔'' وہ اکتا کر بولا۔

''معذرت کی توقع رکھنا بچکانہ سوچ ہے؟'' وہ بول ہی پڑی۔

''کس بات کی معذرت؟'' وہ اچنبھے سے بولا۔

''یہاں میں دن رات کے ہر لمحے پور پور سلگی ہوں اور آپ پوچھ رہے ہیں کس بات کی معذرت؟'' وہ سلگ کر بولی۔

''ٹھیک ہے۔ آئم سوری اور اب مزید کوئی بات نہیں میں کل شام میں تمہیں لینے آرہا ہوں۔ تیار رہنا۔'' اس نے بے لچک انداز میں گویا حکم سنا کر رابطہ منقطع کر دیا۔

وہ فون کریڈل پر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''ارے ارے' کیا ہوا؟'' سعدیہ بیگم گھبرا کر کچن سے نکل آئی تھیں۔

''کیا ہوا بیٹا کس کا فون تھا؟'' وہ گھبرا کر بولیں۔

''سائر کا۔'' اس نے رونے کے درمیان بتایا۔

''اللہ خیر کرے' کیا کہہ رہا تھا۔'' وہ دل پر ہاتھ رکھ کر دہل کر بولیں۔

''مجھے لینے آرہے ہیں کل۔'' اس نے شکایتی انداز میں کہا۔

''اچھا!'' وہ خوش گوار حیرت میں گھر کر بولیں۔

''ارے بیٹا تو اس میں اس قدر رونے کی کیا بات ہے۔''
وہ اس کا پیار سے سر اپنے کندھے پر رکھ کر بولیں۔
''آنٹی! اس نے میری کردار کشی کی' میری تذلیل کی۔ اتنے دن پلٹ کر نہیں پوچھا اور اب جب مجھے فون کیا ہے تو اس نے اپنے سلوک پر مجھ سے معذرت کرنا تک ضروری نہیں ۔۔۔ سمجھا میرے جتانے پر جسٹ آئم سوری کہہ دینے سے کیا میرے زخموں کا ازالہ ہو سکتا ہے؟'' وہ ان سے تھوڑی دور ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔
''میری جان' ہمارے معاشرے میں تو مرد کا یہ سلوک بے حد عام ہے۔ وہ ظلم و زیادتی روا رکھتے وقت عموماً''اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتا ہے اور جو اپنے تئیں حق پر ہوں وہ معذرت کیوں کرنے لگے؟'' انہوں نے طنزیہ کہا۔
''مگر آنٹی! اگر کوئی ناخواندہ' امیچور شخص ایسا رویہ روا رکھے تو شاید حیرت نہ ہو مگر سائر۔۔۔ وہ تو اک پڑھے لکھے باشعور انسان ہیں۔ وہ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟''
''بیٹا! مرد کی فطرت بڑی عجیب ہے اور پھر بات کچھ یہ بھی ہے کہ ہمارے معاشرے کا دستور کچھ ایسا ہے کہ غلطی ہونے پر بھی مرد معذرت نہیں کیا کرتے اور اکثر غلطی پر نہ ہونے کے باوجود بھی عورت کو جھکنا پڑتا ہے۔ اس نے تم سے معذرت نہیں کی تو کیا ہوا۔ تمہیں فون تو کر لیا نا۔۔۔ ہو سکتا ہے تم سے سوری کرنے پر اس کی انا آڑے آگئی ہو۔ مرد بہت انا پرست ہوتا ہے۔ عورت کو بہت ریاضت کرنی پڑتی ہے تب کہیں جاکر ان کے بیچ سے یہ انا کی دیوار گرتی ہے۔'' وہ اسے پیار سے سمجھاتی رہیں۔
''مگر آنٹی! انہوں نے مجھے خود میری ہی نگاہوں سے گرا دیا۔ کیا میں یہ بات بھول سکتی ہوں؟'' وہ زخمی نگاہوں سے انہیں دیکھ کر بولی۔
''شادی شدہ زندگی میں ایسے کئی مقام آتے ہیں اور گھر بنانے کے لیے تو عورت ہمیشہ سے ہی اپنی انا' اپنا دل' اپنا وقار' پس پشت ڈالتی آئی ہے۔'' اب وہ کچھ متاسف سی ہو گئیں۔
''مگر آنٹی میرا دل نہیں مان رہا۔''
''دل کو سمجھاؤ بیٹی۔۔۔ دل کو سمجھانا آسان ہے۔ لوگوں کو سمجھانا مشکل۔ سوچو ذرا! اپنی اس حالت میں یہاں رہنے کی توجیہہ کس کس کو بتاؤ گی۔ خدانخواستہ ہمیں تمہارے یہاں رہنے پر اعتراض ہرگز نہیں بلکہ بے حد خوشی ہے مگر یہ خوشی ادھوری ہے بیٹی۔۔۔ کہ والدین تو بیٹوں کو ہمیشہ ہی اپنے گھر میں ہنستا بستا دیکھنا چاہتے ہیں۔'' انہوں نے پیار سے اس کی تھوڑی چھو کر کہا۔
''خواہ بیٹیاں ہنسنے بسنے کے لیے اپنی جان گنوا دیں؟''
اس نے چبھتا ہوا سوال کیا۔
''ایسا کیوں سوچتی ہو۔ ابھی تمہاری شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں اور پھر شروع شروع میں چونکہ ہم آہنگی نہیں ہوتی تو جھگڑے ہو ہی جاتے ہیں - یہ جھگڑے ہی تو تعلق کو مضبوط بناتے ہیں نا بیٹی۔ اور پھر اب تو تمہارا تعلق اپنے شوہر سے مزید مضبوط ہونے جا رہا ہے۔ اب دیکھو نا سائر نے اتنے دن سے فون نہیں کیا اور یہ خبر سنتے ہی سب کچھ بھلا کر آخر تمہیں کال کر ہی لی نا۔۔۔ اس نے ہاتھ بڑھایا ہے اب اس کو تھامنا تمہارا کام ہے۔''
''مگر میں کل جانا نہیں چاہتی۔۔۔ کل ماریہ کے سسرالیوں نے آنا ہے۔'' وہ نیم رضامندی سے بولی۔ اس نے سوچا واپس تو جانا ہی ہے پھر بحث و تمحیص کا فائدہ؟
''آجائیں گے وہ بھی' مگر پہلے تم اپنا گھر دیکھو۔'' انہوں نے کہا تو وہ نہ جانے کس سوچ میں ڈوب گئی۔

☆ ☆ ☆

''کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ اگر آپ ہمارے ساتھ ہی رہتی ہوتیں تو زندگی کتنی آسان اور مزے دار ہوتی۔'' اجیہ گہری سوچ میں مستغرق' خستہ حال کرسی پر بیٹھی گل سے مخاطب تھی۔
''حق ہا۔۔۔'' ایک آہ سی اس کے لبوں سے خارج

ہوئی۔ "سوچتی تو میں بھی دن رات یہی ہوں۔ تمہارے اور اپنے بیٹے کا بچپن 'لڑکپن کو بھی ترسی ہوں۔ یقین کرنا اجیہ! راتوں کو چیخیں مار مار کر تم دونوں کو پکارا کرتی تھی' کہیں کسی بچے میں تم دونوں بچوں کی شباہت نظر آجاتی تو اسے چوم چوم کر سرخ کردیتی تھی۔ اس آدمی نے میرا دل نوچ ڈالا تھا اجیہ! پھر اس کے بعد مت پوچھو میری بعد کی زندگی اس ادھڑے ہوئے دل کے ساتھ کیسے بسر ہوئی؟"

پہلے چہرہ سرخ ہوا' پھر آواز لڑکھڑائی' اب وہ اونچا اونچا رونے لگی۔ اجیہ جیسے کسی ٹرانس سے باہر آئی تھی۔

"اُف۔" اسے اپنی حماقت پر جی بھر کر افسوس ہونے لگا۔ "میں بھی نا' پوری احمق ہوں۔ کیا ضرورت تھی یہ بات نکالنے کی۔ جانتی بھی ہوں امی کتنی ٹچی ہوجاتی ہیں۔" وہ دل ہی دل میں خود کو کوسنے لگی۔

تپائی پر رکھے ہوئے جگ میں سے پانی گلاس میں انڈیلا اور اس کے لبوں سے لگانے کی کوشش کی۔

"نہیں اجیہ' میرے سینے میں لگی یہ آگ اس پانی سے نہیں بجھے گی۔" اس نے گلاس ہاتھ سے پرے کرتے ہوئے کہا۔

"امی پلیز۔ آپ روئیں تو مت۔ میں ویسے ہی بہت پریشان ہوں۔" گلاس ٹیبل پر پٹخ کر وہ خود بھی جھنجلا کر رو پڑی۔

"آپ نہیں جانتیں آغا بہت غصے میں ہے' بھابھی کی وجہ سے میرا معاملہ اٹکا ہوا ہے۔ وہ مجھ سے بات تک نہیں کررہا ہے۔" اتنا کہہ کر وہ ہونٹ چبانے لگی۔ آنکھوں سے ہنوز آنسو رواں تھے۔

"دل کڑھتا ہے تمہاری بے بسی دیکھ کر' تمہاری زندگی کا یہ حال اسی آدمی نے بنایا ہے۔" وہ زہر آلود ہو کر بولی۔

"نہیں چھوڑیں' مجھے بتائیں میں کیا کروں۔" اس نے بات کاٹ کر کہا۔

"میں تو کہتی ہوں ابھی اسے جانے دو' آرام سے بعد میں۔۔۔"

"بعد وعد میں کچھ نہیں' مجھے اس سے شادی کرکے اس کے ساتھ ہی جانا ہے۔" وہ ہٹیلے پن سے بولی۔

"بس تو پھر کرو آرام سے انتظار اپنی 'بھابھی' کے واپس آنے کا۔" وہ بری طرح چڑ کر چبا چبا کر بولی۔

"مگر کتنا انتظار۔ انہیں گئے تقریباً مہینہ تو ہو ہی گیا ہے۔"

"انتظار تو کرنا ہی پڑے گا' میں تمہارے باپ کو اچھی طرح جانتی ہوں۔" وہ سر جھٹک کر بولی۔

"جتنی اچھی طرح آپ انہیں جانتی ہیں۔ کاش وہ بھی آپ کو جان جاتے۔" اس کی آواز میں کسک تھی۔

"وہ جاننا ہی نہیں چاہتا تھا۔" گفتگو کا رخ پھر وہیں

مڑ گیا تھا۔
اجیہ اپنی پریشانی میں گم تھی۔ گل اپنی فکر میں مبتلا۔

☼ ☼ ☼

شیخ صاحب کے انتقال کو ایک ماہ سے زیادہ ہو گیا تھا۔ چندا کے وجود کو گہری اداسی کی چادر نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ وہ گم صم اور افسردہ تھی۔
جمیل کو چونکہ بہت ہی ضروری دورے پر بیرون ملک جانا تھا۔ سو وہ آج کل ملائیشیا گیا ہوا تھا۔ سونو چندا کو چپکے چپکے دیکھا کرتا۔ وہ نکھری ستھری 'ریشمی سرسراتے لباسوں میں ملبوس' خوشبو بکھیرتی جگمگاتی چندا تو کہیں کھو ہی گئی تھی ان دنوں۔۔۔
سونو زینت بی سے کہتا۔ "زینت بی! مما اتنی اپ سیٹ کیوں رہتی ہیں۔ پہلے کی طرح کلر فل ڈریسز بھی نہیں پہنتیں۔"
"بیٹا۔۔۔ دل کے موسم پر خزاں اتری ہو تو وجود پر بہار نہیں آسکتی۔ آپ کی مما کے ڈیڈی 'آپ کے نانا اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے ہیں نا' اس لیے آپ کی مما اداس ہیں۔" وہ اسے پیار سے سمجھاتی۔
"مگر زینت بی! مجھے اداس مما بالکل اچھی نہیں لگتیں۔" اس نے منہ بسور کر بتایا۔
"تو آپ نے اپنی مما کی اداسی دور کرنے کی کوشش بھی تو نہیں کی۔"
"یہ کیسے کرتے ہیں۔" اس نے اتنی معصومیت سے پوچھا کہ انہیں بے ساختہ اس کا گال چومنا پڑا۔
"اپنی مما کے پاس جاؤ ان سے باتیں کرو' انہیں اپنی اسٹوری بکس میں سے اسٹوری سناؤ۔ کوئی پوئم سناؤ۔"
"اس سب سے ان کی اداسی دور ہو جائے گی؟" وہ انہیں دیکھ کر پوچھنے لگا۔
"بالکل۔۔۔" وہ پریقین ہو کر بولیں۔ اور سونو نے سر ہلا کر اپنی مما کی اداسی دور کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

☼ ☼ ☼

ماریہ کے سسرال والے آٹھ بجے آئے۔ تاریخ طے کرنے اور ڈنر میں دس بج گئے۔ مہمان رخصت ہو چکے تھے۔ اب میرب کی رخصتی کی تیاری تھی۔ سامان تو کوئی خاص وہ اپنے ساتھ لائی نہیں تھی۔ دو چار کپڑے تھے جو وہ یہیں چھوڑے جا رہی تھی۔ سعدیہ صبح ہی جا کر ٹی پنک اور کافی کلر کا شاندار سا سوٹ بمعہ میچنگ بہ طور خاص میرب کے لیے لے کر آئی تھیں۔ اس وقت وہ مکمل تیار' مختصر سا ہینڈ بیگ تھامے سائر کی منتظر تھی۔
"بس بیٹا۔۔۔! سمجھ داری اور بردباری سے اپنے شوہر کے ساتھ معاملات نمٹانا سیکھو۔ گھبراؤ نہیں ہم تمہاری رہنمائی کو موجود ہیں۔ اپنے شوہر کے گرد اپنی محبت' حسن سلوک اور فرماں برداری کا ایسا سنہرا جال بن جاؤ کہ وہ چاہ کر بھی اس حصار کو توڑ نہ سکے۔" سعدیہ اسے نروس دیکھ کر رسانیت سے سمجھا رہی تھیں۔
"بڑے فائدے کی باتیں ہیں میرب بیگم۔۔۔ اماں جان نے ایویں تو نہیں ساری زندگی ڈیڈ پر راج کیا۔" سعد نے بولنا اپنا فرض تصور کیا۔ وہ مسکرا دی۔ ماریہ بھی بولی۔
"سعد ٹھیک کہہ رہا ہے' میں تو خود آج سے باقاعدہ ان کے مشوروں کو اپنی ڈائری میں نوٹ کرنے والی ہوں۔"
"تمہیں تو خیر بہت ضرورت بھی ہے۔ ہاں میرب کی بات اور ہے۔ یہ سمجھ دار بھی ہے' محبت کرنے والی بھی' ہاں یہ ہے کہ شادی شدہ زندگی کے اسرار و رموز تو وقت کے ساتھ ساتھ ہی سیکھے گی۔" سعدیہ بیگم مسکرا کر بولیں۔
"جی ہاں' زمانے بھر کی کم عقل اور پھوہڑ تو صرف آپ کی ہی بیٹی ہے۔" وہ منہ پھلا کر بولی۔
"اسے کہتے ہیں خود شناسی۔" سعد نے داد دی۔
اب کی بار میرب کھل کر ہنس دی۔
"یہ ہوئی نا بات۔" ماریہ جھٹ بولی۔ "بس اسی طرح ہنستی ہوئی جاؤ اور اسی طرح مسکراتی ہوئی آؤ۔ ہم تمہارے لیے یہی دعا کرتے ہیں۔"

"میں تم لوگوں کا شکریہ کس منہ سے ادا کروں۔" اس کی آنکھوں میں تشکر کے آنسو آگئے۔ اپنا ہاتھ اس نے ماریہ کے ہاتھ پر رکھ کر کہا تھا۔

"اسی منہ سے کردو۔ اتنا بُرا بھی نہیں ہے۔" سعد نے کہا سب بے ساختہ ایک بار پھر ہنس دیے۔ تب ہی اطلاعی گھنٹی بجی۔ پھر انٹر کام کی بیل ہوئی۔ ریسیور سعد نے اٹھایا۔ دوسری طرف چوکیدار سائر کی آمد کا بتا رہا تھا۔

"جاؤ سعد! جاکر اسے اندر لے کر آؤ' بچہ کھانا تو کھا لے اندر آکر۔" سعدیہ نے کہا۔ سعد باہر گیا۔ واپس لوٹا تو تاثرات سنجیدہ تھے۔

"وہ اندر نہیں آرہے' بہت جلدی میں ہیں۔ آپ لوگ میرب کو باہر ڈراپ کردیں۔" کہہ کر رکا نہیں اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

یک لحظ سعدیہ خاموش ہوئیں پھر نارمل ہوکر بولیں۔

"کوئی بات نہیں پھر کبھی سہی۔ آؤ بیٹا تمہیں باہر ڈراپ کردوں۔" انہوں نے اس کا بیگ تھام کر کہا۔

"آنٹی مجھے ڈر لگ رہا ہے۔" اس کے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے لگے۔

"اویار! مرد بنو اتنا کیوں گھبرا رہی ہو۔ تمہیں کھا تو نہیں جائیں گے۔" اس کی بزدلی ماریہ کو بے مزہ کرنے لگی۔

اور اس کے ذہن میں پوری جزیات کے ساتھ وہ آخری روز جو اس نے سائر کے ساتھ گزارا تھا گردش کرنے لگا۔ بہر حال وہ گاڑی تک آئی۔ ماریہ نے سائر کو سلام کیا جس کا جواب سر کے اشارے سے دیا گیا۔

(ہونہہ 'بدتمیز' اکڑو) وہ دل ہی دل میں بولی۔ سعدیہ بیگم کو اس نے گیٹ پر پھر باہر آنے سے روک دیا تھا۔ بہر حال وہ بیٹھی اور ہاتھ ہلا کر سعدیہ اور ماریہ کو فائنلی الوداع کہا۔ گاڑی لمحہ کی تاخیر کیے بنا زن سے آگے بڑھ گئی۔

"دیکھا آپ نے سائر بھائی کا رویہ۔" ماریہ پلٹ کر اندر آتے ہوئے غصے سے بولی۔ "نہ اندر آئے نہ ہی آپ کو سلام کرنے کی زحمت گوارا کی' میں نے سلام کیا تو محض سر ہلا دینے ہی پر اکتفا کیا۔"

"جانے دو ماریہ۔" سعدیہ گھر کے اندرونی حصے کی جانب بڑھتے ہوئے بولیں۔ "ان بے کار کی باتوں کو اہمیت مت دو' اہم یہ ہے کہ وہ اپنا رویہ اپنا سلوک میرب کے ساتھ بہتر رکھے۔۔۔ اس کے لیے دعا کیا کرو۔"

"جی امی۔۔۔ یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔ میرا تو دل ہر وقت اس کے لیے دعاگو رہتا ہے۔ اللہ کرے کہ سائر بھائی اس کے ساتھ پیار و محبت سے پیش آئیں' اس کی زندگی خوشیوں سے بھر دیں۔" وہ پرخلوص لہجے میں بولی تو سعدیہ بیگم نے بھی دل سے آمین کہا۔

☼ ☼ ☼

"مما!" چندا۔۔۔ جان سے بے زار لاؤنج کے صوفے پر بیٹھی کسی میگزین کی ورق گردانی کررہی تھی تب ہی اسے سونو نے پکارا۔

"کیا ہے؟" اس نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مما۔۔۔ آپ کو گولڈن فیری کی اسٹوری سناؤں؟" اس کے ہاتھ میں باتصویر کہانی کی کتاب تھی۔

"مجھے نہیں سننی' جاؤ یہاں سے زینت بی کو سناؤ۔" اس نے بے زاری سے جواب دیا۔

"بٹ مما۔۔۔ اپ سیٹ تو آپ ہیں نا' زینت بی تو نہیں اور ویسے بھی زینت بی کو تو یہ اسٹوری پہلے ہی سے پتا ہے۔" اس نے ازحد معصومیت سے بتایا۔

"تمہیں کس نے کہا کہ میں اپ سیٹ ہوں۔" وہ میگزین کے صفحے پلٹتے ہوئے ذرا سا مسکرا دی۔ اس کی مسکراہٹ نے سونو کو حوصلہ بخشا۔ وہ اس کے مزید قریب آکر بولا۔

"مما مجھے زینت بی نے بتایا ہے۔۔۔ اب آپ کلر فل کپڑے بھی نہیں پہنتیں' سونگز بھی نہیں سنتیں' موویز بھی نہیں دیکھتیں۔ آپ بہت اداس ہیں نا۔۔۔ آپ کے ڈیڈ اللہ تعالیٰ کے پاس چلے گئے ہیں نا'

آپ ان سے بہت پیار کرتی تھیں کیا؟" اس نے چندا کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔ سونو کا اپنے ننھیال والوں سے محض دور دور ہی کا تعلق تھا۔ تعلق تو خیر اس کا اپنے ددھیال والوں سے بھی دور ہی کا تھا۔

"ہوں۔۔۔" اس نے محض ہوں پر اکتفا کیا کہ اس کی ساری توجہ یک بیک ہی میگزین کے اس صفحے پر موجود اس لڑکی کی تصویر پر مرکوز ہوگئی کہ جو چوہدری صاحب کی آنے والی فلم کی ہیروئن تھی۔ اسے یک دم ہی بے تحاشا غصہ آیا۔ اس نے میگزین سائڈ پر پٹخا اور سائڈ پر رکھا فون اٹھا کر کوئی نمبر گھمانے لگی۔

"بتائیں ناں مما؟" سونو نے اس کا گھٹنا ہلایا۔

"دماغ مت کھاؤ، جاؤ یہاں سے، زینت بی کے پاس جا کر کھیلو۔"

"مگر مما میں تو آپ کو اسٹوری سنانے آیا تھا۔" اس نے بسور کر کہا۔

"کہانا، جاؤ۔" وہ چیخی تو وہ سہم کر دور ہٹ گیا۔

"زینت بی، زینت بی! اسے لے کر جاؤ یہاں سے۔"

"ہیلو! کیا میں یومی آنٹی سے بات کر سکتی ہوں؟"

"میں کون۔۔۔" یک لحظہ وہ رکی، "انہیں کہو چندا کا فون ہے۔"

کچھ دیر بعد وہ فون پر تھیں۔ زینت بی سونو کو لے جا چکی تھیں۔

"ہاں بولو۔۔۔" اجنبیت و بیگانگی بھرا لہجہ۔۔۔

"میں چندا بات کر رہی ہوں یومی آنٹی۔" وہ سمجھی شاید وہ اسے پہچانی نہیں۔

"جانتی ہوں۔ کہو کیا بات ہے۔" انہوں نے کرختی سے پوچھا۔

"وہ چوہدری صاحب کی فلم کوئی اور لڑکی کیسے کر سکتی ہے؟" اس نے کسی قدر غصے سے پوچھا۔

"کس زعم میں مبتلا ہو چندا بیگم، نہ تمہاری جیسی صورتوں کی کمی ہے نہ ہی ٹیلنٹ کی بھرا دوں کے تمہاری طرح نخرے بھی نہیں ہوتے۔ تمہارا کیا خیال تھا تم اگر چوہدری صاحب کی بات نہیں مانوگی تو وہ فلم نہیں بنائیں گے۔ ایسا نہیں ہوتا چندا! مارکیٹ میں کوئی کسی کا انتظار نہیں کرتا۔" انہوں نے طنزیہ جتا کر کہا۔

"مگر میں نے انہیں انکار کب کیا تھا، میں نے تو محض سوچنے کا وقت مانگا تھا۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"سوچنے کا وقت۔" وہ استہزائیہ ہنسی۔ "بی بی سوچنے کا وقت اسٹار مانگا کرتے ہیں اور پھر کتنا وقت ڈھائی ماہ تو بیت گئے ہیں اس بات کو اب اتنا انتظار تو کوئی کسی کا کر نہیں سکتا۔"

"مگر انہیں تو میں بہت پسند آئی تھی۔" وہ کمزور لہجے میں بولی۔

"سوتیا تم سے زیادہ پسند آگئی۔" انہوں نے اسے لاجواب کر دیا۔

"تو اب کچھ نہیں ہو سکتا؟" وہ موہوم سی امید کے تحت بولی۔

"قسمت بار بار دروازے پر دستک نہیں دیتی۔ تم ہی نے عقل سے کام نہیں لیا، میں نے تو تم پر بہت محنت کی تھی۔" وہ بے پروائی سے بولیں۔

"پلیز یومی آنٹی! کچھ کریں میرے لیے۔" وہ التجاؤں پر اتر آئی۔۔۔ وہ تو شیخ صاحب کے غم میں مبتلا رہی اتنے دنوں اسے کیا پتا تھا قسمت اس کے ساتھ یہ داؤ کھیل جائے گی۔

"سوری چندا۔۔۔ مجھے کہنا تو نہیں چاہیے، مگر پھر بھی کہوں گی ضرور کہ تم میں ترقی کرنے والے گٹس ہی نہیں ہیں۔ تمہارے لیے یہی بہتر ہے کہ تم اپنے دقیانوسی شوہر کی سیوا کرو اس کا بچہ پالو۔ یہ باہر نکل کر کام شام کرنا تمہارے بس کا روگ نہیں۔ اچھا بھئی رکھتی ہوں فون بہت کام ہے۔ آخر کو میرے ہزبینڈ ہی ڈائریکٹ کر رہے ہیں فلم، کام کیسے نہیں ہوگا۔ بائے ڈارلنگ۔" انہوں نے کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔

چندا نے ریسیور غصے سے کریڈل پر پٹخ دیا اس کی روشن آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

پورا راستہ خاموشی سے گزرا۔ گمبھیر، الجھن آمیز جھنجھلاتی خاموشی۔۔۔

میرب جوں ہی گھر میں داخل ہوئی اچانک ہی اس پر دونوں اطراف سے پھولوں کی گویا برسات سی ہو گئی۔۔۔
گلاب کے پھولوں ہی کی روش اس کے کمرے تک جا رہی تھی۔ ہر چہرہ خوش تھا' مطمئن تھا اور اس پر خیر مقدمی مسکراہٹ سجی تھی۔۔۔ وہ اتنے خوب صورت استقبال پر دم بخود رہ گئی۔
وہ جو فکر اندیشے ساتھ لے کر آئی تھی' وہ دہلیز کے اس پار رہ گئے اور وہ پھول کی نازک پنکھڑی ہی کی طرح ہلکی پھلکی ہو کر گھر میں داخل ہوئی۔
"ویلکم بیک بیٹے۔۔۔ تم اندازہ بھی نہیں لگا سکتیں کہ میں آج کتنا خوش ہوں۔" وقار صاحب نے اسے اپنے ساتھ لگا کر کہا۔
"او ویری وارم ویلکم بیک بھابی۔" اجیہ بھی خوشی سے کھلی پڑ رہی تھی اس نے اک چھوٹا سا گفٹ پیک بھی اس کے آگے بڑھایا۔
"قسم سے۔ بس بی بی جی دن رات بڑی دعائیں مانگی ہیں میں نے آپ کے واسطے۔" لالی نے کہا تو وہ ہنس دی۔ تب ہی نگاہ اس دشمن جاں کی طرف اٹھی۔۔۔ یا خدا! کیا میری نگاہوں نے اس سے دلفریب نظارہ بھی کبھی دیکھا ہے؟
اس نے خود سے سوال کیا' ہمہ وقت پیوست رہنے والے لب اس وقت کھلے ہوئے تھے۔ وہ مسکرا رہا تھا اور ظالم کیا خوب مسکراتا تھا' شاید اسے معلوم تھا تب ہی اپنی مسکراہٹ کو ہمیشہ کسی بیش قیمت خزانے کی طرح چھپا کر رکھتا تھا۔
"چلو فٹافٹ کھانا لگاؤ لالی۔" وقار صاحب نے کہا' وہ تعمیل کو دوڑی۔ میز دیکھ کر میرب کو اندازہ ہوا' پوری دعوت کا اہتمام کیا گیا تھا۔ وہ تو کھا چکی تھی۔ مگر ان کا ساتھ دینے بیٹھ گئی۔ اور سوچنے لگی۔
آج کے دن سے میں جتنا گھبرا رہی تھی' یہ تو اتنا ہی طمانیت سے بھرپور نکلا اے اللہ۔۔۔ ہماری زندگی کو یوں ہی اطمینان و خوشیوں سے بھر دے آمین ثم آمین۔۔۔
اسے اپنے دل سے گلے شکوے مٹتے محسوس ہوئے۔۔۔

☼ ☼ ☼

چندا اپنے کمرے میں منہ سر لپیٹے پڑی تھی تب ہی زینت نے آ کر اندر جھانکا۔
"بی بی صاحب۔۔۔ آ کر دوپہر کا کھانا کھا لیں۔"
"مجھے بھوک نہیں ہے۔"
"مگر سونو ضد کر رہا ہے کہ آپ کے ساتھ ہی کھائے گا۔" انہوں نے بے چارگی سے بتایا۔
"ضد کر رہا ہے۔" وہ تلملا کر اٹھ بیٹھی" اگر کل کو وہ چاند لا کر دینے کی ضد کرے گا تو کیا وہ بھی پوری کرنے چل پڑو گی۔" وہ دھاڑی تو زینت نادم سی ہو کر بولیں۔
"میں معذرت خواہ ہوں بی بی۔"
"جاؤ! اور آئندہ اس کی فرمائشوں اور ضدوں کی کہانیاں مجھے آ کر مت سنانا آخر تم کس مرض کی دوا ہو؟" وہ حیرانی سے اسے دیکھ کر رہ گئیں؟ انہیں نہیں معلوم تھا جو لوگ خود پرست ہوں وہ اوروں سے محبت نہیں کیا کرتے۔
"مما نہیں آئیں؟" دونوں ہاتھ گالوں پر رکھے وہ بڑی آس سے پوچھنے لگا۔
"بیٹا۔۔۔ ان کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ آپ کھاؤ آرام سے۔" انہوں نے قریب رکھی کرسی پر بیٹھ کر پیار سے نوالہ بنا کر اسے کھلانا چاہا۔
"مجھے نہیں چاہیے۔" اس نے ہاتھ پرے دھکیلا۔
"اوں ہوں۔۔۔ اچھے بچے ایسا نہیں کرتے۔" انہوں نے سمجھایا۔
"مجھے نہیں پتا' مجھے مما کے ساتھ ان کے ہاتھ سے کھانا کھانا ہے ورنہ نہیں کھانا۔" وہ بدتمیزی سے چیخ کر ٹیبل سے اٹھ کر چلا گیا۔ زینت بی سر تھام کر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

"استقبال پسند آیا؟" جونہی میرب اپنے بیڈ روم میں داخل ہوئی' سائرنے سوال کیا۔
"بے حد۔" اس نے شرمگیں مسکراہٹ سمیت

کہا۔

"اب تو سارے گلے شکوے دور ہو گئے ہوں گے۔" اس نے ہاتھ میں موجود سرخ گلابوں کا گلدستہ جو غالباً" وہ نیچے ہی سے ہاتھ میں اٹھا کر لایا تھا اسے تھماتے ہوئے استفسار کیا۔

"شکریہ۔" اس نے بکے تھام کر کہا۔ "زخم دینے والا خود مسیحائی کردے اس سے بہتر بات اور بھلا کیا ہو سکتی ہے۔" وہ سرشاری سے بولی۔

"ہوں.... بہت خوب صورت لگ رہی ہو۔" اس نے میرب کے کان میں لٹکتا آویزہ چھو کر کہا.... اس کے گالوں پر سرخی دوڑ گئی۔

"مجھے نہیں بتاؤ گی' کیسا لگ رہا ہوں؟" اس نے شوخی سے سوال کیا۔ میرب سے تو نگاہ ہی اٹھانا دوبھر تھا کجا کہ جواب دینا۔

"خیر۔" پتا نہیں کیوں وہ قریب آتے آتے یکدم دور ہٹا تھا۔

"تم چینج کر کے آرام کرو۔ میں بھی تھکا ہوا ہوں۔" وہ کہہ کر ڈریسنگ روم میں چلا گیا۔ میرب بھی اپنی بے ترتیب سانسوں کو ہموار کر کے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر جیولری اتارنے لگی۔ اس کے لب آپ ہی آپ گنگنا اٹھے تھے۔

☆ ☆ ☆

دن بھر چندا بولائی بولائی پھرتی۔ رات رات بھر جاگ کر ٹی وی پر فلمیں دیکھتی رہتی۔ عجیب اجاڑ' بے حال' پریشان' گھر کی فکر نہ شوہر اور بچے کی پروا اس کے انداز جمیل دیکھ تو رہا تھا مگر مصلحتاً" خاموش تھا کہتا بھی کیا آخر....

اسے اپنے گھر کا سکون اور اپنی عزت پیاری تھی۔ اس سے جواب طلبی کرتا تو دونوں ہی خطرے میں پڑ جاتے۔

دن یونہی بے کیف سے تھے۔ تب ہی سونو کے اسکول سے پیرنٹس ٹیچر میٹنگ کا بلاوا آیا۔ جمیل نے چندا کو بتایا۔ وہ بنا پس و پیش جانے کو راضی بھی ہو گئی۔

اس نے پہننے کے لیے گہرے نارنجی اور پیلے رنگ کی شیفون کی ساڑی کا انتخاب کیا۔ اہتمام سے میک اپ کیا' جیولری پہنی۔ ایک دو مرتبہ اس کی تیاری دیکھ کر جمیل نے اسے ٹوکنے کا سوچا بھی مگر پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔ اسکول میں میٹنگ کا مخصوص ماحول تھا۔ آج سونو بہت خوش تھا۔ اس کی مما پہلی بار اس کے اسکول جارہی تھیں۔ کوئی معمولی بات تھی بھلا؟

ٹیچر سے میٹنگ تو جمیل نے ہی کی۔ پڑھائی میں سونو اچھا تھا ذہین بھی تھا مگر غیر نصابی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لیتا تھا۔ کم آمیز بھی تھا بس یہی دو باتیں ٹیچر نے اس کے متعلق شکایتاً" بتائیں۔ چندا.... نخوت سے بیٹھی یہاں وہاں ٹیچرز کو ان کی ڈریسنگ' فیشن سینس کو دیکھ کر دل ہی دل میں مضحکہ اڑاتی رہی۔ وقت رخصت ٹیچر نے سونو کا گال چھو کر کہا۔

"مجھے اتنے پیارے سے بچے کی ماما سے ملنے کا بہت اشتیاق تھا۔ آپ سے مل کر خوشی ہوئی مسز جمیل! یقیناً" آپ کا بیٹا آپ کا پرتو ہے۔"

سونو جھینپ کر شرمانے لگا۔ چندا کی گردن غرور سے تن گئی۔ اس نے کسی بے پروا شہزادی کی طرح یہ تحسین آمیز الفاظ وصول کیے۔ جمیل البتہ سنجیدہ سا محسوس ہوا۔ واپسی میں کہنے لگا۔

"تم سونو کے اسکول کے معاملات میں بالکل دلچسپی نہیں لیتی ہو۔ پڑھائی کے ساتھ ساتھ غیر نصابی سرگرمیاں بھی بے حد ضروری ہیں تم کوشش کرو تو سونو اس میں دلچسپی ضرور لے گا۔"

"میں بے کار کی باتوں میں نہیں پڑتی۔ نہیں لیتا تو نہ لے۔" اس نے گاڑی سے باہر جھانکتے ہوئے کہا۔ سونو اس کی ساڑی کا پلو چپکے چپکے اپنے ہاتھ میں لے کر پیار سے ہاتھ پھیر رہا تھا۔

"یہ باتیں بے کار کی نہیں ہیں چندا! میں سونو کے معاملے میں تمہاری لاپروائی برداشت نہیں کرسکتا۔" وہ سنجیدہ لہجے میں بولا۔

"سونو' سونو' سونو.... جب سے یہ پیدا ہوا ہے تم نے تو زندگی کا حلقہ ہی مجھ پر تنگ کردیا ہے۔ آخر تم مجھے

چین سے جینے دو گے یا نہیں۔" وہ چیخ کر بولی۔
"خدا کا خوف کرو چندا' میں نے آخر ایسا کیا کہہ دیا ہے؟" وہ غصے سے بولا۔
"ہر وقت سونو سونو کا راگ الاپتے رہتے ہو' تمہیں میری پرواہ ہے کہ نہیں۔"
"بات کو کہاں سے کہاں لے جاتی ہو تم... تم سے تو کچھ کہنا ہی بے کار ہے۔" وہ حسب روایت بے بسی مگر ناپسندیدگی سے بولا۔
"ہونہہ۔" اس نے گردن جھٹک کر ایک مرتبہ پھر باہر دیکھنا شروع کر دیا۔ سونو اس کا مہکتا پلو چھوڑ کر نجانے کب سے دونوں کو ہراساں نگاہوں سے تک رہا تھا۔ جمیل کی نظر بیک ویو مرر سے اس پر پڑی۔
"چاکلیٹ لو گے؟" اس نے مسکرا کر اس سے پوچھا۔
سونو نے اثبات میں سر ہلایا تو وہ کھل کر ہنس دیا۔ چندا نجانے کن سوچوں میں مستغرق تھی۔

☼ ☼ ☼

"سچ بھابھی... میں نے آپ کو اتنا مس کیا کہ بتا نہیں سکتی۔" شام کا وقت تھا' وہ دونوں لان میں چہل قدمی کر رہی تھیں۔ وقار صاحب اپنے کمرے میں تسبیحات میں مصروف تھے۔ سائر آفس گیا ہوا تھا۔
"اتنا مس کیا... مگر فون ایک بھی نہیں' آخر کیوں؟" میرب نے ہلکا سا شکوہ کیا تو وہ جھینپ سی گئی۔
"وہ... وہ بس ویسے بھی میرے فون کرنے سے کیا ہو جاتا بھلا؟" اس نے کندھے اچکا کر کہا۔
"مجھے ڈھارس ہوتی' تسلی ملتی... غیر یقینی حالات میں بڑا حوصلہ ملتا ہے تسلی آمیز الفاظ سے۔"
"وہ تو ہے۔" وہ فوراً" متفق ہو گئی پتا نہیں اس نے ٹھیک سے سنا بھی تھا یا نہیں' وہ تو اپنی بات میرب تک پہنچانے کے لیے مناسب لفظوں کی تلاش میں تھی۔
"اور تمہارا کالج ٹھیک جا رہا ہے اور وہ تمہاری فرینڈ کیا نام ہے اس کا۔"
"نتاشا۔" اجیہ کھٹ سے بولی۔
"ہاں' وہ ٹھیک ہے؟"
"بھابی! وہ بالکل ٹھیک ہے۔ بھابی مجھے آپ سے اک ضروری بات کرنی ہے۔" وہ یکدم رک کر اس کی جانب پلٹ کر بولی۔
"ہاں کہو۔" تب ہی لالی نے چائے لا کر لان کی میز پر لگا دی۔
"آؤ بیٹھو... آرام سے بات کرتے ہیں۔" میرب نے کہا۔ اور اپنے اور اجیہ کے لیے چائے بنانے لگی۔
"بھابھی... وہ اس کا بھائی ہے آغا۔ آئی مین شایان... آغا شایان امریکہ میں رہتا ہے' وہیں بزنس کرتا ہے۔ مجھے اس نے شادی میں دیکھا تھا۔ میں اسے بہت اچھی لگی۔ اس نے مجھے پرپوز کیا۔ مجھے بھی وہ بہت اچھا لگا۔" اتنا کہہ کر وہ میرب کے تاثرات جانچنے کو رکی جو متحیر سی تھی اور کچھ پریشان بھی۔
"وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔" اس نے انگلیاں چٹخاتے ہوئے بالآخر کہا۔
"تم جانتی ہو اجیہ! اپنے بھائی کے مزاج کو؟" میرب نے تفکر سے اسے دیکھ کر کہا۔
"میں کچھ نہیں جانتی سوائے اس کے کہ میں اور وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور شادی کرنا چاہتے ہیں۔" وہ کچھ نڈر ہو کر بولی۔
"مگر کیسے...؟"
"آپ کس مرض کی دوا ہیں۔" اس نے مسکرا کر ماحول کو ہلکا پھلکا کرنے کی کوشش کی۔
"کیا تم میری پوزیشن سے واقف نہیں ہو؟" وہ کسی قدر افسردگی سے بولی۔
"میں صرف اس بات سے واقف ہوں کہ آپ اس وقت بہت اسٹرونگ پوزیشن میں ہیں۔ آخر کو اس گھر کی نسل آگے بڑھانے والی ہیں' یہ کوئی معمولی بات ہے۔" وہ شوخی سے بولی اور شوخ کیوں نہ ہوتی' اپنی ساری فکر اور پریشانی تو اس نے میرب کے سپرد کر دی تھی۔
"تم بات سمجھ نہیں رہی ہو۔" اس نے سمجھانا چاہا۔

"مجھے کچھ نہیں سمجھنا بھابھی.... میں نے آپ سے ایک بات کہی ہے وہ آپ آگے پہنچا دیں' سیدھی سی بات ہے' باقی میں دیکھ لوں گی۔" وہ اتنے پختہ اور پُرعزم لہجے میں بولی کہ میرب اس کے انداز پر حیران ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان بھی ہو گئی۔

"تو پھر کب کریں گی بات' ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" وہ مضطرب لہجے میں بولی۔

"کرتی ہوں کچھ' ابھی چائے تو پیو۔" وہ اپنی پیشانی سہلاتی ہوئی دوسرے ہاتھ سے کپ کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

☼ ☼ ☼

"بابا! کچھ بتاؤ گے کہ کیا ہوا ہے۔ یا یونہی روتے رہو گے؟" سونو جب سے اسکول سے آیا تھا' بنا یونیفارم تبدیل کیے جوتے اتارے' بیڈ پر منہ چھپائے لیٹا رو رہا تھا۔

"مجھے کوئی بات نہیں کرنی۔" اس نے چلا کر کہا۔

"میرے اچھے بیٹے نہیں ہو؟ شاباش بتاؤ مجھے' کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟" اس کے پوچھنے پر اس نے اپنا چھپا ہوا چہرہ تکیے سے باہر نکالا۔ منہ لال سرخ ہو رہا تھا مسلسل روتے رہنے سے آنکھیں سوج گئی تھیں۔

زینت بی کو بے ساختہ اس پر پیار اور ترس سا آ گیا۔ اس کا گال چوما' ماتھے پر بکھرے بال ہاتھ سے سمیٹے' آنسو پونچھے۔

"وہ میرا فرینڈ ہے نا شانی' وہ میری مما کا مذاق اڑا رہا تھا کہہ رہا تھا کہ اس کی مما نے کہا کہ میری مما بالکل کارٹون لگ رہی تھیں۔" اتنا کہہ کر وہ پھر رونے لگا۔

زینت بی بالکل خاموش رہ گئیں۔

"اور پتا ہے شانی کی ماما اور علی کی ماما دونوں فرینڈز ہیں تو میں نے کہا کہ میری مما کو بھی اپنی مما سے کہو کہ فرینڈ بنا لیں تو علی کہنے لگا۔ میری مما چیپ لوگوں سے فرینڈ شپ نہیں کرتیں۔"

"وہ دونوں بہت گندے بچے ہیں۔ آپ اپنی ٹیچر سے کہہ دیتے کہ وہ دونوں آپ کو تنگ کر رہے ہیں۔" زینت بی اس کی دل جوئی کرنے کو بولیں۔

"میں نے اپنی ٹیچر سے کہا تھا کہ وہ دونوں میری مما کو کارٹون کہہ رہے ہیں تو وہ بھی ہنس دیں۔"

"زینت بی' میری مما تو اتنی پیاری ہیں تو وہ ان کا مذاق کیوں اڑا رہے تھے؟" وہ کہہ نہیں سکیں کہ کسی اور کے پاس تمہاری جیسی نگاہ جو نہیں ہے۔

"چھوڑو ان کی باتیں... آپ کے فرینڈز جھوٹ کہتے ہیں آپ کی مما تو بہت پیاری سی ہیں بیٹا... بی بریو... اتنی سی بات پر اچھے بچے روتے ہیں بھلا' چلو شاباش اٹھو چینج کرو' کھانا کھاؤ پھر شام میں آپ اور میں فٹ بال بھی کھیلیں گے اوکے۔"

"اوکے۔" وہ بہل گیا تھا۔

مگر زینت بی کی پیشانی پر تفکر کی گہری لکیریں کھنچ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"یہ لیجیے آپ کی چائے..." میرب نے اسٹڈی روم میں داخل ہو کر وقار صاحب کی چائے ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"شاباش... جیتی رہو' شاد رہو' آباد رہو۔" وقار صاحب نے کتاب نشانی لگا کر بند کرتے ہوئے خوش دلی سے اسے دعائیں دیں۔ وہ بہت آسودہ سے محسوس ہو رہے تھے۔

"اگر آپ مصروف نہیں ہیں تو کیا میں آپ کے پاس بیٹھ سکتی ہوں؟" وہ کچھ جھجک کر اجازت طلب نگاہوں سے انہیں دیکھ کر بولی۔

"یہ کیا بات کی تم نے؟" وہ یک لخت خفگی سے بولے "اگر مصروف بھی ہوتا تو تمہاری خاطر مصروفیت ترک کر دیتا' اتنا تو حق ہے نا تمہارا۔" وہ خفیف سی ہو کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

"یہ تمہارا گھر ہے' پورے اعتماد اور استحقاق سے رہو۔ زندگی میں سکھ دکھ ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اس کی اتنی پروا نہیں کرنی چاہیے؟"

"جی بابا! مجھے آپ سے اک بہت اہم اور ضروری

بات کرنی ہے۔ دیکھیے مگر پہلے آپ وعدہ کریں کہ پوری بات تحمل سے سن کر سوچ سمجھ کر جواب دیں گے۔" اس نے خائف لہجے میں تمہید باندھی۔
"خیریت بیٹا..." وہ یکدم ہی بہت پریشان دکھائی دینے لگے۔
"آپ اتنے ٹینس نہ ہوں پلیز۔" وہ ندامت محسوس کرنے لگی۔ مگر آخر وہ بھی کیا کرتی' سائرہ سے یہ بات کر کے اپنی ہی سلامتی خطرے میں پڑ جاتی پھر نا معلوم اجیہ کے متعلق وہ سب سن کر اس کا کیسا ردعمل ہوتا سو بات ان ہی سے کرنی تھی۔
"بات کیا ہے... سائرہ نے پھر کچھ مسئلہ کھڑا کر دیا ہے؟" وہ تشویش سے بولے۔
"نہیں... نہیں۔" وہ سرعت سے نفی میں سر ہلا کر بولی۔ "بات دراصل یہ ہے بابا کہ اجیہ کے لیے کچھ لوگ آنا چاہتے ہیں۔" اس نے کہہ ہی دیا۔
"اجیہ کے لیے؟" وہ بے حد حیرانی سے بولے مفہوم ظاہر ہے کہ وہ سمجھ گئے تھے۔ "مگر ابھی تو وہ انٹر میں ہے ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے آخر؟"
"بات آپ کی بھی ٹھیک ہے۔ مگر رشتہ اچھا ہے ایک بار غور کرنے میں کیا ہرج ہے۔" وہ بولی۔
"نہیں بھئی... بالکل نہیں۔ جب ابھی اس کی شادی کرنی ہی نہیں تو رشتہ دیکھنے کا فائدہ۔ خوانخواہ اس کا ذہن منتشر ہو جائے گا۔" وہ قطعیت سے بولے۔
میرب نے سوچا تھا کہ وہ اپنے طور پر رشتے کی بات سنبھالنے کی کوشش کرے گی پھر بات آگے بڑھائے گی مگر یہاں تو پہلے ہی صاف انکار تھا سو چار و ناچار اسے اب اصل بات بتانی ہی تھی سو وہ سنبھل کر بولی۔
"اجیہ کی فرینڈ نتاشا کا بھائی ہے' اس نے ہماری شادی پر اجیہ کو پسند کیا تھا اور وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔" اس نے رک رک کر اپنی بات مکمل کی۔
ناگواری کی شدید لہر وقار صاحب کے رگ و پے میں دوڑ گئی۔
"نتاشا کا بھائی... مجھے نتاشا کچھ خاص پسند نہیں۔ نہیں بھئی مجھے اس معاملے کو آگے ہرگز نہیں بڑھانا۔" وہ دوٹوک بولے۔
"بابا... اجیہ بھی اس کے بھائی کو پسند کرتی ہے۔" وہ نظریں جھکا کر آہستگی سے بولی۔
"کیا کہہ رہی ہو میرب؟" وہ بے یقینی سے اسے دیکھنے لگے گویا وہ جو کچھ کہہ رہی ہو' اپنی جانب سے کہہ رہی ہو۔
"باخدا... مجھے اس نے خود بتایا ہے بابا جان... میں خدانخواستہ الزام تراشی نہیں کر رہی۔" وہ ان کی نگاہوں میں بے یقینی دیکھ کر گھبرا سی گئی۔ وقار صاحب خاموشی کی دبیز لہر میں ڈوب گئے۔
"بابا... وہ چاہتی ہے کہ اس کا رشتہ وہیں طے کیا جائے۔ آپ ایک مرتبہ ان لوگوں سے مل تو لیں' ہو سکتا ہے' وہ اجیہ کے لیے موزوں ہوں..."
"اور اگر نہ ہوں تو؟" انہوں نے مدھم آواز میں پوچھا۔ میرب چپ کی چپ رہ گئی۔
واقعی اس سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا ہوتا بھی تو وہ وقار صاحب کو دے نہیں سکتی تھی۔ مگر وقار کوئی ناسمجھ بچے نہیں تھے' اس کی خاموشی بذات خود ایک مکمل جواب تھی۔ انہوں نے اک یاسیت آمیز سی نگاہ اس پر ڈالی۔
"ٹھیک ہے... اس سنڈے بلا لو انہیں لنچ پر۔" بہت ٹوٹی ہوئی آواز میں وہ بولے تھے۔
"مگر بابا... آپ تھوڑی سوچ بچار تو کیجیے۔"
"سوچ بچار وہاں کی جاتی ہے' جہاں فیصلہ کرنے میں تردد ہو... اور جب فیصلے ہی کا اختیار میرے پاس نہیں تو پھر میرا متردد ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟" وہ ناراض لہجے میں بولے تھے۔
"بابا! آپ ناراض مت ہوں... اگر وہ لوگ خدانخواستہ اجیہ کے لیے مناسب نہ ہوئے تو میں خود اسے سمجھاؤں گی۔" وہ ان کی تشفی کے لیے بولی۔
"اور وہ پھر بھی نہ سمجھی تو؟" کہنے کا فائدہ نہیں تھا اس لیے وقار صاحب نے کہا نہیں مگر سوچا ضرور۔

☼ ☼ ☼

آج کئی مہینے بعد وہ بڑے اہتمام سے تیار ہوئی

تھی۔ نیلے رنگ کی ساڑی میں اس کا متناسب سراپا ہمیشہ کی طرح غضب ڈھا رہا تھا۔ اس کا ارادہ ایمرلڈ کلب جانے کا تھا۔ وہاں وہ پومی آنٹی کے ساتھ اکثر جایا کرتی تھی۔ وہ شہر کے معزز اور اونچے لوگوں کا کلب تھا۔ جہاں شوبز سے متعلق شخصیات کا آنا جانا بھی معمول کی بات تھی۔ اس نے تیار ہو کر اک ناقدانہ نگاہ اپنے سراپے پر ڈالی اور مطمئن ہو کر سلور پرس بغل میں دبائے باہر نکل آئی۔ کچھ عرصہ قبل ہی اس نے بے حد ضد کر کے اپنے لیے گاڑی اور ڈرائیور جمیل سے لیا تھا... گو کہ جمیل کی پوزیشن فی الحال ڈاؤن جا رہی تھی مگر پھر بھی اس نے اس کی سہولت کے پیش نظر جوڑ توڑ کر کے اس کی فرمائش پوری کر دی تھی۔ اسے گاڑی میں شان بے نیازی سے بیٹھتا دیکھ کر سونو زینت بی سے بولا۔

"مما روز چلی جاتی ہیں... کبھی بھی مجھے اپنے ساتھ پارک لے کر نہیں جاتیں۔" اور زینت بی اسے حسب معمول پچکار کر پارک لے گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

آج صبح سے مہمانوں کی آمد کی تیاریاں کی جا رہی تھیں۔ سارا انتظام میرب نے سنبھالا ہوا تھا۔ سائر سے مصلحتاً" اجیہ کی پسندیدگی والی بات چھپائی گئی تھی۔ اس لیے وہ نارمل تھا۔ البتہ وقار بہت بے چینی محسوس کر رہے تھے۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا' میرے خوابوں کی منزل محض چند قدم کے فاصلے پر ہے۔" آغا صبح سے کتنی ہی بار اجیہ کو ٹیکسٹ کر چکا تھا۔ اور وہ بھی جواباً" اسے اپنی کیفیات سے آگاہ کر رہی تھی۔ گل کو بھی وہ آج کے متعلق بتا چکی تھی جس پر گل نے بڑے وثوق سے کہا تھا کہ۔

"دیکھ لینا تمہارا باپ ضرور کوئی ڈرامہ کرنے والا ہے۔" اجیہ اس سے کسی حد تک متفق بھی تھی... مگر بظاہر تو سب ٹھیک ہی تھا اس لیے زیادہ دھیان نہیں دیا۔ بہرحال مقررہ وقت پر مہمان آ گئے۔ بے انتہا ماڈ

آغا کی ممی جو اس کی بڑی بہن دکھتی تھیں۔ تیوریاں چڑھائے اس کے ڈیڈی اور نتاشا۔

گفتگو کا باقاعدہ آغاز ہوا تو وقار صاحب نے آغا سے اس کی تعلیم' رہائش بزنس وغیرہ کے متعلق ضروری سوال کیے اور ساتھ ہی ساتھ اس کے دیے گئے جوابات کو اپنے تجربے کی روشنی میں پرکھتے بھی رہے۔ اس کے ڈیڈی سے بھی وقار صاحب ہی نے بات چیت کی۔ سائر خاموش تھا۔ پھر جب گفتگو کا رخ سیاسیات' معاشیات' اقتصادیات وغیرہ وغیرہ کی طرف مڑا تب وہ بھی گفتگو میں حصہ لینے لگا۔ تب ہی اجیہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی۔ آغا کی ساری توجہ ادھر ہو گئی۔ سائر نے اس کے یوں منہ اٹھا کر اجیہ کو دیکھنے پر ناگواری محسوس کی۔ وہ آئی اور میرب جو آغا کی ممی اور نتاشا کے ساتھ سلیقے سے دوپٹہ اوڑھے بیٹھی تھی کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ آغا کی ممی نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ نتاشا کی خوشی دیدنی تھی۔ لالی نے جوس پیش کیا۔ تب ہی آغا کی ممی نے اجیہ کے لیے آغا کا ہاتھ مانگ لیا۔

"بس مسٹر وقار... آپ تو جانتے ہی ہوں گے کہ اجیہ اور آغا ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں تو آپ اور ہم کون ہوتے ہیں بیچ میں دخل دینے والے بڑی بات ہے کہ... ہمارے بچوں نے ہمیں عزت بخشی کہ ان کی شادی ہم کروائیں اگر یہ دونوں خود ہی کورٹ میرج کر لیتے تب بھی ہم کیا کر سکتے تھے۔" انہوں نے فلک شگاف قہقہہ لگا کر اپنی بات سے خود ہی حظ اٹھایا۔

سائر کے چہرے کے عضلات تن سے گئے۔ بات تو وقار اور میرب کو بھی کچھ خاص پسند نہیں آئی تھی۔ البتہ اجیہ مسکرا رہی تھی۔

"جی بھابھی... اب وقت بہت بدل گیا ہے۔" وہ اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ موصوفہ پھر ان کی بات درمیان سے اچک کر بے تابانہ بولیں۔

"بس تو پھر اگلے ماہ کی کوئی تاریخ دے دیجیے نا آپ! آغا ویسے ہی کتنے مہینوں سے یہاں صرف اجیہ کی وجہ سے اٹکا بیٹھا ہے اب یہ فوراً" واپس نہیں گیا تو بڑا مسئلہ ہو جائے گا۔"

"بھابی! کمال کرتی ہیں آپ بھی..." وقار لہجے پر بہت مشکل سے کنٹرول کرپائے تھے "ایسے بھلا بیٹیوں کے رشتے طے کیے جاتے ہیں کہیں۔ آپ سے آج ہی ملاقات ہوئی ہے ابھی تو بہت سے مراحل طے ہونا باقی ہیں۔"

"ہم آج ملے ہیں تو کیا ہوا؟" وہ تیزی سے بولیں۔ "بھئی دیکھیں نا' زندگی تو ان دونوں کو گزارنی ہے تو خوامخواہ ہمیں اپنا دماغ خراب کرنے کی کیا ضرورت ہے۔" اس کے ڈیڈی اپنی بیگم کی ہر بات سے متفق تھے... سر تو ان کا اثبات میں مسلسل ایسے ہی ہل رہا تھا۔

"نہیں بھابی! میں آپ کی بات سے اختلاف کرتا ہوں بے شک! زندگی بچوں کو گزارنی ہے مگر آخر ہمارے بھی تو کچھ فرائض ہیں اور میں اپنے فرائض کو بہتر طریقے سے ادا کرنے پر یقین رکھتا ہوں۔" اجیہ نے ان کے یہ کہنے پر اک طنزیہ سلگتی ہوئی نگاہ ان پر ڈالی تھی۔

"مگر..." آغا کی ممی نے کچھ کہنا چاہا لیکن سائر نے اس مرتبہ ان کی بات قطع کرتے ہوئے کہا۔

"مگر کچھ نہیں آنٹی... آپ کا موقف شاید درست ہو... مگر ہم آپ کو فوری طور پر جواب دے نہیں سکتے۔ آپ بھی ہماری مجبوری کو سمجھیے۔" ماحول کچھ کشیدہ سا ہو گیا۔ آغا بے حد غصے میں دکھائی دینے لگا۔

تب ہی لالی نے کھانا لگنے کی اطلاع دی۔ کھانے کے دوران یہاں وہاں کی چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد وہ جلد ہی جواب دینے کے اصرار کے ساتھ رخصت ہوئے۔ ان کے جانے کی دیر تھی کہ سائر پھٹ پڑا۔

"کیا بکواس کر رہی تھی وہ واہیات عورت؟ تم اور آغا ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو۔" وہ اپنی نگاہیں اجیہ پر گاڑ کر بولا۔ اس کا غصہ دیکھ کر اجیہ کا رنگ سفید پڑ گیا۔

"میرب! تم اجیہ کو کمرے میں لے کر جاؤ۔" وقار صاحب تحمل سے بولے۔

میرب لمحہ کی تاخیر کیے بنا اسے کمرے میں لے کر چلتی بنی۔

"بابا! اس قدر واہیات لوگ تھے' کیا آپ نے نہیں دیکھا؟" اس نے ان کی جانب پلٹ کر دیکھا۔

"دیکھا... زندگی میں بہت کچھ دیکھ کر آنکھیں چرانا پڑتی ہیں بیٹے! یہ وقت غصے میں آ کر الٹا سیدھا بولنے کا نہیں بلکہ بردباری سے معاملات کو ہینڈل کرنے کا ہے۔" انہوں نے نزدیک آ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کیا مطلب؟" آپ کیا چاہتے ہیں میں بے غیرت بن جاؤں؟" اس نے ناراضی سے انہیں دیکھا۔

"نہیں بیٹے... بات غیرت مند یا بے غیرت ہونے کی نہیں... اجیہ اگر اس شخص کو پسند کرتی ہے اور وہ قابل بھروسا اور نیک ہے تو اس متعلق سوچنے میں کچھ حرج بھی نہیں۔"

"تو کیا آپ اجیہ کو اس شخص سے پسند کی شادی کرنے دیں گے!" اس نے ہاتھ سے اجیہ کے کمرے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"میں نے کہا نا کہ اگر وہ لڑکا اس لائق ہوا تو۔ میں جانتا ہوں کہ انسان کا اس کی پسند ناپسند پر اختیار نہیں ہوتا۔ پسند تو کوئی نہ کوئی آ ہی جاتا ہے... ہاں مگر میں بے ہودگی... بے حیائی اور بے شرمی کا شدید مخالف ہوں۔ محبت انسان کو ہو جاتی ہے مگر میں اسے پارکوں' ہوٹلوں اور سڑکوں پر رولنے کو گناہ سمجھتا ہوں۔" وہ دھیمے سے بولے تو سائر کے تنے اعصاب کچھ ڈھیلے سے پڑ گئے۔

"میں شاید آپ کو کبھی نہ سمجھ پاؤں۔"

"مجھے سمجھ کر کیا کرو گے برخوردار! زندگی کو سمجھنا' برتنا سیکھو۔" وہ اب سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔

"میں نے اس کا امریکہ کا ایڈریس لے لیا ہے۔ یہاں کا ایڈریس وغیرہ میرب اجیہ سے پتا کر لے گی۔ تم ذرا اس لڑکے کے متعلق چھان بین تو کرواؤ۔" وہ اپنا سر دونوں ہاتھوں سے دباتے ہوئے بولے۔

"جی کرواتا ہوں۔" وہ تابعداری سے بولا۔ دوسری طرف اجیہ میرب پر ناراض ہو رہی تھی۔

"آپ نے میری پسندیدگی کے متعلق بابا اور بھائی کو کیوں نہیں بتایا؟"

"عجیب لڑکی ہو تم لڑکیاں تو ایسی باتیں باپ بھائی سے چھپاتی ہیں۔" وہ برہمی سے بولی۔

"مگر میں ان لڑکیوں میں سے نہیں، مجھے آغا سے شادی کرنی ہے اور ہر حال میں کرنی ہے۔" وہ بے باکی سے بولی۔ تو میرب پریشانی سے اسے دیکھنے لگی۔

"کچھ تو صبر کرو ان شاء اللہ تمہارے حق میں بہتر ہی ہوگا۔" اس نے اسے دلاسا دیا تو وہ مضطرب سی ہو کر بیڈ پر بیٹھ کر ناخن چبانے لگی۔

☆ ☆ ☆

چندا کو کلب جاتے مہینے سے اوپر ہو گیا تھا۔ وہاں اب اس کی اکثر لوگوں سے جان پہچان ہو چلی تھی۔ دو ایک مرتبہ بوی آنٹی سے بھی ٹاکرا ہوا مگر وہ انجان سی بن کر نکل گئیں۔ وہاں اک لڑکی ستارہ سے چندا کی کافی اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ وہ ایک سی کلاس ایکٹرس اور ماڈل تھی۔ جس نے خود کو ہر قید و بند سے آزاد کر رکھا تھا۔ وہ چندا کو طرح طرح کے مشورے دیتی کبھی کہتی۔

"اپنے چہرے پر خوشامدی مسکراہٹ سجاؤ، اتنی مغرور لگتی ہو اسی لیے تمہیں کوئی لفٹ نہیں کرواتا۔" کبھی ڈپٹتی کہ۔

"اچھا بھلا وہ شاہ صاحب تمہیں اپنے ساتھ اپنے فارم ہاؤس لے جانے کی آفر دے رہے تھے خوامخواہ تم اکڑ گئیں۔ چلی جاتیں نا تو وارے نیارے ہو گئے ہوتے۔ بیس تیس ہزار تو اس کے ہاتھ کا میل ہیں۔"

چندا کوفت زدہ ہو کر بولی۔

"بیس تیس ہزار میرا مسئلہ نہیں ہیں یار! مجھے تو اک چانس چاہیے ایک ایسا چانس جو مجھے راتوں رات مشہور کر دے۔" اس کی آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

"ہائے قسم سے تمہاری یہ جگمگاتی آنکھیں ہیرے کی چمک کو ماند کر دیتی ہیں، ویسے کبھی دیکھا ہے اصلی ہیرا؟" اس نے مشروب کا گھونٹ بھرتے ہوئے پوچھا۔

"اوں ہوں.... ابھی تک تو نہیں۔" وہ بے مزہ ہوئی۔

"کیوں یار.... تمہارا شوہر اتنا بھی غریب نہیں۔" وہ آنکھ سے کسی کو اشارہ کرتی ہوئی بولی۔

"اور وہ اتنا امیر بھی نہیں کہ میرے لیے ہیرے موتی خرید سکے۔" اس نے تندی سے کہا۔

"مگر یار! قسم سے اگر مجھے خدا نے تمہارے جیسا بے داغ حسین چہرہ اور سنگ مرمر سے تراشا فگر دیا ہوتا نا تو تم دیکھتیں.... میں نے تو اپنے لیے سونے چاندی کے محل کھڑے کر لینے تھے۔" وہ بائیں آنکھ دبا کر بولی۔

"میرا نصیب ہی خراب ہے شاید۔" وہ یاسیت سے بولی۔

اور اکثر ایسا ہی ہوتا ہے.... ہمارا نصیب خراب نہیں ہوتا مگر ہم اسے اپنے ہاتھوں سے بڑے جتن کر کے بڑی محنت سے خراب کر لیتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

"کیا بکواس ہے یہ آخر.... کس خوشی میں تمہارے ڈیڈ نے وقت مانگا ہے۔" آغا سخت برہم تھا۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں آغا.... آخر فارمیلٹی بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔" وہ پچھلے چار پانچ دن سے آغا کو یہی سمجھاتی آ رہی تھی۔

"کان پک گئے ہیں تمہاری یہ بے کار کی باتیں سن کر میرے۔" اس کی برداشت جواب دے گئی۔

"یہ کس طرح بات کر رہے ہو تم مجھ سے۔" وہ بگڑ کر بولی۔ تو وہ کچھ نرم پڑا۔

"یار! تم سمجھ کیوں نہیں رہی ہو.... میں تم سے مزید دور نہیں رہ سکتا۔"

"پلیز آغا.... کچھ ہی دن کی تو بات ہے۔" وہ بھی مسکرا کر بولی۔

''اگر تمہارے بھائی نے انکار کر دیا تو... مجھے وہ بالکل پسند نہیں آیا ہے۔''

''وہ کیوں انکار کریں گے بھائی مجھے بتا رہی تھیں کہ پہلے تو وہ واقعی غصے میں تھے مگر بابا نے انہیں سمجھایا تو وہ بالکل نارمل ہو کر تمہارے متعلق تحقیقات کروا رہے ہیں۔'' وہ روانی میں کہہ گئی۔ آغا کے کان کھڑے ہو گئے۔

''میرے متعلق تحقیقات؟ کیا میں کوئی ہسٹری شیٹر ہوں؟'' وہ شدید طیش میں آ گیا۔

''پلیز آغا... میرا مطلب تھا کہ جیسا کہ ہمارے معاشرے میں عام رواج اور طریقہ ہے۔'' وہ کہہ کر پچھتائی۔

''بھاڑ میں گیا معاشرہ' مجھے اس کے رسموں رواجوں سے کچھ لینا دینا نہیں اور تم اس بات پر اتنی نارمل کیسے رہ سکتی ہو؟ اگر اس کو میرے متعلق کچھ الٹا سیدھا معلوم ہو گیا تو وہ تو ہماری شادی ہونے نہیں دے گا پھر کیا کرو گی تم؟''

''اگر تم غلط نہیں ہو تو انہیں کوئی الٹی سیدھی معلومات بھلا کیوں دے گا۔ مجھے پورا بھروسا ہے تم پر ایسا کچھ بھی نہیں ہو گا۔'' وہ پورے یقین سے گویا تھی۔

''بے وقوف ہو تم اجیہ... اگر تمہارے گھر والے تمہاری شادی میرے ساتھ کرنے پر راضی نہ ہوئے تو تم کیا کرو گی؟'' وہ ٹٹولنے والے لہجے میں بولا۔

''تو میں تمہارے ساتھ بھاگ جاؤں گی۔ اب خوش؟'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

اپنے الفاظ پر قائم رہنا۔''

''ہاں' ہاں اب کچھ اور بھی بات کرو گے یا بس مجھے غصہ ہی دکھاتے رہو گے۔''

''تمہارے گھر والوں نے کچھ اور بات کے قابل چھوڑا ہے؟'' وہ بولا۔ تو وہ کھل کر ہنس دی۔

انسان کے الفاظ بڑے قیمتی ہوتے ہیں۔ انسان جو کہتا ہے کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں اس کی قیمت اسے چکانی ہی پڑتی ہے۔ لفظ مرتے نہیں' وہ فضا میں زندہ رہتے ہیں اور پھر زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر آ کر آپ کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

جمیل اپنے آفس میں بیٹھا اپنے معاون کے ساتھ نئی ہونے والی ڈیل کے متعلق ڈسکشن میں مصروف تھا تب ہی اس کی ٹیبل پر رکھا فون بجا۔ نیا نیا کام شروع کیا تھا آفس کا عملہ بھی مختصر تھا زیادہ شو شا بھی اسے پسند نہیں تھی۔ سو فی الحال وہ آنے والی کالز وغیرہ خود ہی ریسیو کر لیا کرتا تھا۔

''ایک منٹ'' اس نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے معاون' ہمدانی کو خاموش ہو جانے کا اشارہ دیا' ہیلو... کیا؟'' وہ بے ساختہ زور سے چیخا۔

''میں ڈاکٹر کو فون کرتا ہوں یا تم بشارت سے ٹیکسی منگواؤ' چندا کہاں ہے اس سے میری بات کرواؤ؟''

''صاحب... وہ گھر پر نہیں ہیں۔'' زینت نے بتایا تو جمیل کو لگا کہ اگر چندا اس کے سامنے ہوتی تو یقیناً'' وہ اس کا منہ تھپڑوں سے سرخ کر چکا ہوتا۔

''تم ایسا کرو۔ وقت ضائع کیے بغیر سونو کو ٹیکسی میں قریبی کلینک لے جاؤ' میں وہیں پہنچ رہا ہوں۔'' اس نے عجلت میں کہہ کر ریسیور رکھ دیا۔

''سب خیریت!'' ہمدانی نے تشویش سے پوچھا۔

''یار... میرا اکلوتا بیٹا سیڑھیوں سے گر گیا ہے سر پر چوٹ آئی ہے' اس کی میڈ کا فون تھا۔'' وہ پریشانی سے اپنی پیشانی سہلاتا ہوا بولا۔

''فکر مند مت ہو' اللہ خیر کرے گا' چلو میں ڈرائیو کر کے تمہیں لے چلتا ہوں۔'' اس نے جمیل کی غائب دماغی والی کیفیت نوٹ کرتے ہوئے کہا۔

''چلو!'' وہ بنا پس و پیش اٹھ گیا۔

آفس سے گھر کے نزدیکی کلینک تک آتے ہوئے پورے راستے اسے چندا پر بری طرح غصہ آتا رہا آخر تھی کہاں وہ عورت؟ اتنی لاپروائی وہ اپنے اکلوتے بچے سے کیسے برت سکتی ہے... اور پتا نہیں میرے بچے کو کتنی چوٹ آئی ہو گی... آ جائے وہ گھر آج... میں بتاتا

ہوں اس عورت کو....

"بس یہی ہے یار!" وہ کلینک پر گاڑی رکوا کر سرعت سے اترا اور اندر گیا۔ چھوٹا سا کلینک تھا۔ سامنے ہی بیڈ پر وہ لیٹا دکھائی دے گیا۔ اس کی ہلکی نیلی شرٹ پر جگہ جگہ خون کے سرخ نشانات تھے۔ نیم بے ہوش سونو کے پاس بدحواس صورت لیے زینت بیٹھی تھی۔

"میرے بیٹے.... میرے بچے کیسے گرے تم۔" وہ بے قراری سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

"وہ صاحب جی.... سونو فٹ بال سے کھیل رہا تھا بال کے پیچھے بھاگا تو سیڑھیوں پر پیر پھسل گیا۔" اس نے ڈرتے ہوئے بتایا۔

"چندا کب سے گئی ہوئی ہے؟" اس نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"جی وہ تو روز شام کو چلی جاتی ہیں کہیں۔ دو تین گھنٹے بعد واپسی ہوتی ہے ان کی۔" اس نے سن کر کچھ نہیں کہا اور ڈاکٹر کے پاس سونو کے متعلق بات چیت کے لیے چلا گیا۔

"گھبرانے کی بات نہیں۔ جلد پھٹنے کے باعث دو ٹانکے لگے ہیں۔ بچہ کو خوف کی وجہ سے بخار ہو گیا ہے۔ انجکشن دے دیا ہے ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا.... باقی یہ دوائیں ہیں' یہ آپ انہیں دیتے رہیں۔ فروٹ جوسز دودھ پلائیں۔ دو روز بعد آکر زخم دکھا دیں۔" ڈاکٹر نے دوائیوں کا پرچہ اسے تھما کر مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ نیم بے ہوش سونو کو اٹھا کر گاڑی تک لایا۔ اس نے چندا کی اچھی طرح خبر لینے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آغا کے باپ کی شہرت کچھ اچھی نہیں' ویسے وہ لوگ پیسے والے ضرور ہیں مگر اتنے بھی نہیں جیسا کہ ان لوگوں نے اپنا لائف اسٹائل اپنا رکھا ہے۔ آغا کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ امریکہ میں تین بار شادی کر کے لڑکیوں کو چھوڑ چکا ہے۔ ڈرنکر ہے۔ ڈرگس استعمال کرتا ہے۔ حلقہ احباب بھی نامناسب ہے۔"

یہ وہ معلومات تھیں جو سائر کو حاصل ہوئی تھیں۔ اور وہ سر تھامے بیٹھا تھا۔ حالت تو وقار صاحب کی بھی کچھ مختلف نہیں تھی' اس صورت حال میں سب سے زیادہ فکر مند میرب تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اجیہ یہ سب کبھی نہیں مانے گی۔

"اب کیا کرنا ہے سائر! میرے تو اعصاب جواب دے رہے ہیں۔"

"کرنا کیا ہے.... مجھے تو پہلے ہی وہ لوگ کچھ خاص پسند نہیں آئے تھے میں تو انہیں اسی وقت صاف جواب دے دینا چاہتا تھا مگر آپ کی تسلی کے لیے میں نے بات آگے بڑھنے دی۔" وہ ناگواری سے بولا۔

"مگر اجیہ.... وہ کیسے یقین کرے گی اس بات پر؟" میرب بولی تو سائر نے بھنا کر اس کی طرف دیکھا۔

"کیوں نہیں کرے گی' کیا ہم اس کے دشمن ہیں؟" وہ خلاف عادت کافی برداشت کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

"اسے سمجھانے کی کوشش کرو میرب.... " وقار صاحب تھکے تھکے سے لہجے میں بولے۔

"میں کوشش ضرور کروں گی بابا مگر۔" آگے وہ بول ہی نہیں سکی کہ سائر نے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھور کر دیکھا۔

"مگر کیا؟"

"کچھ نہیں.... میں سمجھاؤں گی اسے۔" وہ مضبوط لہجے میں جلدی سے بولی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کہاں تھیں تم؟" مغرب کے بعد وہ گھر لوٹی تھی۔ وہ گنگناتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی تو بیڈ پر جمیل کے ساتھ سونو لیٹا سو رہا تھا۔ ماتھے پر پٹی بندھی تھی۔

"اسے کیا ہوا؟" پرس رکھ کر قریب آتے ہوئے سوال کیا۔

"میں نے تم سے پوچھا ہے' تم کہاں تھیں؟" جمیل کے تیور اتنے خطرناک تھے کہ اسے خائف ہو کر جواب دینا پڑا۔

"میں اپنی فرینڈز کے ساتھ لیڈیز کلب میں تھی۔۔۔ آج پارٹی تھی وہاں۔" اس نے جمیل کو طنزیہ خود کو دیکھتا پاکر جلدی سے وضاحت دی۔

"تم وہاں روز جاتی ہو۔" وہ اٹھ بیٹھا تھا۔

"ہاں۔۔۔ شام کو ایک دو گھنٹوں کے لیے چلی جاتی ہوں۔" اس نے سنبھل کر کہا کہ فی الحال وہ اس سے پنگا لینے کی پوزیشن میں بالکل نہیں تھی۔

"سونو کے لیے میڈ ہے مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ تم اس کی ہر ذمے داری سے بری الذمہ ہو گئی ہو۔۔۔ تمہاری زندگی تمہاری ایکٹیویٹیز اپنی جگہ۔۔۔ مگر یہ گھر اور یہ بچہ بھی تو تمہاری ذمے داری ہے کہ نہیں۔ میں نے تمہیں ہر طرح کا عیش و آرام اور آزادی دے رکھی ہے اس کے بدلے میں تم سے صرف اور صرف تمہاری محبت توجہ اور خیال کا طالب ہوں تو کیا تم میرے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتیں؟" وہ غصے میں تھا مگر نرمی سے بات کر رہا تھا۔ وہ اسے ہمیشہ ہی مارجن دے دیا کرتا تھا۔ عیش و آرام دینے والی بات پر چندا کو شدید اختلاف تھا اور وہ اس پر بہت کچھ بلا تقط کہہ بھی سکتی تھی مگر اس وقت صورت حال ذرا مختلف تھی اور چندا سب کچھ تھی مگر بے وقوف ہرگز نہیں تھی سو بولی۔

"ٹھیک ہے میں شام کو چلی جاتی ہوں مگر پورا دن تو اس کا خیال میں ہی رکھتی ہوں۔" وہ سونو کے قریب بیٹھ کر بولی۔

"بے شک رکھتی ہوگی آخر ماں ہو اس کی مگر میں یہ کہہ رہا ہوں کہ آئندہ اسے ہرگز بھی اکیلا مت چھوڑنا جہاں جاؤ اسے ساتھ لے کر ہی جانا۔" نیا آرڈر۔ چندا نے شدید الجھن محسوس کی۔

"یہ کیا بات ہوئی بھلا۔۔۔ اب بندہ ہر جگہ بچوں کو لٹکا کر پھرے گا کیا؟" وہ ناراض ہو کر بولی۔

"ہاں۔۔۔ سب کا مجھے نہیں پتا مگر میں تمہیں کہہ رہا ہوں کہ آئندہ۔۔۔ تم جہاں بھی جاؤ گی۔ سونو تمہارے ساتھ جائے گا۔" وہ بے لچک لہجے میں دو ٹوک بولا۔ وہ بنا کچھ کہے ایک جھٹکے سے اٹھی تب ہی اس کا آنچل نیم غنودہ سونو تھام کر بولا۔

"مما آپ پلیز میرے ساتھ رہیں۔۔۔ یہاں سے مت جائیں نا' آئی لو یو مما۔"

"چھوڑو میرا آنچل۔۔۔ چینج کرنے دو مجھے۔" وہ درشتی سے بولی۔ تو جمیل تاسف سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر سونو کا ماتھا چوم کر بولا۔

"مما کو چینج کرنے دو۔۔۔ ابھی آتی ہیں تمہارے پاس۔"

"جاؤ چندا! کپڑے بدل کر فوراً" میرے بیٹے کے پاس آکر بیٹھو۔" اس کے لہجے میں تنبیہہ چھپی تھی۔

"ہاں نوکر ہوں نا' اس کے باپ کی۔" وہ زیر لب بڑبڑاتی ہوئی واش روم کی جانب بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"یہ سب سائر بھائی نے بتایا ہے؟" میرب اس وقت اجیہ کے کمرے میں اسے سمجھانے کی نیت سے آئی تھی۔

"ہاں اجیہ۔۔۔ صرف ایک جگہ سے یہ معلومات حاصل ہوتیں تو یقین کرنا ذرا مشکل تھا مگر تقریباً" سب ہی جگہ سے یہی معلومات ملی ہیں۔" میرب کو نہایت افسوس سے یہ سب اجیہ کو بتانا ہی پڑا۔

"بکواس' جھوٹ۔۔۔ سراسر بہتان باندھ رہے ہیں سائر بھائی آغا پر۔" وہ یکدم بھڑک اٹھی۔

"اجیہ پلیز۔۔۔ اگر تم اتنا ہارش ری ایکٹ کروگی تو بات کیسے بنے گی؟" وہ خائف ہو کر بولی۔

"بات بنے یا بگڑے' مجھے کچھ نہیں پتا" وہ بیڈ سے اٹھ کر غصے سے یہاں وہاں تیزی سے ٹہلنے لگی۔ "میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ یہ سائر بھائی اور بابا کا پلان ہے۔ وہ میری شادی میری پسند سے ہونے دینا ہی نہیں چاہتے۔" وہ سراپا جھلس کر بولی۔ میرب بے بسی سے اسے دیکھنے لگی۔

"اجیہ۔۔۔ اجیہ آرام سے بیٹھ کر ٹھنڈے دماغ سے میری بات سنو۔ ایسا بالکل نہیں ہے جیسا کہ تم سوچ رہی ہو اگر وہ تمہاری شادی وہاں نہیں ہونے دینا

چاہتے تو ان لوگوں کو گھر تک بلاتے ہی کیوں؟؟"

"مجھے کچھ نہیں پتا بھابھی' میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ میں آغا سے محبت کرتی ہوں اور وہ جو بھی ہے جیسا بھی ہے مجھے قبول ہے۔ تب پھر ان لوگوں کو کیا پرابلم ہے۔" وہ بالکل کھرے انداز میں بولی۔

"تم گڑھے میں گروگی تو تمہیں تمہارے اپنے یوں گرنے نہیں دیں گے اجیہ۔" میرب اس بار سختی سے بولی۔

"ہونہہ.... میرے اپنے۔ بس بھابھی! آپ میرا منہ نہ کھلوائیں تو بہتر ہوگا مجھے اچھی طرح پتا ہے بابا کا' وہ اتنے ہی ظالم' بے حس اور کٹھور ہیں اپنی انا انہیں بہت عزیز ہے اور وہ اس کی خاطر کسی کی زندگی سے کھیلنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔" وہ زہرخند ہو کر بولی تو میرب اس کے اتنے سنگین الفاظ پر دم بخود رہ گئی۔

"اجیہ.... یہ سب تم بابا کے لیے کہہ رہی ہو؟؟"

"ہاں' پورے ہوش و حواس میں ان ہی کے لیے کہہ رہی ہوں جنہوں نے آپ کو اپنا ایلچی بنا کر بھیجا ہے.... یہ میری زندگی ہے۔ اس کے متعلق ہر فیصلہ کرنے کا مجھے مکمل اختیار حاصل ہے اور میرا فیصلہ ہے کہ میں ہر حال میں شادی آغا ہی سے کروں گی وہ چاہیں یا نہ چاہیں' آپ جا کر انہیں بتادیں۔" وہ بے باک ہو کر بدتمیزی سے بولی۔

اور اس کے چیخنے چلانے کی آواز سن کر اس کے کمرے کی جانب آتے وقار صاحب نے اپنی جواں سال بیٹی کے منہ سے نکلا ہر لفظ سنا تھا.... اور کاش وہ نہ سنتے.... کبھی کبھی ساری عمر کی تربیت خون کے آگے ہار جاتی ہے۔ اور آج وہ ہار گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

"ہو کہاں تم.... فٹافٹ ریڈی ہو جاؤ' بڑی شاندار پارٹی ہو رہی ہے گالف کلب میں۔" ستارہ کی کال ابھی ابھی چندا کو موصول ہوئی۔

"کہاں یار.... مصیبت۔ میرا بیٹا سیڑھیوں سے گر گیا ہے' میں نہیں آسکوں گی۔" دل تو اس کا بہت چاہ رہا تھا۔

"ارے یار! ایسی پارٹیاں روز روز نہیں ہوا کرتیں۔ قسم سے' بہت مزہ آئے گا۔" وہ چٹخارہ لے کر بولی۔

"یار.... اسے بھی لے کر آنا پڑے گا پھر۔" وہ بیزاری سے بولی۔

"یہ کیا بات ہوئی۔" اس نے بے حد برا مانا' اسے اس کی میڈ کے سپرد کرو اور آجاؤ تم۔"

"یار.... کم بخت میرے شوہر کا حکم ہے یہ کہ اسے گھر پر اکیلا ہرگز نہیں چھوڑا جائے۔" اس نے جمیل کی نقل اتاری۔

"توبہ ہے یار! ان شوہروں سے بھی' خیر پارٹی ہوگی بڑی شاندار نگار پروڈکشن والے اپنی نئی فلم کی کامیابی کی پارٹی دے رہے ہیں۔"

"اچھا وہ.... اس کی آنکھیں چمکنے لگیں اور غور سے اس کی باتیں سنتے سونو کو اس سے اس کی آنکھوں کی چمک سے خوف سا محسوس ہونے لگا۔ وہ کافی دیر سے وہیں صوفے پر بیٹھا بلاک پزل سے کھیل رہا تھا۔ ماتھے کی پٹی اتر گئی تھی البتہ زخم پلاسٹ سے کور تھا۔

"تو پھر ایسا کرتی ہوں' اس مصیبت کو بھی ساتھ لے آتی ہوں' بٹھا رہے گا وہیں پر۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ مگر سنو.... وہ رازدارانہ انداز میں بولی' کسی کو بھی یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ وہ تمہارا بیٹا ہے' کہہ دینا بہن کا بیٹا ہے' بھائی کا بیٹا ہے وغیرہ۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" وہ خوشی سے بولی' میں آدھے گھنٹے میں تیار ہو کر آتی ہوں۔"

"ہاں ٹھیک ہے یار! ایسا کرو۔ آج تو میرے پاس بھی گاڑی نہیں ہے۔ مجھے بھی تم ہی پک کرلینا۔" وہ جلدی سے بولی۔

"اچھا۔ ٹھیک ہے۔" اس نے کہہ کر فون رکھا اور بہ آواز بلند زینت بی کو پکار کر سونو کو تیار کرنے کا آرڈر دیا اور خود بھی تیار ہونے چل دی۔

☆ ☆ ☆

"میں نے کہا تھا نا.... "گل اپنی بات کے سچ ثابت

ہو جانے پر مدبرانہ لہجے میں بولی۔

"اب کیا کروں میں امی... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے بہت' میں بالکل اکیلی ہوں۔" وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔

"میری بچی... میرا دل کٹ رہا ہے تیری حالت دیکھ کر۔ کاش میں تیرے کچھ کام آسکتی۔" وہ دل گیر سی ہو کر بولی۔

"امی..." وہ اپنے آنسو پونچھ کر فیصلہ کن لہجے میں بولی' بس مجھے کچھ نہیں پتا' میں آپ کے پاس آرہی ہوں' اب وہیں رہوں گی آپ کے ساتھ۔ اور آغا تو مجھ سے شادی کر ہی لے گا تو پھر ہم دونوں یہاں سے اس کے ساتھ امریکہ چلے جائیں گے۔" اس کے کہنے پر گل بری طرح گڑبڑا گئی۔

"ارے نہیں... ایسے کیسے۔" وہ بوکھلا کر بولی' پھر اپنے آپ کو سنبھال کر کے کہنے لگی۔

"بیٹا... ایسی کوئی غلطی کرنا بھی مت... تم نہیں جانتیں؟ یہ معاشرہ مردوں کا معاشرہ ہے اک اکیلی' غریب عورت کی بے بسی کا شاید تمہیں اندازہ بھی نہ ہو۔ تمہارے ایسے کسی بھی عمل کو وہ لوگ بہ زور طاقت روک سکتے ہیں۔ تب پھر تم کیا کرلوگی۔"

"تو میں ابھی بھی کر ہی کیا پارہی ہوں۔" وہ پھر سے رو پڑی۔

"ایسے رو تو مت... تمہاری اس لڑکے سے بات ہوئی؟"

"ابھی نہیں ہوئی امی! مجھے تو اس بات کی بھی بہت ٹینشن ہے وہ سن کر نجانے کیا ری ایکٹ کرے گا؟"

"ہاں سو تو ہے' اچھا خیر میں کچھ سوچتی ہوں تم اتنی فکر مند مت ہو۔ میرا دل پھٹ جائے گا تمہارا یوں رونا سن کر۔" وہ نم آواز میں بولی۔ وہ اور کھل کر رونے لگی۔

"رو اور رو... یہ رونا تو اب تمہاری قسمت میں لکھا جاچکا ہے۔ اجیہ..." گل سفاکی سے سوچ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ لوگ جس وقت کلب کے پارٹی ہال میں داخل ہوئیں' محفل اپنے عروج پر تھی۔ ڈانس فلور پر تھرکتے وجود' بلوریں گلاسوں کی کھنکھناہٹ' سرکتے پلوؤں کی سرسراہٹ' بے باک نگاہیں' پیغام دیتے قہقہے... شام کے سارے لوازمات مکمل تھے۔

سونو سہم کر چندا کے مزید نزدیک ہو گیا۔

"اوفوہ... دور ہٹو بھئی' کیا مصیبت ہے۔" وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر نخوت سے بولی۔ وہ بسورنے لگا۔

"او نو بے بی... آنٹی کو تنگ نہیں کرو' چلو شاباش باہر پلے ایریا ہے وہاں جا کر بچوں کے ساتھ کھیلو۔" ستارہ نے اسے ہال سے باہر دھکیلا۔ اس کا ننھا سا دل کانپ کانپ اٹھا۔

"مما... مما!" وہ چندا کی جانب ہاتھ بڑھا کر خوف سے چلایا۔ بے ہنگم قہقہے' کان پھاڑ دینے والا میوزک' پرفیوم کی تیز دماغ کو چکراتی خوشبوئیں سب ہی مل کر اسے وحشت زدہ کر گئے۔

"جاہل' کمینہ... ایسے مما' مما چلا رہا ہے جیسے کوئی اس کا گلا گھونٹ رہا ہو۔" چندا نے دانت پیسے۔

"بہت ہی ال مینرڈ بچہ ہے تمہارا' خوامخواہ چیخ رہا تھا۔ میں اچھی طرح ڈانٹ کر آئی ہوں۔ وہاں کھڑا آنسو بہا رہا ہے۔" ستارہ نزاکت سے بولی۔

"بہانے نہ... باپ نے بگاڑا ہے۔" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولی۔

"ہاں چھوڑو۔ اوہ ہائے مسٹر کریم انصاری' چندا ان سے ملو' یہ ہیں کوہ نور انڈسٹریز کے ایم ڈی۔" انصاری نے پرشوق نگاہ چندا پر ڈالی۔

"آپ سے مل کر خوشی ہوئی مس...؟" اس نے اپنا جملہ سوالیہ طور پر ادھورا چھوڑ دیا۔

"چندا۔" اس سے قبل کہ چندا کچھ اور کہتی' ستارہ نے جملہ مکمل کیا اور کسی اور جانب بڑھ گئی۔

"آپ کا نام بہت خوب صورت ہے' بالکل آپ کی طرح۔" وہ فدویانہ انداز میں بولا۔ اور اس کا ہاتھ ہلکے سے دبا کر چھوڑ دیا۔ قریب سے گزرتے ویٹر کی ٹرے سے مشروب کے دو گلاس اٹھانے لگا تو وہ بولی۔

"نو تھینکس... میں نہیں پیتی۔" اس نے ایک

گلاس اٹھا کر دوسرا یونہی چھوڑ دیا۔
"اوکے... اور کیا مصروفیات ہیں آپ کی؟"
"کچھ خاص نہیں۔" وہ مصنوعی مسکراہٹ تراشیدہ لبوں پر سجا کر بولی۔
"آپ کو کبھی کسی پارٹی میں دیکھا نہیں۔" اس نے مشروب کا گھونٹ بھر... کر پوچھا۔
"جی بس..." اس نے کسی قدر ٹھہر کر کہا' میں زیادہ پارٹیز میں آتی جاتی نہیں ہوں۔"
"آپ کو جانا بھی نہیں چاہیے' نظر لگ جانے کا اندیشہ ہے۔" وہ مسکرایا' وہ بھی مسکرا دی۔
لوگ اس کے حسن کے قصیدے پڑھتے' اس کے ساتھ لنچ یا ڈنر کرنے کے خواہش مند ہوتے تو کچھ ڈائریکٹ مطلب کی بات پر اتر آتے۔
یکایک ہی اس کا دل بیزار سا ہو گیا۔ سو وہ معذرت کر کے ایک طرف آ بیٹھی اور ویٹر کو جوس لانے کا کہا۔
اسے ایک بار بھی اپنے ساتھ آئے ہوئے سونو کا خیال تک نہیں آیا جو جمپنگ کیسل پر اچھلتے بچوں کو دیکھ کر بہل تو گیا تھا مگر گھبرا گھبرا کر پارٹی ہال کے بند شیشے کے دروازے کے پار بھی دیکھتا جاتا تھا کہ کہیں چندا اسے چھوڑ کے چلی تو نہیں گئی۔ کچھ ہی دیر میں وہ تھک کر گلاس وال سے ماتھا ٹکا کر اندر جھانکنے لگا اس کی متلاشی نگاہیں چندا کو ڈھونڈ رہی تھیں جو رقص کرنے کے بعد ٹیبل پر بیٹھ چکی تھی۔
چندا کافی دیر سے بیزار بیٹھی ستارہ کے فارغ ہونے کی منتظر تھی کہ واپس بھی اس نے چندا ہی کے ساتھ جانا تھا۔ تب ہی کوئی اس کے نزدیک آ کر دھیرے سے پکارا۔
"چندا!" اور چندا نے آواز کی سمت مڑ کر دیکھا۔ یہ دنیا اتنی بھی بڑی نہیں کہ ایک بار کوئی کھو جائے تو واپس نہیں مل پاتا' آج چندا کو اس بات پر یقین آ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"جب انسان کی عمر بھر کی کمائی انسان کی آنکھوں کے سامنے لٹنے والی ہو اور انسان کچھ نہ کر پا رہا ہو...
بس یہی کیفیت اس وقت میری ہے مہ پارہ۔ میں نے اپنے بچوں کو پیار دیا' تحفظ دیا ان کی ضروریات کا خیال رکھا مگر مجھے اعتراف ہے کہ میں ان کی ماں نہیں بن سکا' میں نے انہیں تعلیم تو دلوا دی مگر شاید ان کی تربیت نہیں کر سکا۔" وقار بہتے آنسوؤں کے ساتھ شکست خوردہ آواز میں کہہ رہے تھے۔ مہ پارہ ان کی حالت پر سراسیمگی سے پوچھنے لگیں۔
"بھائی صاحب! آخر ایسا کیا ہوا ہے جو آپ اس قدر ٹوٹ گئے ہیں؟"
"مہ پارہ... میری بیٹی مجھے اپنی راہ کی رکاوٹ' خوشیوں کا قاتل سمجھ رہی ہے... بتاؤ اگر میں اسے تباہی سے بچانا چاہتا ہوں تو کیا میں غلط ہوں؟" وہ ٹوٹی ہوئی آواز میں بولے۔
"آخر ہوا کیا ہے؟" وہ از حد پریشانی سے پوچھنے لگیں تو انہوں نے محتاط لفظوں میں بتایا۔
"ہوں... تو یہ بات ہے۔" وہ بھی فکر مند سی ہو گئیں۔
"اب تم بتاؤ میں کیا کروں وہ کسی طور سمجھنے پر آمادہ نہیں۔ سارے سے ابھی ہم نے اس کی ہٹ دھرمی اور ضد کسی نہ کسی طرح چھپا رکھی ہے مگر کب تک... کب تک ہم اس سے یہ سب چھپا سکتے ہیں اور اس کے بعد اس کا ردعمل کیا ہو گا مہ پارہ میں سوچ سوچ کر ڈر رہا ہوں۔" وہ تشویش سے بولے۔
"آپ پلیز ریلیکس رہیں۔ کرتے ہیں کچھ آخر تو ہماری بچی ہے ہم اسے ایسے اپنی زندگی خراب کرنے کی اجازت بالکل نہیں دے سکتے۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔
"اس کے تیور بڑے خطرناک ہیں مہ پارہ! وہ ہماری کسی اجازت کی محتاج نہیں۔" وہ انہیں معاملے کی سنگینی سے آگاہ کرنا چاہ رہے تھے۔ پہلی بار وہ "حقیقتاً" متفکر ہو گئیں۔
"تب پھر کیا... کیا جائے؟" وہ "غالباً" خود کلامی کر رہی تھیں۔ "کچا ذہن ہے اسے بہکانا بھی آسان ہوتا ہے اور بہلانا بھی... میرا خیال ہے کہ آپ فوراً" ہی

اسے کہیں اور انگیج کر دیں۔ میرا خیال ہے کہ اس کا دھیان اس لڑکی کی طرف سے ہٹ جائے گا۔" وقار صاحب کو مشورہ صائب لگا۔
"مگر مہ پارہ! فوری طور پر رشتہ کہاں سے لاؤں۔"
ان کا ذہن مفلوج سا ہو رہا تھا۔
"کہاں سے لاؤں کیا مطلب... بھئی میرا حمزہ آپ کے سامنے ہے۔ میں نے تو بہت پہلے ہی سے یہ سوچ رکھا تھا بس اس کی تعلیم مکمل ہونے کی منتظر تھی۔" وہ کھنکتے لہجے میں بولیں۔
"ارے...! وہ بے ساختہ سر خوشی سے بولے مگر پھر یکدم ہی انہیں ڈھیروں شرمندگی نے آلیا۔
"میرا مطلب یہ ہرگز نہیں تھا مہ پارہ!" وہ جلدی سے بولے "تم اچھی طرح سوچ سمجھ لو۔ کہیں یہ نہ ہو کہ بھانجی کی محبت میں اپنے اکلوتے بیٹے کی حق تلفی کر جاؤ۔" انہیں اندیشے لاحق تھے۔
"بھائی صاحب! آپ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں میں نے آپ کو بتایا تو کہ میرا تو شروع سے یہی ارادہ تھا۔" وہ انہیں مطمئن کرنے کو صاف اور واضح الفاظ میں بولیں۔
"مگر تمہارے بیٹے کی بھی تو کوئی پسند ناپسند ہو سکتی ہے آخر کو آزاد ملک کا پروردہ ہے پھر تمہارے دیگر بہن بھائی... وہ نجانے کیا سوچیں۔" ان کی فکریں ہی ختم نہیں ہو رہی تھیں۔
"اپنے بیٹے کی پسند میں اچھی طرح واقف بھی ہوں اور اس پر اعتماد بھی پورا ہے کہ وہ میری پسند سے اختلاف کر ہی نہیں سکتا اور رہا بڑی آپا اور بھائی جان کا سوال تو کیا آپ بھول گئے ان دونوں ہی کی بیٹیاں میرے حمزہ سے کئی سال بڑی ہیں بلکہ آپا کی ماہین کا تو نکاح بھی ہو چکا اور پھر میرا بیٹا ہے' میری مرضی کہ میں کسے بہو بناتی ہوں' کسے نہیں۔" وہ دو ٹوک لہجے میں بولیں۔ تب وقار صاحب بالکل ہلکے پھلکے ہشاش بشاش سے ہو کر کہنے لگے۔
"تم نے تو میری ساری فکریں ہی دور کر دیں مہ پارہ! اللہ تمہیں اجر عظیم سے نوازے' تو پھر کب آرہی ہو پاکستان؟" ان کا اگلا سوال اور نئی فکر۔
"میں آج ہی حمزہ اور اس کے پاپا سے بات کر کے آپ کو کنفرم کرتی ہوں۔"
"چلو ٹھیک ہے' اب رکھتا ہوں۔ اوکے' اللہ حافظ۔" انہوں نے کہہ کر ریسیور کریڈل پر ڈالا۔ اور تھک کر بیڈ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موندلیں۔
ان کی عمر بھر کی کمائی ایک مرتبہ پھر داؤ پر لگی تھی مگر اس بار نہ وہ انجان تھے نہ بے خبر۔ سو وہ کچھ ایسا پلان بنانا چاہ رہے تھے کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔
اور یہ "سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے" والا پلان اکثر ہی ناکام ہو جاتا ہے۔ سو جلد یا بدیر اس منصوبے کا بھی یہی انجام ہونا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تم دھوکے باز اور فریبی ہو' نہ تم عین وقت پر میرے ساتھ دغا بازی کرتے اور نہ میں ان حالات کا شکار ہو کر اس الو کے پٹھے کے پلے بندھتی۔" وہ سینے پر دونوں ہاتھ باندھے منہ نفرت سے موڑے پچھلے کئی منٹ سے نان اسٹاپ کچھ اسی قسم کی باتیں اپنے سامنے بیٹھے آصف شیرازی کو سنا رہی تھی۔ آصف شیرازی کی واپسی اس کی زندگی میں بڑے ڈرامائی انداز میں ہوئی تھی۔ وہ گالف کلب والی پارٹی میں اس روز چندا سے ملا تھا۔
"چندا... چندا' میری مجبوری... تم مجھے کیوں نہیں سمجھ پا رہی ہو' بتایا نا تمہیں کہ مالکان نے فراڈ کے کیس میں مجھے اندر کروا دیا تھا۔ سارا نام' مقام اور پیسہ ڈوب گیا۔ بھلا ان بڑے لوگوں سے بھی کبھی کوئی لڑ سکا ہے۔ دو سال کی جیل کاٹی اور پھر جیسے تیسے وکیلوں کو رشوتیں کھلا کھلا کر کچھ عرصہ قبل ہی باہر آیا ہوں۔"
"ایک تو تمہارے پاس ہر سوال کے جواب میں کسی نہ کسی مجبوری کا تذکرہ ضرور ہوتا ہے۔" وہ چڑ کر بولی۔
تو وہ غم زدہ انداز میں مسکرا کر بولا۔
"بیگم صاحبہ بن گئی ہو نا' اب تو تمہیں غریبوں کی

مجبوریوں بھری داستان غم بن کر کوفت ہی ہوگی۔"
"خاک بیگم صاحبہ بن گئی ہوں۔" وہ مزید تپ کر بولی "تمہیں کہاں سے میں بیگم صاحبہ دکھائی دے رہی ہوں آصف... !مت میرے زخموں کو کریدو اس طرح۔"

اور اس پر آصف بولا کچھ نہیں بس اک خاموش نگاہ اس کے کانوں ہاتھوں' انگلیوں اور گلے پر ڈالی جہاں اس کے شوہر کی محنت اور حق حلال کی کمائی اپنی پوری آب و تاب سے جگمگا رہی تھی۔
یہ سچ تھا کہ آصف ان دنوں واقعی اس کی زلفوں کا اسیر تھا مگر اس بات کا ہرگز یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ محض اس محبت کی خاطر اس سے شادی کر رہا تھا۔ بالکل نہیں!
وہ اسے پوری طرح "کیش" کروانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ زندگی میں شارٹ کٹ مارنے کی کوشش کر رہا تھا' مگر شومئی قسمت... کہ اسے دولہا کے بجائے قیدی بننا پڑا کہ وہ "بیک اپ پلان" کے طور پر ایک بڑے اور نامور شخصیت کی بیگم کو رجھانے میں کامیاب ہو کر ان دنوں ان کا ہمدرد' غمگسار بن چکا تھا۔ مگر ہوا کچھ یوں کہ اس کے "حقیقی ہمدردوں" اور دیگر "غمگساروں" نے اس کے شوہر تک اس بات کی خبر پہنچادی اور اس کے بعد وہی ہوا جو عموماً "ہوتا ہے۔
بڑی دقتوں سے رہائی ملی۔ کچھ عرصے کے لیے وہ واقعی شہر سے باہر چلا گیا۔ مگر اب "رزق کی تلاش" میں پھر واپس اسی شہر میں آچکا تھا۔ اور سوئے اتفاق اسے چندا دوبارہ مل گئی۔
"مما... گھر چلیں!" سونو نے اس کا مہکتا پلو کھینچا۔ وہ ان دنوں جمیل کی ہدایت کے بموجب ہر جگہ اس کے ساتھ ساتھ ہی پھر رہا تھا۔ جبکہ چندا اس سے شدید تنگ آئی ہوئی تھی۔
"مجھ سے ملنے آرہی تھیں تو کم از کم اپنی شادی شدہ زندگی کی اس نشانی کو تو گھر پر چھوڑ آتیں۔" وہ جو وارفتگی سے چندا کو تک رہا تھا' اس کے مما پکارنے پر شدید بے مزہ ہوا تھا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ میں تم سے ملنے نہیں آئی۔" وہ نخوت سے بولی "میں تو یہاں روز شام کو آتی ہوں اب تم ہی نے میرا تعاقب کرنا اپنی زندگی کا مقصد بنا رکھا ہے تو میں کیا کروں؟" وہ شان بے نیازی سے کندھے اچکا کر بولی تو اس کے انداز پر آصف دلبرانہ انداز میں ہنس دیا۔
"بہ خدا... تم میں آج بھی وہی ادا اور نزاکت ہے جو چند سال پہلے تھی ایمان سے اگر تم اس اشتہار کو لے کر نہ پھرتا اپنے ساتھ۔" اس نے انگلی اٹھا کر سہمے ہوئے سونو کی جانب اشارہ کیا۔ "تو کوئی مر کر بھی یقین نہ کرے کہ تم شادی شدہ ہو۔" اس کی بات پر چندا کی اکڑی گردن مزید تن سی گئی۔
جبکہ پہلے سے سہما ہوا سونو آصف کی خود پر جمی ناپسندیدہ نگاہیں محسوس کر کے مزید خوف زدہ ہو گیا تھا۔
"لیکن اب کیا کیا جا سکتا ہے؟" وہ بے پرواہ لہجے میں بولی۔
"زندگی میں بنیادی چیز ہوتی ہے ارادہ' اگر ارادہ کر لو تو سب کچھ کیا جا سکتا ہے۔" اس کی آنکھیں عجیب طرح سے چمکنے لگی تھیں۔
"مثلاً"... کیا ارادہ کر لوں میں؟" وہ استہزائیہ بولی۔
"یہی... یہی کہ۔" وہ اس کی مذاق اڑاتی نگاہیں خود پر محسوس کر کے گڑبڑا گیا۔ "تمہیں دنیا کو تسخیر کرنا ہے۔" پہلے اس کا ارادہ مجھ سے شادی کرنا ہے کہنے کا تھا۔ مگر چندا کا انداز بتاتا تھا کہ وہ اس بات پر سوائے قہقہہ لگانے کے کچھ نہ کرتی۔
"صرف ارادہ کر لینے سے دنیا تسخیر ہو جاتی تو میں اب تک کر چکی ہوتی۔" اس نے سر جھٹک کر کہا گویا اپنی حماقت کا احساس ہو چکا ہو۔
"ارادہ کے بعد عمل بھی ضروری ہوتا ہے۔"
"اپنے طور پر کر کے دیکھ چکی ہوں۔" اس نے دھیمے بیزار کن لہجے میں کہا۔
"اچھا... ذرا بتانا کیا کیا ہے تم نے اب تک؟" وہ استہزائیہ لہجے میں بولا۔

”سج سنور کر خود کو پیش کیا ہے۔ پارٹیز‘ فنکشنز اٹینڈ کیے ہیں مگر حاصل کیا ہوا؟ ساتھ لنچ ڈنر کرنے کی آفرز‘ گھومنے پھرنے وقت گزارنے کی فرمائشوں کے علاوہ۔“

آصف کی آنکھیں گہرے رنج میں ڈوب گئیں۔

”چندا۔۔۔ تم نے یہ سب کیا؟“ وہ متاسف ہو کر پوچھنے لگا۔

”تو اور کیا کرتی‘ جو خواب تم میری آنکھوں میں سجا گئے تھے آصف! وہ بہت رنگین تھا۔ اس سے دست برداری اتنی آسان نہیں تھی سو مجھے جو سمجھ میں آیا کرتی گئی۔“ وہ بھی کسی قدر اداسی سے بولی۔

مگر یہ اداسی سوائے ناکامی کے کسی اور چیز کی نہیں تھی۔

”دو چچ چچ۔۔۔ میں تو تمہارے لیے بہت کچھ کرنا چاہتا تھا مگر یہ ظالم وقت۔۔۔“ چندا نے تیزی سے اس کی بات کاٹ کر جاتیجے لہجے میں پوچھا۔

”اب کیا کر سکتے ہو‘ یہ بتاؤ‘ کیا کرنا چاہتے تھے کا وقت گزر گیا ہے۔“ تب وہ یکدم خاموش ہو کر اس کی صورت تکنے لگا پھر کچھ دیر کے توقف کے بعد گمبھیر لہجے میں بولا۔

”تم صرف یہ بتاؤ تم کیا چاہتی ہو‘ تمہیں تمہاری چاہت تک پہنچانا اس دیوانے کا کام ہے۔“ چندا کے خوب صورت لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

”چلو دیکھتے ہیں کہ تم اپنے دعوے میں کس حد تک سچے ہو۔“ اس نے بے یقین لہجے میں کہا تھا۔

”مما! چلیں نا۔۔۔ مجھے نیند آرہی ہے۔“ سونو سخت عاجز آیا ہوا تھا۔

”ایک تو تمہیں کوئی نہ کوئی مصیبت لاحق رہتی ہے‘ اٹھو۔“ وہ اسے بری طرح جھڑک کر اٹھی۔

”پھر کب ملو گی؟“ آصف بے تابانہ کھڑا ہوا۔

”روز تو آتی ہوں یہاں۔۔۔ یہیں اور کہاں۔“ اس نے اپنا بلیک پرس اٹھا کر کندھے سے ٹکاتے ہوئے کہا اور قدم بڑھا دیے۔ آصف بڑے معنی خیز انداز سے اس کی پشت تک رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وقار صاحب نے میرب کو ساری بات سے آگاہ کر دیا تھا۔ اب میرب اس کشمکش و پیچ میں تھی کہ اجیہ کو بتائے یا نہ بتائے۔۔۔ بتانے کی صورت میں اسے قابو کرنا مشکل ہو جاتا جب کہ نہ بتانے کی صورت میں بھی یہی صورت حال ہوتی۔ تب ہی اس نے ماریہ کو کال ملائی۔

”ایک تو مجھے سمجھ یہ نہیں آرہی کہ آخر اس پر اتنا بچپنا کیوں سوار ہے تم لوگ اس کے خیر خواہ ہو‘ وہ تم لوگوں ہی کو کیوں پریشان کر رہی ہے؟“ ساری صورت حال جان کر ماریہ غصے سے بولی۔

”یہی تو پرابلم ہے ماریہ‘ وہ اپنے بدخواہوں اور خیر خواہوں میں امتیاز نہیں کر سکتی۔“ میرب بے چارگی سے بولی ”وہ جذباتی ہے‘ قدرے لاابالی ہے اور پھر واقعی وہ کسی حد تک معصوم بھی ہے۔ اب ایسے میں اسے کیسے سمجھایا جائے؟“

”ہوں۔۔۔ مگر یار! تم تو اتنی ٹینشن مت لو‘ اپنی کنڈیشن دیکھو۔ ایسے میں اتنے تفکرات پالنا ٹھیک ہے کیا؟“

”یار اس گھر کی فکر اگر میں نہیں کروں گی تو کون کرے گا؟“ میرب نے اسے لاجواب کر دیا۔

”خیر۔۔۔ ہو تو صرف یہی سکتا ہے کہ اسے پیار و محبت سے سمجھایا جائے۔ زور زبردستی تو یوں بھی خطرناک ہوگی۔“

”مسئلہ تو سارا یہی ہے کہ وہ پیار محبت سے بھی ہرگز نہیں مانے گی۔“ وہ تھکے تھکے انداز میں بولی۔

”تب پھر یہی ہو سکتا ہے کہ فی الحال تم اسے اس کے حال پر چھوڑ دو اور مناسب وقت کا انتظار کرو‘ جو کچھ ہو رہا ہے بالآخر اسے پتا چل ہی جانا ہے۔“ ماریہ نے کہا۔

”ہاں۔۔۔ یہی ٹھیک ہے‘ اور سناؤ۔۔۔ گھر میں سب کیسے ہیں؟“

''سب ٹھیک الحمد اللہ۔ کل میں امی کے ساتھ کراکری لینے گئی تھی۔'' اس نے خوشی سے بتایا تو گفتگو کا رخ اس کی شادی کی تیاریوں کی جانب مڑ گیا۔

☼ ☼ ☼

''کہاں کی تیاری ہے؟'' آج خلاف معمول جمیل گھر پر ہی موجود تھا اور ہلکے پھلکے حلیے میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ تب ہی چندا اپنے ازلی بیزار انداز میں کمرے سے باہر نکلی۔ اس کی تیاری دیکھ کر جمیل پوچھ بیٹھا۔

''اپنی دوستوں سے ملنے جا رہی ہوں۔''

''آج میں گھر پر ہوں... مت جاؤ تم۔'' اس نے اس کی جانب دیکھ کر چاہت سے کہا۔

''کیوں نہ جاؤں۔'' وہ چمک کر بولی ''گھر میں بیٹھ کر کیا ملے گا مجھے۔''

''میرا پیار... میری محبت۔'' وہ اسے دیکھ کر نرمی سے بولا۔

''مگر مجھے نہیں چاہیے۔'' اس نے تیکھے لہجے میں کہا اور آگے بڑھ کر ''رفیق' رفیق'' چلانے لگی۔

''حق ہا...'' جمیل نے مصنوعی تاسف سے سرد آہ بھری۔ ''میں نے تو سوچا تھا کہ آج تمہارے ساتھ گھوموں گا پھروں گا' تمہیں شاپنگ کرواؤں گا۔'' اسے گویا لالچ دیا۔ وہ ایک پل کو ٹھہری۔ پھر اس کی جانب مڑ کر طنزیہ لہجے مگر میٹھے انداز میں بولی۔

''اچھا شاپنگ! مگر کہاں سے؟''

''جہاں سے تم چاہو؟'' وہ فراخ دلی سے بولا۔

''دبئی... لندن' پیرس یا نیویارک؟ کہو کہاں لے جا سکتے ہو؟'' اس کے یوں کہنے پر جمیل کھسیا کر ہنس دیا۔

''فی الحال تو یہیں کی کسی بھی اچھی سے اچھی اور مہنگی دوکان سے۔'' اس نے کہا۔

''ہونہہ... وقت بدل رہا ہے جمیل صاحب! خود کو بدلیں... مجھے زمانے کی رفتار کے ساتھ دوڑنے والے لوگ متاثر کرتے ہیں۔ خیر میں جانتی ہوں کہ دوڑنا تو آپ کے بس سے باہر کی بات ہے۔ کم از کم تیز چلنا ہی سیکھ لیں۔'' وہ اپنی رسٹ واچ کو دیکھ کر بولی۔

''آہستگی سے مگر مسلسل چلتے رہنا اونچائی پر چڑھنے کا درست طریقہ ہے' تیز دوڑنے والے یا تو جلد تھک کر گر پڑتے ہیں یا پھر پھسل جاتے ہیں۔'' اس کا انداز اس کی بات کی گہرائی کی غمازی کر رہا تھا۔

''خیر... مجھے کوئی بحث نہیں کرنی تم سے۔'' وہ زیادہ دیر تک آپ جناب کر نہیں پائی ''رفیق... کہاں مر گئے ہو۔'' اب کی مرتبہ اس نے جلالی آواز میں اسے پکارا تو وہ بوتل کے جن کی طرح فوراً'' نمودار ہو گیا۔

''جی بیگم صاحبہ؟'' وہ ہاتھ باندھ کر مودبانہ کھڑا ہو گیا۔

''فوراً'' سے پیشتر گاڑی نکالو... مجھے دیر ہو رہی ہے۔'' وہ تحکمانہ انداز میں کہہ کر خود بھی باہر نکلنے لگی۔

جمیل نے پھر دوبارہ اسے مخاطب نہیں کیا' خاموشی سے ایک مرتبہ پھر ٹی وی کی جانب متوجہ ہو گیا۔ وہ چلی گئی تب سونو اپنے کمرے سے باہر نکلا اور آکر جمیل کے پاس آکر جھجک کر کھڑا ہو گیا۔

جمیل نے چونک کر اسے دیکھا اور بانہیں پھیلا کر کہا۔

''بابا کے پاس آجاؤ میرا بیٹا۔'' وہ فوراً'' ہی اس کی گود میں آکر بیٹھ گیا۔

''تم سو رہے تھے اندر؟ دیکھیں تو اب تمہارا زخم کیسا ہے؟'' جمیل نے اس کا چہرہ اپنی جانب کر کے زخم دیکھا۔ ٹھیک تھا' تاہم نشان اب بھی باقی تھا۔ اس نے سونو کا گال پیار سے چوم کر چہرے سے ہاتھ ہٹا لیا۔

''نہیں میں سو نہیں رہا تھا... اندر زینت بی سے اسٹوری سن رہا تھا اور مما کے جانے کا ویٹ بھی۔'' وہ معصومیت سے بولا۔ جمیل چونکا۔

''مما کے جانے کا ویٹ کیوں؟ اچھا... اچھا۔'' اس نے سمجھ کر سر ہلایا۔

''آپ روز ان کے ساتھ جاتے ہو نا' مگر آج وہ آپ کو لے کر نہیں گئیں' بابا کی وجہ سے گھر پر چھوڑ دیا۔ اب ہم دونوں پارک چلیں گے ٹھیک؟''

''آپ مما کو تو نہیں لے کر چلیں گے نا؟''
''ارے بتایا تو آپ کو' وہ تو چلی گئیں۔''
''بابا! مجھے وہ بالکل اچھی نہیں لگتیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔
''سونو!'' اس نے تنبیہی انداز میں اس کا نام لیا تو وہ سہم گیا تب ہی وہ نرمی سے پوچھنے لگا۔
''بری بات بیٹا' کیوں اچھی نہیں لگتیں وہ آپ کو؟''

''مجھے ہر وقت ڈانٹتی رہتی ہیں' مجھے اسٹوریز بھی نہیں سناتیں۔ بابا! آپ کو پتا ہے میرے دوست شانی کی مما روز اسے لنچ بنا کر دیتی ہیں اور کھانا بھی اسے اپنے ہاتھ سے کھلاتی ہیں اور علی کی مما اسے گھمانے بھی لے جاتی ہیں۔'' اس نے یوں بتایا گویا بڑے پتے کی بات بتائی ہو۔ جمیل جو اس کی بات پریشانی سے سن رہا تھا یکدم بولا۔
''گھمانے تو آپ کی مما بھی آپ کو لے جاتی ہیں۔''
''نہیں بابا۔۔۔ وہ مجھے رائڈز والی جگہ تھوڑی لے جاتی ہیں۔ بس اپنے فرینڈز کے ساتھ باتیں یا ڈانس ہی کرتی رہتی ہیں۔ وہاں جا کر مجھے ڈر لگتا ہے بابا۔'' اس نے خائف ہو کر بتایا۔
وہ اس اطلاع پر چونکا اس لیے نہیں کیونکہ جمیل کو چندا نے بتایا تھا کہ وہ لیڈیز کلب جاتی ہے اور اگر وہاں جا کر وہ باتیں یا وزن کم کرنے کے لیے ڈانس وغیرہ کر لیتی ہے تو اس میں تو کچھ مضائقہ نہیں۔
''اچھا چھوڑو۔۔۔ اب مت جانا ان کے ساتھ۔ اب جاؤ زینت بی سے کہو تمہیں تیار کر دیں۔'' اس نے اسے کہا اور خود اپنا ماتھا سہلانے لگا۔ جہاں تفکرات کا جال پھیلا ہوا تھا۔ سونو اپنی ماں سے دور ہو رہا تھا' خائف ہو رہا تھا۔
اور یہ بہت خطرناک بات تھی۔

☆ ☆ ☆

''آخر کوئی مجھے بتائے گا کہ اس گھر میں چل کیا رہا ہے؟'' میرب لالی کے ساتھ مل کر رات کا کھانا تیار کر رہی تھی تب ہی جھنجلائی ہوئی سی اجیہ نے کچن میں آ کر میرب سے یہ سوال کیا۔ وہ چونک کر مڑی پھر اجیہ کا جھلایا اور غصیلا انداز بغور دیکھ کر لالی سے بولی۔
''چکن کو تھوڑا بھوننے کے بعد ٹماٹر چوپ کر کے ڈال دینا اور ہاں اجیہ آؤ لاؤنج میں چل کر اطمینان سے بات کرتے ہیں۔'' وہ ہاتھ دھو کر تولیے سے خشک کرتے ہوئے بولی۔
''مجھے اطمینان کی ضرورت نہیں۔ آپ صرف یہ بتائیں کہ بابا نے ابھی تک آغا کے گھر والوں کو جواب کیوں نہیں دیا۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔ میرب کشمکش میں مبتلا ہو گئی کہ آخر اسے بتائے تو کیا بتائے۔ سمجھائے تو کیا سمجھائے؟
''دیکھو۔۔۔ اچھی طرح چھان بین کے بعد۔''
''وہاٹ چھان بین؟ کیا وہ کوئی غنڈہ موالی ہے جو اتنی تفتیش کی جا رہی ہے؟ حد ہوتی ہے کسی بات کی۔'' وہ بری طرح غصے میں آ کر چلائی تھی۔
''پلیز اجیہ! تم بات سمجھنے کی کوشش کرو۔'' میرب ملتجی ہوئی۔
''آپ لوگ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں' وہ چبا چبا کر بولی۔ ''یہ جو ڈرامے بازی یہاں چل رہی ہے' اسے جلدی ختم کر کے جلدی میری شادی کی تیاری شروع کر دیں تو آپ لوگوں کے لیے اچھا ہے ورنہ۔۔۔'' اس نے انگلی اٹھا کر وارننگ دینے والے انداز میں ورنہ ادھورا چھوڑ دیا۔
''ورنہ کیا۔۔۔؟'' اور کچن کے دروازے سے آتی اس آواز نے میرب کا خون تو خشک کیا ہی تھا۔ اجیہ بھی اس لہجے کی ٹھنڈک پر کانپ اٹھی۔
''ورنہ کیا۔۔۔ تمہارے ارادے کیا ہیں ذرا میں بھی تو سنوں۔'' سائر ہنوز ٹھٹھرے ہوئے لہجے میں خون آشام نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے بولا۔ دونوں ہاتھ اس نے پینٹ کی جیبوں میں ڈالے ہوئے تھے۔
''سائر پلیز۔'' میرب گھبرا کر جلدی سے آگے بڑھی آپ چلیں اوپر۔'' میرب نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر

منت بھرے انداز میں کہا۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"جاؤ اجیہ... اب خاموش کیوں کھڑی ہو۔" وہ اچانک ہی بری طرح سے چلایا تو بے ساختہ اجیہ کے وجود میں پھریری سی دوڑ گئی۔

"کیا ہو رہا ہے ادھر؟" وقار صاحب نے آکر ڈپٹ کر پوچھا "کیوں چیخ پکار مچا رکھی ہے یہاں؟"

"پوچھیے اپنی لاڈلی سے؟ کیا کہہ رہی تھی یہ میرب سے؟" سائر نے وقار صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جاؤ میرب... تم اور اجیہ اپنے کمرے میں جاؤ اور تم۔" انہوں نے قدرے خفگی سے سائر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم آؤ میرے ساتھ۔" کچھ دیر بعد سائر اور وقار صاحب، وقار صاحب کے کمرے میں تھے سائر ہنوز طیش میں یہاں سے وہاں ٹہل رہا تھا جبکہ وقار صاحب کچھ پریشان فکر مند اور ناراض سے بیٹھے تھے۔

"آپ جانتے ہیں، وہ کیا کہنا چاہتی تھی۔" وہ بولا۔

"نہیں جانتا... نہ جاننا چاہتا ہوں۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ میری بیٹی ہے اگر نادانی پر کمربستہ ہے تو اس کو سنبھالنا، صحیح راہ دکھانا میرا ہی کام ہے۔ زور زبردستی سے سوائے معاملے کے بگڑنے کے کچھ نہیں ہوگا۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کر قطعیت سے کہا۔

"یہ نہ ہو کہ آپ راہ ہی دکھاتے رہ جائیں اور وہ اپنی منزل پر پہنچ بھی چکی ہو۔" وہ تمسخرانہ بولا تو اب کی بار وقار صاحب نے بے حد سنجیدگی سے اسے دیکھ کر پوچھا۔

"تمہارا طرز فکر اتنا منفی کب سے ہو گیا؟"

"حقائق... بابا حقائق۔" وہ اپنی بات پر زور دے کر بولا۔ "حقیقت پر مبنی منظر نامہ عموماً" مثبت نہیں ہوتا۔"

"اس سچویشن میں تمہارا طرز عمل کسی حد تک حق بجانب اور نیچرل ہے مگر بیٹا معاملے کو سلجھانا ہوتا ہے، ایسے غصے میں آکر الٹا سیدھا بولنے سے سوائے پچھتاوے اور شرمندگی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔"

"اچھا؟ تو آپ بتائیں ذرا پھر کیسے سلجھے گا یہ معاملہ؟"

وہ تڑخ کر بولا۔

"بات ہوئی ہے میری مہ پارہ سے، پرسوں تک آ رہی ہے وہ پاکستان اپنے بیٹے کو لے کر۔ فی الحال صرف نکاح ہوگا پھر جیسے ہی اجیہ کے کاغذات تیار ہوں گے ویسے ہی رخصتی۔" وہ دھیمے اور مطمئن لہجے میں بتانے لگے۔

"کیا... ؟" سائر نے خوشگوار حیرت میں گھر کر بے ساختگی سے کہا "کب ہوئی آپ کی بات؟" اس کے انداز پر وقار سکون سے مسکرا دیے۔

"کچھ روز قبل اور ہاں... تم اکلوتے بھائی ہو اجیہ کے، میں تم سے التجا ہی کر سکتا ہوں کہ اس کی نادانی بھول جاؤ اور آگے کا سوچو، بن ماں کی بچی ہے دنیا کی اونچ نیچ کون سمجھاتا سو لڑکھڑا گئی۔" ان کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ سائر بھی عجیب مضطرب سا ہو گیا۔

"میں سمجھتا ہوں بابا... اور آپ بے فکر رہیں۔ مجھے خود سے زیادہ اس کی فکر ہے۔" اس نے گھٹنوں کے بل ان کے نزدیک بیٹھ کر ان کا ہاتھ تھپتھپایا تو جواباً وہ اس کے گھنے بالوں والے سر پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"اپنی بھی فکر کرو بیٹا!" وہ اس کی آنکھوں کے گرد حلقے دیکھ کر فکر مندی سے بولے "اور میرب بیٹی کی بھی، وہ بہت پیاری بچی ہے۔ تمہاری نسل کی آبیاری کر رہی ہے اسے خوش رکھو، محبت دو۔ وقت دو۔ اس کا خیال رکھو تب ہی وہ اک صحت مند زندگی کو جنم دے پائے گی۔"

"اچھا!" وہ یوں کھڑا ہوا گویا کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ "آپ آرام کریں۔ نکاح کے انتظامات کے سلسلے میں جو کچھ بھی کرنا ہو، مجھے بتا دیجیے گا۔" اس نے کہا اور جواب کا انتظار کیے بنا کمرہ عبور کر گیا۔ وقار نے تھک کر چیئر کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

"زندگی ہر موڑ پہ اتنی پیچیدہ اور الجھی ہوئی کیوں ہو جاتی ہے... آخر۔" وہ سوچ رہے تھے۔ حقیقت تو یہ تھی کہ انہوں نے سائر کو تسلی دے دی تھی مگر ان کا دل ... نجانے یہ کم بخت کیوں دھڑکے جا رہا تھا۔ ایسا لگتا

تھا کہ کچھ ہو گا... مگر کیا یہ نہیں معلوم۔

☼ ☼ ☼

"آج وہ تمہارا ٹریڈ مارک ساتھ نہیں ہے؟" آصف نے مشروب کا گھونٹ بھر کر چندا سے یونہی استفسار کیا۔

"ہوں... آج اس کا باپ گھر پر تھا تو میں وہیں چھوڑ آئی۔" چندا نے ٹیبل پر رکھی اشیاء پر نگاہیں جما کر کہا۔

"اچھی لگ رہی ہو۔" آصف نے کرسی سے کمر ٹکا کر نیم باز آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"چھوڑو بھی۔" وہ سخت اکتائے ہوئے انداز میں اسے دیکھنے لگی۔ "کوئی اور بات کرو اور وہ بھی کام کی۔" اس کا لہجہ تنبیہی ہو گیا۔

"یہ عشق و محبت بھی تو اک کام ہی ہے اور وہ بھی مسلسل۔" وہ ہنسا۔

"جملہ درست کرلو' یہ عاشقی داشتی ان کے لیے ہے جو اور کوئی کام نہیں کرتے۔" وہ کہہ کر گردن گھما کر دیکھنے لگی۔ کوئی لڑکی زرق برق کپڑوں میں ملبوس اچانک سے نمودار ہونے والے کیمرہ مین اور فوٹو گرافر کو بڑی کوفت اور نزاکت سے کچھ منع کر رہی تھی۔ اس لڑکی کے ساتھ موجود سوٹڈ بوٹڈ آدمی یکدم ہی گھبرا کر رخ موڑ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"کون ہے یہ؟" اس نے جانچتی' تولتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"یہ..." آصف سیدھا ہوا' خالد نیازی کو جانتی ہو' وہی جو اس کے ساتھ ہے۔ فلم پروڈیوسر ہے اس کی داشتہ ہے۔ اس کی فلم میں ہیروئن بھی آرہی ہے۔" اس نے معلومات بہم پہنچائیں۔

"کوئی خاص تو نہیں۔" چندا ناک چڑھا کر اس کے مصنوعی ناز و انداز دیکھ رہی تھی۔

"نہ ہو... مگر نیازی کی فلم کی ہیروئن بہر حال ہے تو یہی۔" وہ دل جلانے والی ہنسی ہنس کر بولا۔

اور واقعی نہ صرف چندا کا دل بلکہ جسم بھی دھڑ دھڑ جلنے لگا۔

"اس انڈسٹری میں سیدھے سادے طریقے سے بھی کچھ ہوتا ہے؟" اس نے جل بھن کر پوچھا۔

"ہوتا ہے میری جان... ہوتا ہے... مگر کن کے ساتھ؟ یہ بات صیغۂ راز میں رہنے دو۔" وہ نشے میں ڈولنے لگا۔

"تم سے تو بات کرنا ہی بے کار ہے' تم تب بھی ناکارہ تھے' اب بھی نکمے ہو۔ مگر میں دیکھ رہی ہوں کہ اپنی مقرر کردہ حدود کے ساتھ تو اس فیلڈ میں آگے بڑھا جا نہیں سکتا۔" وہ اس لڑکی کو دیکھ کر فرسٹریٹڈ ہو گئی تھی۔

"بالکل ٹھیک کہا تم نے... یہ حدود وود تو سب بے کار' ناکام لوگوں کی باتیں ہیں' اپنی سوچ تو یہ ہے کہ اپنے اور کامیابی کے درمیان آنے والی ہر رکاوٹ کو خواہ جائز یا ناجائز کسی بھی طریقے سے دور کردو۔" وہ بے حد جذباتی ہو کر ہاتھ ہلا ہلا کر کہنے لگا اور اس کا ہلتا ہوا ہاتھ شیشے کے بیش قیمت اور نازک گلاس سے جا ٹکرایا۔ نتیجتاً" گلاس زمین بوس۔

ہال میں موجود سب ہی نے اک پل کو مڑ کر دیکھا۔ چندا نے خفت زدہ ہو کر آصف کو گھر کا۔

"جب سنبھالی نہیں جاتی تو پیتے کیوں ہو؟" خوامخواہ گلاس کا نقصان کر دیا' اب یہ خمیازہ بھی مجھے ہی بھگتنا پڑے گا۔"

"آج میرے پاس پیسے نہیں ہیں تو تم بھی مجھے طعنے دو لو" وہ لڑکھڑاتی گلوگیر آواز میں بولا۔ "مگر دیکھنا بہت جلد میں تمہارے سارے پیسے سود سمیت لوٹا دوں گا۔"

"بکواس بند کرو اور اٹھو... تم سے تو بات کرنا ہی بے کار ہے' بے ہودہ' جاہل شخص ہو تم۔" وہ شدید غصے میں آگئی۔ اشارے سے ویٹر کو بلا کر بل لانے کے لیے کہا۔

"بدن پہ ستارے لپیٹے ہوئے" وہ اونچا اونچا گا رہا تھا۔ اور وہ بے بسی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اور کوئی اور بھی انہیں دیکھ رہا تھا مگر انہیں خبر نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

"کیا!" آغا فون پر تقریباً" دھاڑا تھا۔ اجیہ نے

روتے ہوئے اسے ساری بات من وعن بتادی تھی۔
مہ پارہ اپنے اکلوتے پڑھے لکھے خوبرو بیٹے اور اپنے میاں کے ساتھ پاکستان آچکی تھیں اور گھر آکر انہوں نے جس والہانہ انداز میں اسے گلے سے لگا کر اس کا ماتھا چوما تھا وہ انداز اجیہ کو بری طرح کھٹک گیا تھا۔
تب ہی اس نے آغا کو ساری بات صاف صاف بتا دینے کا سوچا تھا۔
"پاگل تو نہیں ہو گیا تمہارا بھائی۔ اس کو کسی نے میرے متعلق ایسی خبریں پہنچائیں کیسے؟"
"مجھے کیا معلوم... اجیہ نے روتے ہوئے کہا" آغا پلیز کچھ کرو میں نہیں رہ پاؤں گی تمہارے بغیر۔" وہ باقاعدہ ہچکیاں لے رہی تھی۔
"کیا کروں میں اب... مجھے تو پہلے ہی تمہارے بھائی اور باپ کے تیور دیکھ کر اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر انکار کر دیں گے۔"
"ان کے انکار کرنے سے کیا ہوتا ہے مجھے تو تم ہی سے شادی کرنی ہے اور بس۔" وہ کسی قدر دلیری سے بولی تو آغا نے پرسوچ لہجے میں پوچھا۔
"اس کا مطلب تم کوئی بھی بولڈ اسٹیپ لینے کے لیے تیار ہو؟"
"ہاں ہوں... ٹھیک کہتی ہیں امی! کہ بابا بہت سنگ دل کٹھور بے رحم ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت چالاک بھی ہیں۔ کس قدر مہارت سے مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ خالہ جانی کو بھی انہوں نے ہی یہاں بلوایا ہے۔"
"تب تو تم تیار رہو... "ہمیں فوراً" ہی کچھ کرنا ہو گا۔" اس نے کہا۔
"ہاں... مگر مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے آغا۔" اس نے متوحش لہجے میں کہا۔
"وہ کیا کہتے ہیں کہ پیار کیا تو ڈرنا کیا؟" اس نے ہنس کر اسے حوصلہ دینا چاہا۔
"ہاں اچھا سنو دروازے پر کوئی ہے۔ میں بعد میں بات کرتی ہوں۔" کہہ کر جلدی سے رابطہ منقطع کر دیا۔ آغا منہ بنا کر رہ گیا۔

"کیا ہو گا اب آغا؟" نتاشا نے فکر مندی سے اسے دیکھا۔ دوران گفتگو وہ سامنے ہی بیٹھی تھی۔
"ہونا تو وہی ہے جو میں چاہتا ہوں۔" اس نے فون صوفے پر اچھال کر بے فکری سے کہا۔ اور دونوں ہاتھ سر کے پیچھے باندھ کر مطمئن انداز میں بیٹھ گیا۔
"کیا تمہیں اجیہ واقعی اچھی لگتی ہے؟" اس نے پوچھا۔
"تو پھر اس سے شادی کیوں کر رہا ہوں؟" وہ الٹا اس سے پوچھنے لگا۔
"وہ تو تم پہلے بھی تین کر چکے ہو۔" اس نے طنزیہ کہا۔ تو وہ ہنس پڑا۔
"ہاں... تو کیا ہوا وہ بھی اچھی ہی تھیں بری نہیں تھیں۔"
"مگر آغا... اجیہ بہت انوسینٹ ہے۔ میں تمہیں جانتی ہوں کچھ روز بعد وہ تمہارے دل سے اتر جائے گی تمہیں تو یقیناً" کوئی اور پسند آجائے گی مگر وہ ٹوٹ جائے گی بیچاری۔" وہ افسوس کرنے لگی۔
"نہیں یار... پہلی کا تو پتا نہیں مگر یہ میری ڈیفی نیٹلی آخری محبت ہے۔" اس نے پر وثوق لہجے میں کہا۔
"تم ہر بار یہی کہتے ہو آغا۔" اس نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔
"ہر بار یہ دل کم بخت دغا دے جاتا ہے۔" وہ بے چارگی سے بولا۔
"تمہیں اس کو سب سچ بتا دینا چاہیے تھا جب اسے ان سب باتوں کا پتا چلے گا تو بہت ہرٹ ہو گی وہ۔" اس نے کہا۔
"پاگل ہو گئی ہو کیا!" وہ بدک کر سیدھا ہوا۔ "خبردار اور تم بھی اسے یہ سب مت بتانا۔ وہ بہت مختلف مزاج کی لڑکی ہے جہاں تک میں اسے جانتا ہوں اس کے لیے یہ باتیں بہت اہمیت کی حامل ہیں۔"
"اور بعد میں اسے یہ سب پتا چل گیا تو؟" نتاشہ نے کہا تو وہ لاپروائی سے بولا۔
"بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی یار اور فی الحال تم

مجھے خوامخواہ آنے والے وقت کے اندیشوں میں دھکیل کر بور مت کرو۔"

وہ ٹی وی کا ریموٹ اٹھا کر قدرے چڑ کر بولا تھا۔ یوں بھی نتاشا کو دیر ہو رہی تھی سو وہ بھی اس کے پاس سے اٹھ گئی۔

☆ ☆ ☆

"ماشاءاللہ۔۔۔ ماشاءاللہ۔" مہ پارہ نے ہیروں کا سیٹ جو وہ اس کے لیے بطور خاص لائی تھیں اس کے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔ وہ ہنوز بے تاثر چہرہ اور خالی خالی نگاہیں لیے بیٹھی رہی۔

بالآخر وہ مناسب وقت آ ہی گیا تھا جب اجیہ کے علم میں ساری بات لائی جا رہی تھی اور یہ کام مہ پارہ بذات خود سر انجام دے رہی تھیں۔ ان کا ساتھ دینے کے لیے میرب بھی موجود تھی اور وہ دونوں سامان اٹھائے اس کے کمرے میں کچھ دیر قبل ہی آئی تھیں۔

"کیوں اجیہ۔۔۔ زیورات اور اپنا نکاح کا جوڑا پسند آیا؟"

"نن۔۔۔ نکاح کا جوڑا؟" وہ ہکلا گئی" کس کا نکاح؟" اس نے عجیب سی نگاہوں سے انہیں دیکھا تو وہ سنبھل کر کرنا شروع ہوئیں۔ میرب دل ہی دل میں مختلف قرآنی آیات کا ورد کر رہی تھی۔

"دیکھو میری جان۔۔۔ ہمیں بہت سی چیزیں اپنے لیے پسند آ جاتی ہیں مگر کچھ اس میں سے ہمارے لیے نقصان دہ بھی ہوتی ہیں اور اولاد کو بچانا والدین کا فرض ہوتا ہے نا۔" وہ بہت نرم روی اور حلاوت سے کہہ رہی تھیں۔

"مگر مجھے یہ نکاح نہیں کرنا۔" وہ شدید ترین پریشانی میں گھری اسی قدر کہہ سکی۔

"کیوں بیٹا۔۔۔ ہم بڑے پیار سے 'بڑی چاہ سے تمہیں اپنا رہے ہیں۔ کسی قسم کا اندیشہ اور فکر اپنے دل میں مت پالو۔" وہ مسکرا کر بولیں۔

"اور دیکھو نا۔" میرب نے ان کی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "خالہ جان تم سے کتنا پیار کرتی ہیں۔ کتنا خیال رکھتی ہیں تمہارا 'ارے بھئی ایسی ساس تو نصیبوں والی کو ملتی ہے۔" وہ لوگ یقیناً" اسے بہلانے پھسلانے کی کوشش کر رہے تھے اور اجیہ کوئی نادان بچی نہیں تھی جو سمجھ نہیں پاتی اور وہ کچھ بھی کہہ لیتی۔ کوئی بھی اعتراض کر لیتی مگر ان لوگوں نے اسے یونہی پیار محبت سے جذباتی بلیک میلنگ کے ذریعے قابو کر لینا تھا۔ یہ بات وہ سمجھ گئی تھی۔ اسی لیے سر جھکائے خاموش بیٹھی یہی سوچ رہی تھی۔

"کیوں بیٹا۔۔۔ کچھ کہو تو سہی۔۔۔ اچھا چلو یہ ہی بتا دو کہ اپنا ڈریس اور جیولری پسند آئی؟" مہ پارہ نے اس کی ٹھوڑی شرارت سے چھوتے ہوئے پوچھا۔

تو اس نے محض اثبات میں سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

مہ پارہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں میرب کو کچھ اشارہ کیا۔

"اچھا بھئی۔۔۔ اب تم آرام کرو 'کل عصر میں تمہارا نکاح ہے میرے بیٹے حمزہ کے ساتھ اور رات میں یہیں لان میں چھوٹا موٹا نکاح کا فنکشن۔" وہ خوشی سے بتانے لگیں۔

وہ ایک جھٹکے سے سر اٹھا کر بے یقین نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی میرب سرعت سے کمرہ عبور کر گئی۔ مہ پارہ بھی اس کا ماتھا نم آنکھوں سے چوم کر باہر چل دیں۔ کچھ دیر بعد جب اس کے حواس قابو میں آئے اور ذہن سوچنے سمجھنے کے لائق ہوا تو اس نے فوراً" سے پیشتر آغا کو کال ملائی۔

"ہیلو آغا۔۔۔ کل یہ لوگ میرا نکاح کر رہے ہیں۔" وہ بے قراری سے رو پڑی۔

"ہیل آن دیم۔۔۔ اور پلیز' یہ رونا دھونا بند کرو اور اب غور سے میری بات سنو۔" وہ اسے جلدی جلدی کچھ بتانے لگا۔ جسے سن کر اجیہ کی آنکھوں کی چمک لحہ بہ لحہ بڑھتی چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

"یار! میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ پلیز تم دیکھ لو۔" جمیل نے بے دلی سے ٹیبل پر موجود اہم دستاویز

کی فائل پرے کھسکا کر میز ہی پر تھکے تھکے انداز میں سر ٹکا دیا مقابل کرسی پر کوئی بزنس رسالہ دیکھتے ہمدانی نے قدرے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیا بات ہے جمیل ــــ طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری؟" اس نے تشویش ناک لہجے میں کہا۔

"بس یار ــــ عجیب سی تھکن اور بے نام سی اداسی اور الجھن ذہن و دل پر سوار ہے ــــ سمجھ نہیں آرہا کیا کروں؟" اس نے سر ٹیبل سے اٹھا کر انگلیاں بالوں میں پھنساتے ہوئے کہا۔ ہمدانی بڑے عمیق نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے لگا۔ کچھ دنوں سے جمیل اسے الجھا الجھا اور پریشان دکھائی دیے رہا تھا۔ کام پر بھی اس کی توجہ پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔ اور یہ کاروباری نقطہ نظر سے کوئی اچھی بات نہیں تھی پھر یہ بھی تھا کہ جمیل سے کافی پرانی شناسائی تھی جو بعد ازاں دوستی اور اب بزنس پارٹنر میں بھی تبدیل ہو چکی تھی۔ جمیل ایک سیلف میڈ انسان تھا۔ کم عمری ہی میں اس پر ذمے داریوں کا کوہ گراں آگرا تھا۔ مگر وقت نے ثابت کیا کہ وہ اس ذمے داری کا واقعی اہل تھا۔ والد کی وفات کے بعد اس نے جس طرح چھوٹے بھائی بہنوں کو سنبھالا وہ نہ صرف قابل ستائش بلکہ لائق داد و تحسین بھی تھا۔ بہنوں کو اچھی طرح بیاہ دیا۔ بھائی کو بھی معیشل کر دیا' تب کہیں جا کر ایک دوست کے احساس دلانے پر اسے اپنا گھر بسانے کا خیال آیا۔ بہنوں کو کہا وہ آنا کانی کرنے لگیں' وہ خود غرضی سے سوچ رہی تھیں تب ہی ان کے دوست علی احمد ہی نے اس کا رشتہ اپنے دوست کی بہن سے لگا دیا' وہ پوری ایمانداری اور محبت کے ساتھ رشتہ نباہ رہا تھا۔ وہ اپنی بیوی سے محبت کرتا تھا۔ اس کی ضروریات بلکہ عیش و آرام تک کا خیال رکھتا تھا۔ یوں بھی اگر بیوی کم عمر ہو اور بے انتہا نازک اور خوب صورت ہو تو اک اوسط درجے کی پرسنالٹی رکھنے والے قدرے بڑی عمر کے شوہر کے پاس سوائے بیوی سے عشق کرنے یا شک کرنے کے کیا باقی رہ جاتا ہے؟

مگر شک کرنا جمیل کی فطرت نہیں تھی اور بات بات پر بیوی پر پہرے بٹھانا اس کی سرشت میں شامل نہ تھا۔ وہ نہ صرف روشن خیال بلکہ کسی حد تک لاپرواہ بھی تھا۔ جس شخص نے اپنی صوم و صلوۃ کی پابند باپردہ ماں کو دیکھا ہو' چار دیواری میں خود کو محفوظ تصور کرنے والی بہنوں کے علاوہ کسی عورت کو قریب سے نہ دیکھا ہو' شاید وہ عورت ذات کے متعلق اس سے زیادہ کچھ سوچ بھی نہیں سکتا کہ عورت وفا ہے' حیا ہے' **نغمگی** ہے' حسن ہے گھر کی زینت اور روح کا سکون ہے۔ اور یہی جذبات چندا کے لیے جمیل کے تھے اور ہمدانی اس کا اچھا دوست ہونے کے ناتے کسی حد تک اس کے خیالات سے واقف بھی تھا مگر۔۔۔۔

"میرا خیال ہے کہ تم کچھ دن کی چھٹی لے کر بھابی کے ساتھ کہیں گھوم پھر آؤ۔" اس نے کچھ سوچ کر کہا۔

"کہاں لے کر جاؤں۔" وہ عاجز لہجے میں بولا۔ "وہ لندن' پیرس' نیویارک گھومنے کی بات کرتی ہے اور اسے وہاں لے جانا فی الحال میرے بس کی بات نہیں۔"

"یہ کیا بات ہوئی یار۔۔۔!" ہمدانی اچنبھے سے بولا۔ "ڈائریکٹ اتنی اونچی اڑان؟"

"ہاں یار۔۔۔ وہ ایسی ہی ہے' ہر چیز اسے اعلا اور مہنگی سے مہنگی چاہیے۔" اس نے سر جھٹکا۔

"تم اتنے پریشان کیوں ہو آخر؟"

"کیا بتاؤں؟" جمیل نے اسے یوں دیکھا گویا کہوں یا نہ کہوں؟

"مجھے لگتا ہے' وہ میرے ساتھ خوش نہیں ہے۔" جمیل نے تاسف و بیچارگی کے ملے جلے لہجے میں بتایا۔

"اچھا! مگر کیوں؟" وہ حیرت سے بولا۔

"پتا نہیں یار۔۔۔ وہ ہر وقت مجھے غریب ہونے کے' اپنی خواہشات کی تکمیل نہ ہونے کے طعنے دیتی رہتی ہے۔"

"حیرت ہے۔" وہ کسی قدر استہزاء سے بولا۔ "وہ خود کون سے ساؤنڈ بیک گراؤنڈ سے ہیں' میرے خیال سے تو وہ تمہارے گھر میں نہایت ہی عیش و آرام بلکہ ہر طرح کی آزادی سے رہ رہی ہیں۔" اس کی نگاہوں میں

وہ منظر گھوم گیا۔
"کہیں ان کی ناخوشی کے پیچھے کوئی اور وجہ تو نہیں؟"
وہ گمبھیر لہجے میں بولا۔
"کیا مطلب؟" جمیل نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔
"کہیں ایسا تو نہیں کہ انہیں اعتراض اور مسئلہ تمہاری ذات پر ہو' میرا مطلب ہے کہ۔۔۔ کہ خیر جانے دو۔" وہ کچھ بولتے بولتے **جھجھک** کر خاموش ہو گیا۔
"جملہ مکمل کرو ہمدانی! کیا کہنا چاہ رہے ہو۔" وہ سخت لہجے میں بولا۔
"دیکھو بھابھی آزاد خیال ہیں' انہیں گھومنا پھرنا پسند ہے' ٹھیک ہے مگر ہمارے مذہب اور معاشرے کے بھی کچھ تقاضے ہیں کہ نہیں؟" وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔
"تمہیں چاہیے کہ وہ کہاں جاتی ہیں' کس سے ملتی ہیں' کہاں وقت گزارتی ہیں' اس کے متعلق معلومات رکھو۔" وہ جو بات سیدھے طریقے سے نہیں کہہ پا رہا تھا' اسے گھما پھرا کر کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔
"کیا کہنا چاہ رہے ہو کھل کر کہو۔" وہ مکمل سنجیدہ تھا۔
"جو کہنا تھا کہہ چکا۔ اس پر غور کرو' اب میں چلتا ہوں' مجھے ذرا کام ہے۔" وہ کہہ کر چلتا بنا مگر کمرے میں اپنے الفاظ کی بازگشت چھوڑ گیا۔ اور اس پر غور کرتے جمیل کو بھی۔

☼ ☼ ☼

رات کے کھانے کے بعد سب خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ وقار صاحب اپنے ہم زلف اخلاق صاحب کے ساتھ ملکی حالات ڈسکس کر رہے تھے جبکہ سائرہ حمزہ کو کمپنی دے رہا تھا یہ اور بات کہ حمزہ کی نگاہیں مسلسل اجیہ کے روشن چہرے کے طواف میں مصروف تھیں۔ اجیہ' میرب اور مہ پارہ بلکہ میرب اور مہ پارہ ہی کل ہونے والے **فنکشن** اور نکاح کے متعلق محو گفتگو تھے جبکہ اجیہ مسلسل دیوار گیر گھڑی پر نگاہ جمائے ہوئے تھی جو کہ رات کے ساڑھے گیارہ بجا رہی تھی۔ تب ہی اچانک اجیہ کھڑی ہوئی۔
"ارے کہاں چلیں؟" مہ پارہ نے تعجب سے پوچھا۔
"میں۔۔۔ وہ میں نے سوچا کہ سب کے لیے چائے بنالوں۔" اس نے ہکلا کر کہا۔
"ارے تم رہنے دو۔۔۔ لالی سے میں نے کہہ دیا تھا' وہ بنا رہی ہو گی۔" میرب نے تسلی دی۔ اس پر جھنجلاہٹ سوار ہونے لگی۔
"اچھا۔ میں چائے سرو کرنے میں اس کی مدد کروا دیتی ہوں۔" وہ کہہ کر کچن کی جانب بڑھ گئی۔ لالی ٹرے میں کپ سیٹ کر رہی تھی' اسے دیکھ کر حیران ہوئی۔
"ارے بی بی آپ بیٹھیں ہمیں بس چائے لا ہی رہی تھی۔"
"تم ایسا کرو' میرے روم کی صفائی کر دو۔ میں چائے دیکھتی ہوں۔" اجیہ نے ان سنی کرتے ہوئے کہا۔
"مگر آپ کے روم کی صفائی تو صبح ہو چکی ہے۔" اس نے بتانا چاہا۔
"صبح ہوئی تھی تو کیا رات تک کمرہ گندا نہیں ہو سکتا؟ اور تم مجھ سے بحث کیوں کر رہی ہو' جاؤ جا کر روم صاف کرو۔" بالآخر اس نے مالکانہ رعب جمایا تو لالی سہم گئی' وہ یوں بھی اس کے مزاج سے گھبراتی تھی۔
"جی بی بی جی۔۔۔ جا رہی ہوں۔ بس یہ قہوہ تیار ہے' آپ گرم دودھ اور شکر' شکردان میں ڈال کر لے جائیے گا۔" جاتے جاتے اس نے کہا۔ اجیہ بیزاری سے کھڑی رہی۔ اور کوفت سے اسے جاتا دیکھنے لگی۔ جیسے ہی وہ کچن سے نکلی' اجیہ نے پھرتی سے پہلے ہی سے کچن میں چھپا کر رکھی نیند کی دوائی نکالی اور چائے میں ملا دی۔
"کیا کر رہی ہو بھئی۔" کوئی شوخ سی آواز ابھری تھی۔ اجیہ بری طرح گھبرا گئی صد شکر ہاتھ سے دوائی کی شیشی نہیں چھوٹی۔ اس نے سرعت سے مٹھی میں دبا کر ہاتھ پیچھے کر لیا اور چہرہ نوвارد کی جانب۔

"تم نے مجھے ڈرا دیا حمزہ۔" وہ ناگواری سے بولی۔
"حالانکہ میں اتنا بھی خوف ناک نہیں۔" وہ بڑی میٹھی نگاہوں سے اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔
"تم جا کر بیٹھو۔ میں بس چائے لا ہی رہی ہوں۔" اس نے اس کی نگاہوں پر دھیان نہیں دیا۔
"ارے واہ۔ کیوں بیٹھوں' میں تو وہاں بہانا بنا کر یہاں آیا ہی تمہارے لیے ہوں۔ لالی کو میں نے کچن سے نکلتے دیکھ لیا تھا۔" وہ شریر لہجے میں کہہ رہا تھا۔
"میرے پاس تم سے بات کرنے کا وقت نہیں ہے۔" وہ رکھائی سے کہہ کر پھر سے چائے کی جانب متوجہ ہوئی جو تیار ہو چکی تھی۔
"اچھا! وہ ہنسا۔ محظوظ مسکراہٹ "چلو بات نہ کرو مگر سن تو سکتی ہو۔ اب یہ مت کہنا کہ سننے کا بھی وقت نہیں۔" وہ خاموشی سے چائے کپوں میں انڈیلتی رہی۔
"سچ کہوں۔ پہلے مجھے امی کے فیصلے پر اعتراض تھا اور میں ان سے ناراض بھی تھا مگر امی کا فیصلہ اٹل تھا اور وہ میری ناراضی کی پرواہ بھی قطعا" نہیں کر رہی تھیں' ان کا یہی کہنا تھا کہ اجیہ تمہارے لیے بہترین انتخاب ہے اور جب میں نے تمہیں دیکھا مجھے لگا واقعی۔ واقعی ان کا انتخاب نہ صرف بہترین بلکہ لا جواب ہے۔" وہ جذب سے کہہ رہا تھا مگر اجیہ کو اس کی داستان سے زیادہ چائے میں دلچسپی تھی۔
"آؤ حمزہ۔ تمہاری چائے میں وہیں لے جا رہی ہوں۔" اس نے حمزہ کو نظرانداز کر کے چائے کی ٹرے اٹھائی اور باہر چل دی۔
"ہا۔ مشرقی بیوی' تھوڑا صبر کرلے بیٹا! بس آج رات ہی کی تو بات ہے' کل تو اس کے جملہ حقوق تیرے نام ہو ہی جانے ہیں۔" وہ سرمستی سے سوچ کر مسکرایا اور واپس آکر محفل کا حصہ بن گیا۔ اجیہ اپنی چائے اٹھا کر اپنے کمرے میں آگئی۔ میرب نے روکنے کی کوشش کی مگر وہ رکی نہیں۔ مہ پارہ اس کے انداز بھی رہی تھیں۔ ظاہر ہے یہ سب اس کی چاہت کے برخلاف ہو رہا تھا اس نے کچھ ناراضی تو دکھانی ہی تھی۔ مگر وہ بہت اعلا ظرفی سے سوچ رہی تھیں۔ اسے مارجن دے رہی تھیں۔
اجیہ نے روم میں آکر لالی جو کہ پہلے سے صاف کمرے کو مزید تندہی سے صاف ستھرا کرنے میں جتی تھی' کو مخاطب کیا۔
"بس ہو گئی صفائی۔ اب جاؤ کچن کی سلیب پر تمہاری اور شیرو (چوکیدار) کی چائے رکھی ہے' تم دونوں لے لو اور ہاں اسے اپنے ہاتھ سے چائے دے کر آنا۔" اس نے تاکیدا" کہا۔
"ظاہر ہے' میرے علاوہ کس نے دینی ہے۔" اس نے دل میں سوچا اور محض سر ہلا کر باہر آگئی۔ اس کے باہر نکلتے ہی اجیہ نے روم لاک کیا اور آغا کو کال ملانے لگی۔
"ہاں کہو۔ پلا دی سب کو نیند کی دوائی؟" اسے چھوٹتے ہی پوچھا۔
"چائے میں ملا کر دے تو دی ہے۔ اب اللہ کرے سب پی ہی لیں۔" اس نے پریشانی سے کہا۔
"پی ہی لیں گے' بس تم ٹھیک ساڑھے تین بجے تیار رہنا۔ گلی کے کونے پر میں گاڑی لے کر کھڑا ہوں گا۔" وہ بتانے لگا۔
"مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے آغا۔" وہ ناخن چباتے ہوئے بولی۔
"ربش۔ مت ڈرو یار' بہادر بنو؟"
"آغا! ہم کچھ غلط تو نہیں کر رہے نا۔" وہ فکرمندی سے بولی تو اسے غصہ ہی تو آگیا۔
"کیا غلط۔ ہاں بولو' جب وہ لوگ تمہاری جائز خواہش سیدھے سادے طریقے سے پوری کرنے کے موڈ ہی میں نہیں ہیں تو تم اور کیا کرو گی۔ تمہیں یہ سب کرنے پر ان لوگوں ہی نے مجبور کیا ہے۔"
"ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔" وہ ازحد معصومیت سے بولی۔ "ہم نے تو سیدھا راستہ ہی اپنایا تھا نا' انہوں نے ہی الٹی سیدھی باتیں کر کے مجھے یہ سب کرنے پر مجبور کیا ہے۔" اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔
"اچھا چھوڑو جانم۔ کچھ دیر ریسٹ کر لو مگر الرٹ

رہنا پھر کچھ دیر میں ملتے ہیں ہمیشہ کے لیے۔۔۔ بہت کچھ ہے دل میں تمہارے لیے، تمہیں سامنے بٹھا کر حکایت دل سنانی ہے۔" وہ مدھم آواز میں بولا۔ اجیہ کے لبوں پر شرمگیں مسکراہٹ سج گئی۔

"اچھا اللہ حافظ۔" وہ لجا کر بولی۔

"او کے۔۔۔ وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ پھر ملتے ہیں زندگی۔" کہہ کر اس نے رابطہ منقطع کر دیا۔

طے ہوا تھا کہ وہ دونوں بھاگ کر پہلے اسلام آباد جا کر نکاح کریں گے پھر اس کے بعد دبئی روانہ ہوں گے جہاں وہ نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔ اجیہ نے اس منصوبے کے متعلق گل کو ہی بتا رکھا تھا۔

"امی سے بھی بات کرلوں۔" اس نے کال ملائی۔

"ہاں میری بچی۔" جذبات سے مغلوب آواز میں۔ تیرے ہی فون کی منتظر تھی۔"

"کیسی ہیں آپ؟"

"صدیوں کے پیاسے کو میسر دو بوند بھی چھن جائے تو اس کی حالت کیسی ہو سکتی ہے؟"

"امی پلیز۔" اس کے غم ناک انداز پر اجیہ کا دل کٹ کر رہ گیا۔ "میں نے آپ سے کہا ہے نا کہ بہت جلد میں آپ کو اپنے ساتھ ہی رکھ لوں گی۔"

"دیکھیں گے۔۔۔ بعد میں تم اپنے شوہر کے حکم کی محتاج ہو گی جو وہ کہے گا وہی کرنا پڑے گا تمہیں۔"

"میں آپ کو بتا تو چکی ہوں امی! کہ آغا ہرگز بھی ایسا نہیں ہے۔ وہ بہت اچھا اور نیک دل ہے۔۔۔ میرے جذبات کا بہت خیال رکھتا ہے۔"

"وہ تو بعد ہی میں پتا چلے گا۔ مرد محبوب کی صورت میں جاں نثار ہوتا ہے جبکہ خاوند کی صورت میں جاں گسل۔" وہ استہزائیہ ہنسی۔

"میں آپ کو بہت یاد کر رہی ہوں امی۔۔۔ کاش آپ ہماری زندگی میں شامل ہوتیں تو یہ لمحہ میری زندگی میں نہیں آتا۔" وہ یاسیت سے گویا تھی۔

"میں نے کہا نا 'شوہر' بیوی کا حاکم ہے اور جب میرے حاکم نے چاہا' مجھے اپنی زندگی میں شامل کر لیا جب جی بھر گیا زندگی سے نکال پھینکا' آخر کر ہی کیا پائی میں۔"

"مجھے نفرت ہے بابا سے' انہوں نے نہ صرف آپ کے ساتھ ظلم کیا بلکہ ہمیں بھی ماں سے محروم رکھا۔"

"اب جا کر تم ملی تھیں تو پھر کھو رہی ہو۔" اس کی سوئی پھر وہیں آرکی۔

"امی آپ!" اجیہ نے بے بسی سے سرد آہ بھری۔ "اچھا ٹھیک ہے مت کریں آپ آغا پر بھروسہ مگر مجھ پر تو کر سکتی ہیں نا' میں بھلا آپ کو تنہا چھوڑ سکتی ہوں۔"

"چھوڑو یہ باتیں اجیہ۔۔۔ تم اپنی نئی زندگی بساؤ' مجھے تو عادت ہے ان تنہائیوں کی بلکہ اب تو لوگوں سے ڈر لگتا ہے۔"

"اف۔۔۔ میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں' اچھا ٹھیک ہے' دیکھ لیجیے گا۔ وقت ثابت کر دے گا کہ میں اپنے قول میں کتنی صادق تھی۔" وہ مضبوط لہجے میں بولی تو گل جی ہی جی میں مسکرا دی۔

"ہاں۔۔۔ وقت تو ثابت کرے گا اور ضرور کرے گا کہ کون بازی جیتتا ہے اور کون ہارتا ہے۔"

"اچھا بیٹی۔۔۔ اب آرام کروں گی' خدا حافظ۔" اس نے کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔ اجیہ بیٹھی مختلف سوچوں میں ڈوبتی ابھرتی رہی۔

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

سرورق کی شخصیت

ماڈل ـــــــــــ انعم فیاض

میک اپ ـــــــــــ روز بیوٹی پارلر

فوٹو گرافی ـــــــــــ موسیٰ رضا

امثل عزیز شہزاد

ایک ڈھلتی عمر کی عورت سڑک پار کرتے ہوئے ایک لڑکی کو دیکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک ماڈرن عورت ہے۔ وہ اسے چلا کر رکنے کے لیے کہتی ہے لیکن وہ دونوں سڑک پار کر کے گاڑی میں بیٹھ کر چلی جاتی ہیں۔

وقار صاحب کے دو بچے ہیں۔ اجیہ اور سائر... وہ سائر کی شادی کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ان کی بیوی اس دنیا میں نہیں ہے۔ ان کی سالی مہ پارہ خاص طور پر لندن سے اس شادی میں شرکت کرنے آئی ہیں' اجیہ وقار صاحب کو بتاتی ہے کہ سائر اس شادی سے ناخوش نظر آتا ہے۔ وقار صاحب یہ سن کر پریشان ہو جاتے ہیں۔

اجیہ بہت خوب صورت ہے۔ وہ دو ماہ کی تھی جب اس کی ماں چلی گئی۔ وہ اپنی خالہ مہ پارہ سے پوچھتی ہے کہ اس کی ماں کیسی تھیں۔ مہ پارہ بتاتی ہیں کہ اس کی ماں بہت خوب صورت تھی بالکل کانچ سے بنی مورت۔ وقار صاحب کی بہنیں بھی انہیں احساس دلاتی ہیں کہ سائر اس شادی سے خوش نہیں ہے۔ تب وقار صاحب سائر سے براہ راست بات کرتے ہیں کہ سائر کہیں اور انٹرسٹڈ تو نہیں ہے۔ تب سائر کہتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور وہ اپنے باپ کی کوئی بھی خواہش رد نہیں کر سکتا۔

سائر کی شادی میرب سے ہو رہی ہے۔ میرب دو سال کی تھی جب ان کی ماں بھی دنیا سے چلی گئی تھیں۔ ابراہیم صاحب نے اس کے بعد شادی نہیں کی۔ ان کے پڑوسی اور دوست احمد سعید اور ان کی بیگم نے میرب کا خیال اپنے بچوں کی طرح رکھا سعید صاحب کی بیٹی ماریہ کی میرب سے گہری دوستی ہے ان کا ایک بیٹا عاشر ہے جو اجیہ کو پسند کرتا ہے شادی کی

مکمل ناول

تقریبات میں سائر کا رویہ بہت اکھڑا اکھڑا رہتا ہے۔ شادی کی رات بھی وہ میرب سے بہت رکھائی سے پیش آتا ہے وہ میرب سے کہتا ہے کہ وہ اس سے صرف وفاداری کی توقع رکھتا ہے اور اسے اپنی بہن اور والد کا خیال رکھنے کو کہتا ہے۔

اجیہ کی دوست شینا بہت آزاد خیال لڑکی ہے۔ اس کا بھائی آغا شایان اجیہ میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔ اجیہ بھی اس کی طرف مائل ہے۔ جبکہ میرب کا بھائی سعد' اجیہ کو پسند کرتا ہے۔

سائر کا رویہ میرب کے ساتھ بہت عجیب ہے۔ وہ معمولی باتوں پر شدید رد عمل ظاہر کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ کسی بھی لڑکے سے بات نہ کرے۔

وہ عورت جس نے سڑک پر مہ پارہ کو دیکھا تھا۔ ایک خستہ فلیٹ میں رہتی ہے۔ وہاں سے کوئی پرانا پتا نکال کر مہ پارہ کے گھر جاتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ مہ پارہ وہ گھر چھوڑ چکی ہے۔ لیکن وہاں کے مکین اسے وقار صاحب کے گھر کا پتا دے دیتے ہیں۔

تب وہ کہتی ہے وقار آج سے سالوں پہلے تم نے جو اذیت مجھے پہنچائی تھی' اس کے بدلے کا وقت آپہنچا ہے۔"

شیخ عبدالحمید کریانہ فروش ہیں۔ دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں' نازو' چندا اور مانو۔ چندا کا مزاج اور صورت سب سے الگ ہے۔ وہ بے حد حسین ہے اور پڑھائی کے بجائے دوسری رنگا رنگ سرگرمیوں میں دلچسپی رکھتی ہے۔ شیخ صاحب کی لاڈلی ہے۔ کالج میں ایک ڈرامے میں قلوپطرہ کا کردار کرتی ہے تو آصف شیرازی اسے ٹی وی پر اداکاری کی آفر کرتا ہے۔ وہ ایک ڈائریکٹر شکیل ملک کا ملازم ہے۔ اس آفر پر چندا بہت خوش ہوتی ہے لیکن وہ جانتی ہے کہ ان کے گھر والے کبھی اسے ٹی وی پر کام کرنے کی اجازت نہیں دیں گے اور شادی کر کے رخصت کردیں گے۔ وہ آصف شیرازی سے کہتی ہے کہ تم مجھ سے شادی کرلو یہ اصلی شادی نہیں صرف ایک معاہدہ ہوگا۔ میں گھر والوں کے چنگل سے نکل آؤں گی۔ آصف مان جاتا ہے۔

میرب سائر کے رویے سے بہت پریشان ہے سو وہ عاشر سے بات کرنے کو منع کرتا ہے۔

اجیہ کا تعلق آغا سے بہت بڑھ چکا ہے۔ دونوں ملاقاتیں کرتے ہیں۔ ادھیڑ عمر عورت اجیہ کو فون کر کے بتاتی ہے کہ اس کی ماں زندہ ہے۔ وہ کہتی ہے کہ وہ اجیہ کی ماں سے ملاقات بھی کرا سکتی ہے۔

چھٹی قسط

رات زہریلی ناگن کی طرح اس کے وجود پر سرسرا رہی تھی۔ وہ بے قراری سے اپنے مختصر سے فلیٹ میں یوں چکراتی پھر رہی تھی گویا پیروں تلے انگارے بچھے ہوں... اور انگارے ہی تو تھے۔

اس کے خواب' اس کے ارادے' اس کی حکمت عملی سب جل کر راکھ ہوا ہی چاہتے تھے' یہ اس کے قدموں تلے اس کی لاحاصل تمنائیں ہی انگاروں کی صورت دہک رہی تھیں... بجھنے سے پہلے کی دہک۔

"قسمت نے ہمیشہ ہی مجھے عین وقت پر دغا دی ہے۔ محض ہاتھ بھر کا فاصلہ صدیوں کی مسافت میں تبدیل ہوتے دیکھا ہے۔ میں سب کچھ کھو چکی ہوں۔" اس نے رک کر داغ دار اور پچکے ہوئے آئینے میں اپنی صورت دیکھی "اپنی جوانی اپنا حسن' اس کے قدر دان اور نصیب... اس کی سوچ یہاں آکر ٹھہر گئی۔

"نصیب تو میرا چمک دار ہی تھا مگر اوروں نے اسے چمکنے نہ دیا۔" اس کی آنکھوں میں شرارے بھر گئے "تو کیا تقدیر مجھ سے میری یہ آخری خوشی بھی چھین لے گی؟ اس کے وجود پر سرسراتی رات نے اپنا پھن اٹھالیا... اور اس نے اپنے عزم کا اعادہ کرتے ہوئے اپنا فون...

☼ ☼ ☼

"آرہی ہو کلب؟" آصف نے فون پہ چندا سے پوچھا۔

"بالکل موڈ نہیں ہے میرا۔" اس نے نخوت سے کہا۔ اس روز کے بعد سے وہ کلب نہیں گئی تھی۔ آصف سے اسے عجیب سی چڑ ہو رہی تھی۔

"مگر ایک بہت زبردست آئیڈیا ہے میرے پاس تمہارے لیے۔" اس نے پرجوش ہو کر کہا۔

"بہتر ہے اپنے پاس رکھو..... تمہارے کام آئے گا۔"

"ناراض لگ رہی ہو جان۔" وہ بولا تو چندا بپھر ہی تو گئی۔

"بکواس بند رکھو اپنی..... نہایت بے کار اور فضول انسان ہو تم بس صرف تم شرابیں پی کر لمبی لمبی ہانک ہی سکتے ہو۔"

"یار..... بس بھی کرو اب..... تمہارے ہی فائدے اور کام کی بات ہے۔ سننی ہے تو سنو ورنہ گھر بیٹھو۔" اس کے انداز پر وہ بھی تپ گیا۔

"ہاں تو سنا دو کسی اور کو، مجھے کیا بتا رہے ہو۔" اس نے کہہ کر کھٹ سے ریسیور رکھ دیا۔

"کون تھا فون پر؟" جمیل اوپر سے آتا دکھائی دیا۔

"میری سہیلی تھی!" اس نے بے پروائی سے جھوٹ گھڑا اور سیب کی قاشیں اٹھا کر کھانے لگی۔

"ہوں..... کیا نام ہے، کہاں رہتی ہے۔" اس نے بظاہر سرسری انداز میں کہہ کر ٹی وی لگا کر خبرنامہ لگا دیا۔

"وہ....." یک لخت وہ گھبرا سی گئی، اس کی گھبراہٹ جمیل نے بطور خاص نوٹ کی تھی "ستارہ نام ہے..... جہانگیر روڈ پر رہتی ہے۔"

"کبھی گھر بلاؤ..... میں بھی تو ملوں اپنی بیوی کی اتنی اچھی سہیلی سے۔ جس سے ملے بنا میری بیوی کو اک پل بھی قرار نہیں آتا۔"

"یہ آپ کو میری سہیلیوں میں یکایک دلچسپی کیسے پیدا ہو گئی؟" وہ تنک کر بولی۔

"دلچسپی لینے پر تم ہی نے مجبور کیا ہے آخر میں بھی تو دیکھوں کہ وہ موصوفہ ہیں کیسی کہ جس کے لیے تم نے اپنا گھربار، شوہر حتیٰ کہ اپنی اکلوتی اولاد تک کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔" وہ تیز ہو کر بولا۔

"کیوں؟" وہ بگڑ کر بولی۔ "کیا تمہارے گھر میں نہیں رہ رہی، تمہاری ضروریات کو پورا نہیں کرتی تمہاری اولاد کا دھیان نہیں رکھتی؟"

"ہاں رہ رہی ہو میرے گھر میں مگر اجنبیوں کی طرح اور مجھے جسمانی نہیں تمہارا روحانی ساتھ چاہیے۔ رہا سونو کا سوال۔" وہ رکا اور ایک ملامتی نگاہ اس پر ڈالی "اس کا جتنا تم دھیان رکھ رہی ہو، واقف ہوں اس سے بھی میں۔"

"تو تم کیا چاہتے ہو؟" اس نے پلیٹ گود سے پٹخی۔ "گھر کی ماسی بن جاؤں یا تمہاری غلام....."

"میں جب بھی تم سے آرام سے بات کرتا ہوں تو تم لڑنا کیوں شروع کر دیتی ہو؟"

"تم بات ہی ایسی کرتے ہو" وہ دوبدو بولی۔

"میں تمہارے رویے سے عاجز آ چکا ہوں۔" وہ بے اختیار چیخا تو وہ قدرے سہم گئی "ہر بات میں لڑائی ہر چیز میں جھگڑا۔ آخر تم چاہتی کیا ہو؟"

"جو چاہتی تھی وہ تم بھی نہیں دے سکتے۔" وہ اب بھی دھیمی نہ پڑی تو وہ یکدم چونکا۔
"کیا چاہتی تھیں؟ طلاق؟" اس نے چبا چبا کر پوچھا "کس کی خاطر؟ کون ہے تمہاری زندگی میں بولو۔ آج بتا ہی دو۔"
"طلاق!۔" چندا کو افسوس ہونے لگا کیسے وقت پر اسے یاد آیا تھا۔ آخر اب طلاق لے کر وہ جائے گی بھی کہاں' ہاں اگر آصف مضبوط پوزیشن میں ہوتا تو بات دوسری تھی۔
"تم بات کو غلط رخ پر لے کے جارہے ہو جمیل۔" اس نے آواز دھیمی کرتے ہوئے کہا "نہ میری زندگی میں کوئی ہے اور نہ ہی میرا ایسا کوئی ارادہ ہے۔"
"کچھ عرصہ قبل تو تھا۔"
"تم مجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہو' تمہاری زندگی میں کوئی آگئی ہے۔" اس کے الٹا الزام تراشی پر وہ ہکا بکا رہ گیا۔
اس نے زور زور سے رونا شروع کر دیا تھا۔ جمیل کو پشیمانی ہونے لگی۔
"اچھا اب رو تو مت۔" وہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔
"رونے دو مجھے' میرے نصیب میں یہی لکھا ہے۔" وہ مزید دھاڑیں مارنے لگی۔
"اوفوہ... بس کرو یار! تم بھی تو برابر جھگڑا کرتی ہو۔ مجھے غصہ نہیں آئے گا تو اور کیا ہو گا۔" وہ اس کے قریب بیٹھ کر اس کے کندھوں کے گرد بازو حمائل کر کے بولا۔
"دور ہٹو..." اس نے اسے پیچھے دھکیلا۔
"یوں نہیں شاباش۔ پہلے جلدی سے خاموش ہو جاؤ' چلو باہر چلتے ہیں تھوڑی آؤٹنگ کے لیے۔" وہ اسے پچکارنے لگا۔ تب اس نے اپنے آنسو پونچھے اور بولی۔
"میں تیار ہو کر آتی ہوں۔" جمیل کھل کر ہنس دیا اور بے ساختہ اسے چوم کر بولا۔
"جاؤ میں انتظار کر رہا ہوں۔" خوب صورت بیوی کے آنسو اک اچھے بھلے اونچے لمبے مرد کو یونہی ڈھیر کر سکتے ہیں۔ یہ چندا نے سنا ہی نہیں آزمایا بھی کئی بار تھا۔

☼ ☼ ☼

سرمئی رنگ کا غبار چہار سو پھیلا تھا۔ کچھ واضح دکھائی نہیں دیتا تھا وہ بہت سنبھل سنبھل کر قدم آگے بڑھا رہا تھا' پیروں میں چبھتے کانٹے اور کنکر بتاتے تھے کہ وہ ننگے پاؤں ہے... پھر بہت دور سے جیسے کوئی کریہہ آواز سنائی دی۔
"کہاں ہو یہاں آؤ میں یہاں ہوں۔ تم مجھے ڈھونڈ رہے ہو نا؟" اس مکروہ آواز میں عجیب سا سحر تھا وہ جیسے ناچار اس طرف بڑھنے لگا۔ مگر اس نے چند قدم ہی آگے بڑھائے تھے کہ یک لخت ہی آگے راستے کے بجائے کھائی ملی اور وہ منہ کے بل اس کی گہرائی میں گرتا چلا گیا۔ نیچے اور نیچے...
"ہاہاہا! وہ آواز اب ہذیانی قہقہہ لگا رہی تھی "آؤ... آؤ اب آؤ یہاں۔"
کوئی بہت تیز کانوں کو چیر دینے والا شور ہوا تھا۔ اس کی آنکھ بے حد گھبراہٹ کے عالم میں کھلی' حسب سابق وہ سرتاپا پسینے میں بھیگا ہوا تھا۔ مگر اس کے ہاتھ پیر شل تھے اور وہ ہلنے سے قاصر تھا۔ مگر کان فعال تھے اور وہ سن رہے تھے کہ شاید اس کا فون بج رہا تھا تب ہی اس کے نیم غنودہ ذہن نے کچھ کام کیا اور اس نے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا کسی نامعلوم نمبر سے فون آرہا تھا۔ رات کے تین ساڑھے تین کا عمل تھا۔ اسے کچھ گھبراہٹ بھی ہوئی۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ میرب بے سدھ سو رہی تھی۔
"ہیلو کون؟"
"اس قدر بے خبری کی نیند بسا اوقات بہت بڑے ناقابل تلافی نقصان سے دوچار کر دیتی ہے۔" دوسری طرف کچھ گھٹی گھٹی سی آواز سنائی دی تھی۔

"سوری... آپ کون اور کیا کہہ رہی ہیں۔ میں کچھ سمجھا نہیں۔" وہ سچ کہہ رہا تھا۔
"تمہارے پاس وقت بہت کم ہے بچے.... تمہاری بہن تمہاری عزت کا جنازہ تیار کر رہی ہے۔ اسے روک لو نہیں تو کچھ نہیں بچے گا۔" اس نے کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔
"ہیلو... ہیلو" وہ دوسری طرف ہوتی ٹوں ٹوں پر پاگلوں کی طرح چیخا۔ مگر اس کے پاس وقت نہیں تھا' اس لیے سرعت سے اٹھا ایک لمحے کے لیے اسے زور سے چکر آیا تاہم وہ خود کو سنبھال کر آگے بڑھا اور اجیہ کے کمرے تک آیا اور دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھ کر یک لخط خود کو ٹٹولا۔ اس کے اندر باہر موت کا سناٹا طاری تھا۔
اس نے ناب گھمادی اور... دروازہ کھولا مگر اندر کوئی نہیں تھا۔ وہ تیزی سے اندر آیا۔ واش روم چیک کیا... خالی تھا۔ تب ہی اس کی نگاہ غیر ارادی طور پر لان میں کھلتی کھڑکی پر پڑی اسے کوئی سایہ سا گیٹ کی طرف بڑھتا دکھائی دیا۔ پھر گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔ وہ پلٹ کر گیٹ کی طرف دیوانہ وار بھاگا۔ جب تک وہ گیٹ سے باہر آیا۔ اجیہ گلی کے کونے پر پہنچنے ہی والی تھی۔
"رکو... اجیہ!" وہ حلق کے بل چیخا۔ آگے بڑھتی اجیہ کا سانس سینے میں اٹک گیا اور اس کے بڑھتے قدم بھی۔
"اجیہ! جلدی آؤ۔ مت رکو' ہماری فلائٹ کا ٹائم ہو رہا ہے۔" آغا تیز آواز میں بولا۔ اتنی تیز آواز جو صرف اجیہ ہی سن سکتی تھی۔
"رکو اجیہ! آگے مت بڑھنا۔" وہ بھاگ رہا تھا۔
"آؤ اجیہ... جلدی آؤ۔" آغا گاڑی کو ریس دیتا ہوا بولا۔ وہ پیچھے مڑ کر دیکھتی تو پتھر کی ہو جاتی اور اگر آگے بڑھ جاتی تو سارے راستے آسان تھے... مگر نجانے کیا بات ہوئی کہ اس کے حواس مختل ہو گئے اور وہ نہ آگے بڑھی نہ پیچھے بلکہ وہیں بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ اسے گرتا دیکھ کر آغا نے "اوہ ڈیم" کہہ کر گاڑی آگے بڑھانے میں ایک لمحے کی تاخیر نہ کی۔
"اجیہ!" وہ اس کے نزدیک آیا۔ اس کا سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ اس نے گری ہوئی اجیہ کو اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھایا اور واپس گھر لے آیا۔
اسے اس کے کمرے میں لٹایا... اور ایک نفرت انگیز نگاہ اس پر ڈالی اور غصہ ضبط کرتا ہوا کمرے سے نکلا اور اپنے کمرے میں آکر میرب کو جگانے کی بے سود کوشش کی۔ پھر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ یہ اس کی زندگی کا بدترین تجربہ تھا۔

☆ ☆ ☆

جمیل اپنے کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گیا ہوا تھا۔ سہ پہر کا وقت تھا' چندا اب اکثر گھر ہی پر رہا کرتی تھی۔ آصف کے فون البتہ تواتر سے آرہے تھے۔
تب ہی تیز بیل بجی اور بجتی ہی گئی۔ گھر میں زینت کے علاوہ فی الحال کوئی اور کل وقتی نوکر موجود نہیں تھا۔ چوکیدار بھی نہیں تھا۔ دروازے پر اسے ہی جانا پڑا۔
"خدا کا شکر ہے' چہرہ تو نظر آیا۔" وہ بڑے جذب سے بولا۔
"تم... یہاں کیسے؟" چندا آصف کو دیکھ کر متحیر رہ گئی۔
"اندر آنے کو کہو نہ کہو میں تو آرہا ہوں۔" وہ دروازہ دھکیل کر اندر چلا آیا۔ چندا نے دروازہ مقفل کیا۔
"آؤ... اندر چلو۔" وہ اس کی معیت میں اندر آیا اور ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گیا۔
"مجھے یقین ہے' تمہیں اب تمہاری خوابوں کی منزل پانے سے کوئی نہیں روک سکتا۔" وہ ستائشی انداز میں اس کے گھر کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔
"کیسے آنا ہوا؟" وہ اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔
"تم سے ملنے کو دل چاہا تو چلا آیا... تم نے تو اس روز کے بعد سے وہاں آنا ہی چھوڑ دیا۔" وہ شکایت آمیز لہجے میں بولا۔

''ہاں.... اب میں اکتا گئی ہوں اس سراب کے پیچھے بھاگتے بھاگتے۔'' وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔

''مگر تمہاری منزل تو اب بالکل سامنے ہے....''

''اچھا جی' وہ کیسے؟'' وہ تمسخر سے بولی۔

''دیکھو۔'' وہ سیدھا ہوا ''تمہارا مسئلہ تو یہ ہے ناکہ تمہاری اتنی کوششوں کے بعد بھی تمہیں کوئی ڈھنگ کی آفر نہیں آئی تو میرا خیال ہے کہ تمہیں آفر وافر کا انتظار کرنے کے بجائے خود فلم پروڈیوس کرنی چاہیے اور خود بہ طور ہیروئن اس میں آجاؤ۔'' اس نے ایسی نظروں سے اسے دیکھا۔ گویا کہہ رہا ہو ''کیوں! کیسی رہی۔''

''پہلے مجھے شک تھا۔'' چندا بولی ''مگر اب یقین ہو چکا ہے کہ تم دیوانے ہو چکے ہو۔''

''اس میں دیوانگی کی تو کوئی بات نہیں۔'' وہ برا مان گیا۔

''بات ہے۔'' چندا زور دے کر بولی۔ میرے پاس فلم پروڈیوس کرنے کا سرمایہ کہاں ہے جو میں فلم پروڈیوس کروں؟''

''پہلے میں نے یہی سوچا تھا مگر تمہارے پاس نہ سہی تمہارے شوہر کے پاس تو ہے۔ اس سے نکلواؤ۔''

''اتنی بڑی رقم کہاں سے اور کیوں دینے لگا وہ مجھے؟'' وہ چڑ گئی۔

''یہ گھر اپنا ہے؟''

''ہاں۔''

''اسے اپنے نام کرواؤ۔''

''میرے ہی نام پر ہے۔ اب بولو۔'' وہ غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ اچھل پڑا۔

''بس تو سمجھو' ہماری نیا پار لگی ہی لگی۔'' اس نے سرخوشی سے چٹکی بجائی ''اس کو بیچ دو.... سرمایہ آگیا۔ ہمارا مسئلہ حل۔''

''یہ سب اتنا آسان نہیں ہے آصف!'' اس نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔ ''جمیل مجھے جان سے مار دے گا۔''

''یار! تمہیں کون سا اس کے ساتھ رہنا ہو گا پھر کیوں اسے ہوا بنا رہی ہو۔ کرلو گی تم اسے ہینڈل میں تمہیں جانتا ہوں۔'' اس نے اس کا اعتراض چٹکی میں اڑا دیا۔

''ہوں.... مشکل ہے بہت۔'' اس نے پرسوچ لہجے میں کہا۔

''مگر ناممکن تو نہیں۔'' وہ اسے گھیر رہا تھا۔

''ہاں' کہتے تو تم ٹھیک ہی ہو۔ نہ مجھے جمیل سے دلچسپی ہے نہ اس گھر سے' مجھے تو صرف اپنے خوابوں سے محبت ہے.... چلو دیکھتی ہوں۔ کیا ہو سکتا ہے۔'' وہ بولی تو آصف جی جان سے خوش ہو گیا۔

''مگر تمہیں یوں گھر تک نہیں آنا چاہیے تھا۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ مزید بولی۔

''تم نہیں آرہی تھیں تو میں ہی آگیا مگر اب چلتا ہوں۔ کل آجانا' باقی باتیں وہیں ڈسکس کریں گے۔'' وہ کہہ کر اٹھا تھا۔

شام کا وقت تھا۔ زینت بی سونو کو ٹہلانے پارک تک لے جا رہی تھیں۔ پورچ میں ان کی مڈبھیڑ آصف سے ہو گئی۔ انہوں نے بڑے غور سے آصف کو دیکھا۔ وہ ایک سرسری نگاہ ان پر ڈال کر باہر نکلتا چلا گیا۔

''مما روز ان سے ملتی ہیں ہوٹل جا کر۔'' سونو نے زینت کو رازدارانہ سرگوشی میں بتایا۔ ''اور یہ انکل مجھے بالکل اچھے نہیں لگتے۔'' اس نے ناک چڑھا کر کہا۔ وہ نووارد اچھا تو خیر زینت کو بھی نہیں لگا تھا۔ مگر اس کی دیدہ دلیری پر وہ حیران ضرور تھیں۔

''یہ چندا بی بی.... کر کیا رہی ہیں آخر؟'' انہوں نے تفکر سے سوچا تھا۔

☆ ☆ ☆

ایک سیاہ ترین رات کا اختتام ہوا چاہتا تھا۔

وہ رات بھر صدماتی طیش کا شکار رہا۔ دماغ میں الگ جھکڑ سے چل رہے تھے ہاتھ پاؤں شل تھے۔ اعصاب کشیدہ۔ یہ یقیناً ''اس دوائی کا اثر تھا۔ اسے خود پر حیرت تھی کہ وہ جاگ کیسے گیا.... پورا گھر نوکروں سمیت تاحال ہوش و خرد سے بیگانہ تھا۔ یہ اجیہ کیا کرنے چلی

تھی؟ آج اس کا نکاح تھا اور وہ رات گھر سے بھاگ کر ان کے منہ پر کالک ملنا چاہ رہی تھی۔

"اف میرے خدا!" اس نے ایک مرتبہ پھر اپنا سر تھام لیا۔ کچھ دیر بعد وہ کچھ سوچ کر اٹھا اور میرب کو جگانے کی سعی کرنے لگا۔

"میرب اٹھو۔" اس نے میرب کو بری طرح جھنجھوڑ دیا۔

"کیا ہوا...؟" اس نے مندی مندی بوجھل آنکھیں کھول کر بمشکل دیکھا۔

"اٹھو فورا"... اپنے منہ پر پانی ڈال کر آؤ۔ میں بھی آرہا ہوں۔" وہ کہہ کر کمرے سے باہر نکلا... کچن میں جاکر اسٹرونگ سی کافی بنا کر لایا۔ میرب پھر سو چکی تھی۔ اس نے دوبارہ اٹھا کر اسے منہ دھونے کا کہا۔ اب کی بار وہ بمشکل تمام اٹھ بھی گئی۔ منہ بھی دھولیا۔

"کیا ہوا سائر! آپ نے اتنی جلدی کیوں جگا دیا؟" اس نے گھڑی دیکھی ساڑھے پانچ بجا رہی تھی۔

"جو میں کہنے جارہا ہوں غور سے سنو۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"کہیے... خیریت؟" اس کے لہجے کی غیر معمولی سنجیدگی پر وہ چونکی۔

"کل رات..." وہ رکا پھر ٹھہر گیا جیسے مناسب ترین الفاظ کا چناؤ کر رہا ہو۔ "کل رات اجیہ اس مردود کے ساتھ گھر سے جارہی تھی' میں جاگ گیا تھا۔ میں باہر نکلا تو وہ بے ہوش ہوگئی۔ تم اس کے کمرے میں جاکر دیکھو کہ وہ کس حال میں ہے' زندہ ہے یا مرگئی؟"

میرب اس کی بات سن کر ششدر رہ گئی۔

"کیا؟" انتہائی حیرت کے عالم میں اس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں... اور اب یہ کافی پیو اور جاکر دیکھو اسے۔"

"مگر وہ ایسا کیسے کرسکتی ہے۔" وہ یقین نہ کرنے والے انداز میں بولی۔

"اگر مگر کے چکر میں مت پڑو میرب!" وہ سختی سے بولا۔ "جاؤ جاکر اسے دیکھو اور ہاں... گھر میں کسی اور کو اس بات کی کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہیے۔" اس نے تنبیہہ کی۔

"چوکیدار کہاں تھا اور لالی' شریف۔" اس نے نوکروں کا نام لیا۔

"ہم سب کو اس بے غیرت نے نیند کی دوائی پلادی تھی... سب اس کے زیر اثر سوتے رہ گئے۔"

پھر میرب مزید کچھ اور نہ بولی نہ پوچھا۔ خاموشی سے اپنی کافی ختم کی اور اٹھ کر اجیہ کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ ہاتھ پیر ڈالے پڑی تھی۔ دل کی دھڑکن بڑی مدھم تھی۔ وہ واپس پلٹی۔

"وہ تا حال بے ہوش ہے... مجھے تو اس کی کنڈیشن ٹھیک نہیں لگ رہی۔" وہ از حد تشویش سے بولی۔

"اچھا ہے' مرجانے دو۔" اس نے مخصوص ذہنیت کا مظاہرہ کیا۔

"کیا بات کر رہے ہیں آپ سائر... مانا کہ اس نے بے حد خطرناک اور بھیانک جرم کا ارتکاب کیا ہے مگر اسے یوں بے حال کیسے چھوڑا جاسکتا ہے۔"

"تو پھر کیا کروں اب؟" وہ غصے سے دھاڑا۔

"پریشان مت ہوں۔" اس نے نرمی سے کہا۔

"آپ انصاری انکل (فیملی ڈاکٹر) کو فون کریں۔ وہ آکر اسے دیکھ لیں گے یا پھر اسے اسپتال لے چلتے ہیں۔"

"اگر اسی اثنا میں کوئی جاگ گیا تو... کسی کو اس کی حالت کا کیا جواز دیں گے مخصوصا" اخلاق انکل اور حمزہ کو۔" بات واقعی پریشانی کی تھی۔

"کیا کریں سائر!" وہ بھی متفکر ہوگئی "مگر فی الحال اسے ہوش میں لانا زیادہ ضروری ہے۔"

"ایسا کرو' تم اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرو... میں انصاری انکل کو کال کر رہا ہوں۔ کسی کو اگر اس کے متعلق کچھ معلوم ہوا تو کہہ دیں گے کہ بی پی بہت لو ہوگیا تھا۔ ٹھیک؟" وہ سرہلا کر اجیہ کے کمرے کی جانب چل دی۔ وہ ڈاکٹر کو فون ملانے لگا۔

☆ ☆ ☆

"گھر کی مالیت کا اندازہ تم لگوا ہی چکے ہو' میرے

زیورات اور مہر کی رقم ملا کر ہمارا کام بن ہی جائے گا۔ کیوں؟" وہ فون پر محو گفتگو تھی۔

"ہاں جانم..... میں یہاں کوششوں میں لگا ہوا ہوں۔ بہت جلد سارے معاملات نمٹ جائیں گے' بس اب تم گھر بیچنے کے بعد اپنے فضول شوہر سے علیحدگی کی سوچو۔"

"ہاں پہلے یہ گھر بیچ دوں..... اس سے قبل تو میں یہ بات اس سے ہرگز نہیں کروں گی۔" وہ بولی۔

"ہاں..... ہاں سمجھتا ہوں میں' اچھا یوں کرو کہ تم کاغذات وغیرہ تیار رکھو' جیسے ہی کوئی اچھی پارٹی لگے گی فوراً" اسے بیچ دیں گے۔"

"ہاں چلو ٹھیک ہے۔" اس نے کہا اور فون رکھ کر سوچنے لگی۔

"انسان اگر ایک بار کچھ کرنے کی ٹھان لے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے روک نہیں سکتی۔"

مگر وہ یہ سوچتے ہوئے تقدیر کو یکسر فراموش کر گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اجیہ خوف اور دہشت کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑی تھی۔ ڈاکٹر انصاری آئے۔ کچھ دوائیں لکھیں' انجکشن لگایا۔ وہ اب ہوش میں آچکی تھی مگر اس کے آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ میرب اپنی حالت کو یکسر بھلا کر اس کی غذا' دوا اور آرام کا خیال رکھ رہی تھی۔ دن کے بارہ بجے کہیں جا کر وہ سب بیدار ہوئے تو انہیں اجیہ کی حالت کے متعلق پتا چلا۔

"کیا ہوا ہے اجیہ کو؟" وقار ازحد فکر مندی سے پوچھنے لگے۔

"سب خیر تو ہے!" مہ پارہ بھی پریشان ہوئیں۔

"سب ٹھیک ہے بابا..... رات میں اس نے ٹھیک سے کھانا بھی نہیں کھایا تھا' بس اسی لیے ذرا کمزوری ہو رہی ہے اسے' آپ لوگ فکر مند نہ ہوں شام تک وہ ان شاء اللہ بھلی چنگی ہو جائے گی۔" میرب نے تسلی دی۔ سائرہ اپنے کمرے میں تھا۔ مہ پارہ اور وقار مطمئن ہو کر ناشتا وغیرہ کے لیے چل دیے۔

"مجھے مرنا ہے' مجھے زندہ نہیں رہنا۔" وہ ان کے جانے کے بعد تکیے پر سر پٹخنے لگی۔ میرب نے ناگواری سے اسے گھور کر دیکھا۔

"بہتر ہو گا کہ اب اپنے تماشے بند کر دو تم' تمہیں ذرا بھی احساس ہے' رات تم کیا کرنے چلی تھیں۔"

"جب حق سیدھے طریقے سے نہیں ملتا تو غلط طریقے ہی اپنانے پڑتے ہیں۔" آواز میں نقاہت ضرور تھی مگر طنطنہ وہی تھا۔

"خیر' میں تم سے بحث نہیں کر رہی۔" وہ بیزاری سے بولی "اب جو ہو گیا سو ہو گیا۔ تمہارے لیے یہی اچھا ہے کہ تم چپ چاپ اچھی لڑکیوں کی طرح اپنے بڑوں کے فیصلے کے آگے سر تسلیم خم کر دو۔ اور اٹھو یہ جوس اور ٹیبلٹ لو اور اس کے بعد آرام کرو۔

اس نے ٹیبل پر رکھا جوس کا گلاس اٹھا کر اسے تھمایا اور ٹیبلٹ کھلا کر باہر نکل آئی۔ اجیہ کا دماغ اتنا منتشر ہو رہا تھا کہ وہ چپ رہی۔ دو ایک بار اس نے آغا کو کال ملائی مگر اس کا نمبر بند جا رہا تھا۔ جھلا کر اس نے اپنا سیل دیوار پر دے مارا۔ وہ ٹوٹ کر چکنا چور ہو گیا۔ بالکل اس کے خوابوں کی طرح۔

☼ ☼ ☼

چندا کی طبیعت کئی روز سے گری گری سی تھی۔ اس نے دھیان نہیں دیا۔ مگر ایک روز اچانک چکرا کر گر پڑی۔ زینت کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ جمیل آفس میں تھا۔ وہ مختلف تدابیر اختیار کر کے اسے ہوش میں لائی۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کو ڈاکٹر کے پاس جانا چاہیے۔" زینت نے کہا۔

"کیا ہوا تھا مجھے؟" وہ چکراتے سر کو تھام کر بولی۔

"آپ بے ہوش ہو گئی تھیں..... میں رفیق کو گاڑی نکالنے کا کہتی ہوں۔"

پھر کچھ دیر بعد وہ دونوں ڈاکٹر شازیہ کی کلینک میں موجود تھیں۔ ڈاکٹر نے چیک اپ کیا۔ پھر ٹیسٹ بھی

اور اس کے کچھ دیر بعد اسے خوش خبری سنائی۔
"مبارک ہو مسز جمیل .... آپ ایکسپیکٹ کر رہی ہیں۔"
وہ یہ سن کر سن ہوگئی۔
بے اولاد زینت بی اسے بڑے رشک سے دیکھ رہی تھیں۔
پھر نجانے کیا ہوا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

☆ ☆ ☆

عصر کے بعد اس کا نکاح ہوا اور رات میں گھر کے لان ہی میں تقریب۔ ان کا کوئی بھی قریبی عزیز کراچی میں نہیں تھا۔ سو تقریب میں کم ہی لوگ شامل ہوئے۔ وقار صاحب آسودگی سے مسکرا کر مبارک بادیں وصول کر رہے تھے تو مہ پارہ بھی بے فکری سے محفل میں اڑی اڑی پھر رہی تھیں۔ البتہ سائر حسب معمول گہری سنجیدگی اوڑھے کھڑا ابھی بھی بڑی نفرت انگیز اور کاٹ دار نگاہ اجیہ پر ڈال رہا تھا۔ میرب مہمانوں اچھے طریقے سے تواضع کر رہی تھی۔ ماریہ وغیرہ بھی مدعو تھے۔
"یار! بہت زبردست لگ رہی ہے اجیہ ماشاء اللہ۔" ماریہ نے دلہن بنی اجیہ کو دیکھ کر ستائشی انداز میں کہا۔
"ہاں.... وہ تو ویسے ہی بہت پیاری سی ہے اور ظاہر ہے دلہن بن کر تو یوں بھی روپ چڑھتا ہی ہے۔" وہ تھکے تھکے لہجے میں بولی۔
"ہائے ہائے۔" اس نے کہا "پتا نہیں دلہن بن کر میں کیسی لگوں گی۔" اسے بڑی فکر تھی۔
"اچھی ہی لگوگی.... سعد نہیں آیا؟" اس نے یوں ہی پوچھا۔
"وہ ذرا مصروف تھا۔" اس نے ٹالا۔ اب کیا یہ بتاتی کہ وہ سمجھ گیا تھا کہ سائر کو اس کا یہاں آنا جانا پسند نہیں۔
"ویسے شکر ہے اس نے کوئی سین کری ایٹ نہیں کیا۔ میں تو سارا وقت گھبراتی ہی رہی۔" ماریہ بولی۔

"ہوں۔" میرب نے صرف ہوں ہی پر اکتفا کیا۔ ظاہر ہے وہ اور کیا بتاتی۔ بتانے والی بات ہی نہیں تھی۔ دوسری طرف مہ پارہ، سعدیہ بیگم سے میرب کے حسن انتظام کی تعریف کر رہی تھیں۔
"ہاں ماشاء اللہ بہت سمجھ دار اور سلیقہ شعار ہے ہماری میرب۔"
"بس آپ ہمارے لیے بھی دعا کریں کہ ہماری بہو بھی ہمارے لیے اتنی ہی اچھی ثابت ہو۔" مہ پارہ بولیں۔

"کیوں نہیں ان شاء اللہ۔" انہوں نے کہا۔
انہیں تصویروں کے لیے اسٹیج پر بلایا جا رہا تھا سو وہ دونوں وہاں چل دیں۔ جہاں چپکے چپکے اجیہ کے کان میں حمزہ حکایت دل انڈیل رہا تھا اور وہ پتھر کی بے جان مورت بنی بیٹھی تھی بالکل تھیں....
"اور وہ کون تھا جس نے مجھے اس رات فون کر کے بربادی سے بچایا تھا۔" سائر کے دماغ میں بہت تیزی سے یہ بات گردش کر رہی تھی مگر وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

رو رو کر اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں مگر درد کا کوئی مداوا نہ تھا۔ جمیل اس اطلاع پر بے حد خوش تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اسے وہ پاؤں بھی زمین پر نہ ٹکانے دے۔ وہ پانچ سال بعد دوبارہ پریگننٹ ہوئی تھی۔ مگر وہ اس کا یوں خیال کر رہا تھا گویا پہلی بار ہوئی ہو اور وہ اس کی عنایات پر جھلائی ہوئی تھی۔
"تمہیں کسی چیز کی بھی ضرورت ہو تم زینت بی سے کہنا خبردار! کسی بھی قسم کی بے احتیاطی کی ضرورت نہیں، نہ ہی کہیں آنے جانے کی۔" وہ پیار بھری دھونس سے بولا۔
"بس کر دو، خاموش ہو جاؤ خدا کے لیے۔" اس نے چڑ کر ہاتھ جوڑے۔ "تم تو یوں خیال رکھ رہے ہو جیسے میں کسی بیماری میں مبتلا ہو گئی ہوں۔"
جمیل کو چندا کی بات اچھی نہیں لگی تاہم آہستہ سے بولا۔

"اچھا ٹھیک ہے' جو دل چاہے کرو... مگر اپنی طبیعت کا خاص خیال کرنا اور زینت بی!" وہ ان کی جانب بڑھا۔
"جی صاحب!" وہ مستعدی سے آگے بڑھیں۔
"چندا کی غذا' دودھ' پھل' دوائی ہر چیز کا بہت اچھی طرح دھیان رکھنا ہے۔" اس نے خصوصی تاکید کی۔
"جی صاحب! آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔"
سونو بھی یہ اطلاع پاکر مسرور سا پھر رہا تھا۔ وہ ایک بار چندا کے نزدیک بھی آنے کی کوشش کی مگر اس کی خونخوار نظروں سے ڈر کر پرے ہی رہا۔
"اچھا میں آفس جارہا ہوں' شام میں ملتے ہیں۔" وہ اس کا گال پیار سے تھپتھپا کر بولا اور وہ اس کے جانے ہی کی منتظر تھی۔ اٹھی اور آصف کو فون ملایا۔
"آصف... آصف۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔
"کیا ہوا بھئی۔ بتاؤ تو سہی۔" وہ گھبرا کر بولا۔
"وہ... میں پریگننٹ ہوں۔" اس نے گھٹی گھٹی آواز میں بتایا۔
"ارے یار! تو اس میں اتنی رونے دھونے والی کون سی بات ہے۔ تم آجاؤ پھر کچھ کرتے ہیں۔" وہ اس کا مدعا سمجھ گیا تھا۔
"ایسا ہو سکتا ہے؟" وہ رونا دھونا بھول گئی۔
"کیوں نہیں۔"
"پھر میں ابھی آرہی ہوں۔ تم تیار رہو۔" وہ بولی۔
"ٹھیک ہے۔"
پر جب وہ معمولی سے حلیے میں تیار ہوئے بنا گھر سے نکلنے لگی تب بے ساختہ زینت بی پوچھ بیٹھیں۔
"بی بی! آپ کہاں جارہی ہیں؟ صاحب نے آپ کو گھر سے نکلنے سے منع کیا ہے۔" وہ رکی اور مڑ کر برہمی سے بولی۔
"آج تو مجھے روک لیا ہے تم نے آئندہ ایسی حماقت کرنے کی کوشش بھی مت کرنا... میں کہیں بھی جارہی ہوں تم مجھے روکنے والی کون ہوتی ہو؟"
"میں تو صرف صاحب کی ہدایت پر عمل کر رہی تھی۔" انہوں نے صفائی پیش کی۔
"تم اس گھر میں سونو کے لیے لائی گئی ہو' اسی کی آیا گیری کرو۔ میری اماں بننے کی کوشش مت کرو۔ سمجھیں۔" اس نے زینت کو بری طرح جھاڑ کر رکھ دیا۔ زینت بی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔
اس کے جانے کے بعد ہی کونے میں کھڑا سونو آگے بڑھا۔
"زینت بی! آپ کیوں رو رہی ہیں... مما نے آپ کو ڈانٹا۔ وہ بہت گندی ہیں۔"
"کچھ نہیں بابو... آپ آؤ میں آپ کو چپس بنا کر دیتی ہوں۔" انہوں نے اپنے آنسو پونچھے اور اسے گود میں اٹھالیا۔

☼ ☼ ☼

حمزہ کافی عرصے بعد پاکستان آیا تھا۔ اسی لیے مہ پارہ کا خیال تھا کہ اسے لاہور جاکر اپنے دیگر ننھیالی رشتے داروں سے بھی ملاقات کرلینی چاہیے۔ اس نے ہامی بھرلی تاہم وہ بضد تھا کہ اجیہ بھی ساتھ ہی چلے مگر مہ پارہ جانتی تھیں کہ وقار اسے کسی صورت وہاں ملنے نہیں جانے دیں گے سو سہولت سے اسے انکار کردیا۔ اس کی پیکنگ ہوچکی تھی۔ بس کچھ دیر میں نکلنا تھا۔ وہ موقع پاکر اجیہ سے ملنے چلا آیا۔ وہ چپ چاپ لان کی چیئر پہ اداس سی بیٹھی ہوئی تھی۔
"میں جارہا ہوں... مگر تمہیں بتادوں' بہت جلد تمہیں بھی میرے ساتھ چلنا ہوگا۔" وہ اس کے نزدیک بیٹھ کر بولا۔ اس نے خالی خالی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔
"میرے جانے پر اداس ہو رہی ہو۔" وہ مسکرایا "ڈونٹ وری' جلد ہی تمہیں ہمیشہ کے لیے لے جانے کے لیے واپس آؤں گا۔ اگر میں تمہیں فون کیا کروں تو مجھ سے بات کروگی؟"
وہ خاموش رہی۔
"سویٹ..." اس نے متاسف انداز میں کہا۔ "تم اتنی خاموش کیوں ہو یار! کوئی بات کرو... پیار محبت کی

نہ سہی کوئی جنرلی (Generally) ہی"

"مجھے باتیں کرنی نہیں آتیں۔" وہ بے دلی سے بولی۔

"اسٹرینج، تم شاید دنیا کی پہلی لڑکی ہو جو یہ کہہ رہی ہے کہ اسے باتیں کرنی نہیں آتیں ورنہ میں نے تو ہمیشہ لڑکیوں کو بے تحاشا اور بے تکان بولتے دیکھا ہے۔"

اس نے پھر کچھ کہے بنا منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"یار... بہت بور ہو تم۔" اس نے منہ بنایا۔ "مجھے جولی اور وائبرنٹ لڑکیاں اچھی لگتی ہیں۔"

"مگر میں تو ایسی ہی ہوں۔"

وہ بے مزہ ہو کر اٹھ گیا پھر جاتے جاتے رکا اور اس کی طرف رخ کر کے بولا۔

"تم جیسی بھی ہو... مگر مجھے بہت اچھی لگنے لگی ہو اور ہاں میں لاہور سے دو تین دن میں آسٹریلیا چلا جاؤں گا اور جلد ہی تمہارے پیپرز ریڈی کرواؤں گا اور وہاں سے تمہیں فون بھی کروں گا' چاہے تم مجھ سے بات کرو یا نہ کرو۔" وہ دل جلانے والی مسکراہٹ اپنے لبوں پر سجا کر بولا۔ اجیہ نے بھنا کر اسے دیکھا۔ وہ مسکرا کر آگے بڑھ گیا تھا۔

زندگی کس رخ پہ چلنے والی تھی۔ نہ اجیہ جانتی تھی نہ جاننا چاہتی تھی۔ آغا کا فون بند ہو چکا تھا۔ اس کی ہر امید دم توڑ گئی تھی۔

وہ پسپا ہو چکی تھی۔ اور بے دم بھی۔

☼ ☼ ☼

"بابا... مما بہت گندی ہیں' وہ زینت بی کو ڈانٹ رہی تھیں آج اور وہ رو رہی تھیں... زینت بی روتی ہیں تو مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا۔" جمیل آفس سے متعلقہ فائلز میں سر کھپا رہا تھا تب ہی سونو اس کے پاس آکر آہستہ سے بولا۔ جمیل نے چونک کر سر اٹھایا۔

"آپ کو کہا ہے نا' مما کو ایسا نہیں کہتے۔ وہ زینت بی کو کسی غلطی پر ہی ڈانٹ رہی ہوں گی' جاؤ آپ جا کر سوؤ۔" اس نے ڈپٹا تو وہ ضدی لہجے میں پیر پٹخ کر بولا۔

"نہیں' پہلے آپ مما سے کہیں کہ انہیں مت ڈانٹا کریں اور ان بڑی بڑی ڈراؤنی مونچھوں اور لال آنکھوں والے انکل سے بھی فرینڈشپ ختم کر دیں۔"

"کون سے انکل؟" اس کے کان کھڑے ہوئے۔ فائلوں سے اس کی دلچسپی یکسر ختم ہو گئی۔

"وہی جن سے امی وہاں جا کر ملتی ہیں' وہ کل گھر بھی آئے تھے۔" اس نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹا کر جمیل کو پتھر کا بت بنا دیا۔

"کہیں ان کی ناخوشی کے پیچھے کوئی اور وجہ تو نہیں۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ انہیں اعتراض اور مسئلہ تمہاری ذات پر ہو۔"

"تمہیں چاہیے کہ وہ کہاں جاتی ہیں کس سے ملتی ہیں' کہاں وقت گزارتی ہیں ان کے متعلق معلومات رکھو۔"

"وہ اپنے فرینڈز کے ساتھ باتیں اور ڈانس ہی کرتی رہتی ہیں مجھے وہاں جا کر ڈر لگتا ہے بابا۔"

آوازیں تھیں کہ کان کے پردے پھاڑ کر دماغ میں گھسی چلی آرہی تھیں۔

"کیا ہو رہا تھا... کیا ہونے والا تھا... کیا ہوتا رہا تھا۔" اس نے کبھی اس پر زیادہ غور نہیں کیا تھا مگر اب...

"یہ میری ناک کے نیچے کون سا کھیل' کھیل رہی ہے' چندا۔" اس کے دماغ میں شک کی گرہ پڑ چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

صبح کا شام کرنا اگر زندگی گزارنا تھا تو وہ گزار رہی تھی۔ اسے گہری چاند چپ لگ گئی تھی۔ وقار اس سے بات کرنے کی کوشش کرتے بھی تو یا تو وہ اٹھ کر چلی جاتی یا جا نہیں پاتی تو نفرت سے منہ ضرور پھیر لیتی۔ وہ اپنی جگہ چور سے بن جاتے۔ سمجھ رہے تھے کہ وہ انہیں اپنی خوشیوں کا قاتل سمجھ رہی ہو گی مگر یہ ناگزیر تھا۔ ابھی وہ نادان ہے' ناسمجھ ہے۔ کچھ عرصہ بعد جب

وہ اس کے متعلق سوچے گی تو یقیناً" انہیں دعائیں دے گی۔
"اب اجیہ کالج نہیں جائے گی' اور اس کا سیل فون بھی تم لے لو اس سے۔" سائر نے سختی سے میرب سے کہا تو وقار صاحب نے حیرانی سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ لوگ اس وقت لان میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔
"مگر کیوں سائر؟" میرب نے اچنبھے سے پوچھا۔
"بس میں نے کہہ دیا اس لیے۔"
"مگر یہ تو جاہلانہ سوچ ہے۔" وقار ناپسندیدگی سے بولے۔
"جاہلانہ ہی سہی۔" وہ ہنوز اپنی بات پر ڈٹا ہوا تھا۔
"مگر جو میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل ہونا چاہیے۔"
"ابھی اس کا باپ زندہ ہے سائر!" وقار برہمی سے بولے۔ "اور اس کے متعلق فیصلہ کرنے کا اختیار بھی مجھے ہی ہے اور میں کہہ رہا ہوں کہ وہ کالج بھی جائے گی اور اس کا فون بھی اس کے پاس رہے گا۔ میری سمجھ میں یہ نہیں آرہا کہ تم اتنے تنگ نظر کب سے ہوگئے سائر۔" انہوں نے اسے گھورا۔ میرب بے چارگی سے کبھی سائر کبھی وقار کو دیکھ رہی تھی۔
"بات تنگ نظری کی نہیں احتیاط پسندی کی ہے۔ احتیاط کا تقاضا ہے کہ...."
"کس بات کی احتیاط؟" انہوں نے غصے سے اس کی بات کاٹ دی۔ "آخر سب کچھ بہ احسن و خوبی نمٹ ہی گیا نا۔"
"یہ آپ کو اس لیے لگ رہا ہے کیوں کہ آپ اس کی اصلیت سے تاحال ناواقف ہیں۔" وہ بھڑک اٹھا۔
"چھوڑیں نا! آپ لوگ کس بحث میں پڑ گئے۔" میرب جلدی سے بولی۔
"کیسی اصلیت؟ یہ کیسی بات کی تم نے؟" انہوں نے چشمے کی اوٹ سے گھورا۔ سائر جھنجلا گیا پھر جذباتیت میں کہہ گیا۔
"آپ کی صاحبزادی اپنے نکاح کی رات سب کو نیند کی دوائی پلا کر اس کمینے کے ساتھ گھر سے بھاگ رہی تھیں۔"
"سائر....!" وقار کا سارا خون سمٹ کر چہرے پر آگیا۔ انہیں سائر سے اتنی گری ہوئی بات کی توقع نہیں تھی۔ "بکواس بند کرو اپنی.... اب اس کو بخش بھی دو۔"

"میں نے اپنی آنکھوں سے اسے بھاگتے دیکھا تھا بابا اور آپ تصور نہیں کرسکتے' اس وقت مجھ پر کیا گزری تھی۔" اس کی آنکھیں لہو رنگ ہوگئیں۔
"یہ کیا کہہ رہا ہے۔" ان کی آواز لرزنے لگی۔ بے یقینی سے میرب کو دیکھنے لگے۔ تو اسے اپنی احمقانہ جذباتیت پر افسوس سا ہونے لگا۔ ان کی غیر حالت دیکھ کر میرب نے ایک شکایتی نگاہ اپنے شوہر نامدار پر ڈالی۔
"چھوڑیں آپ بابا.... بس اللہ کا شکر ہے کہ ہم لوگ کسی بھی بڑے نقصان سے بچ گئے۔"
"نقصان سے بچ گئے....؟ بھروسہ' مان' اعتماد سب کچھ ختم اور تم کہتی ہو کہ نقصان سے بچ گئے۔" ان کی آواز بھیگ گئی۔ "میں نے ہمیشہ اس کو پیار دیا' مان دیا اس پر بھروسہ کیا۔ اس کی ضدوں کو پورا کیا اور اس نے.... اس نے کیا کیا ہمارے ساتھ' اگر وہ کامیاب ہوجاتی تو؟" وہ کسی خوف زدہ بچے کی طرح سائر کی جانب دیکھنے لگے "میری تو عمر بھر کی ریاضت مٹی میں مل جاتی.... میں نے صرف اسے.... اسے بربادی سے بچانے کی خاطر کیا کیا برداشت کیا ہے۔ تم تو جانتے ہو نا۔" وہ شاید خود کلامی کررہے تھے۔
"بابا پلیز.... سائر بے اندازہ پشیمانی میں گھر گیا۔" میرا مقصد آپ کو ہرٹ کرنا ہرگز نہیں تھا۔ میں تو صرف آپ کو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ میں اس پر پابندیاں کیوں عائد کررہا ہوں۔"
"کاش تم نہ بتاتے۔" وہ رو رہے تھے "تو میں خود سے یوں شرمندہ نہ بیٹھا ہوتا۔" انہوں نے اپنا سر تھام لیا۔
"بابا پلیز.... وہ نادان ہے' جذباتی ہے ہم ہیں نا سمجھائیں گے' سنبھالیں گے اسے۔ ہوگئی اس سے غلطی مگر یہ آپ کے نیک اعمال ہی ہیں نا کہ وہ کسی ناقابل تلافی نقصان سے بچ گئی.... پھر آپ یہ سوچیے

کہ سب نیند کی دوا کے زیر اثر تھے' ایسے میں سائر کا بیدار ہو جانا معجزہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ یقیناً "اللہ اس پر مہربان ہے تب ہی وہ تباہی سے بچ گئی۔" کتنی صاف ستھری سوچ تھی میرب کی۔

"ہاں بیٹی... کہتی تو تم ٹھیک ہی ہو مگر یقین ہی نہیں آرہا کہ میری بیٹی' میری گڑیا ایسا کر سکتی ہے۔" وہ بولے گئے اور سائر ایک مرتبہ پھر اس کا دھیان اس نا معلوم نمبر سے آنے والی فون کال کی جانب چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

"وقت کافی گزر گیا ہے۔ اب کچھ کیا گیا تو تمہاری جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔" اور کچھ بھی سہی' چندا کو اپنی جان سے پیارا کچھ بھی نہیں تھا۔ مگر وہ یوں بلک بلک کر روئی گویا کسی کی مرگ ہو گئی ہو۔

آصف الگ اس سے چڑا بیٹھا تھا۔

"پہلے ہی کیوں نہ برتی احتیاط۔"

"مجھے کیا پتا تھا۔"

"اتنی معصوم تو ہو نہیں تم۔"

"بکواس بند کرو اپنی اور دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" وہ چیخ پڑی۔

"ہمیشہ یونہی ہوتا ہے میرے ساتھ۔" اس کے غم ہی الگ تھے۔

☆ ☆ ☆

"کہاں لے کر جاتے ہو بیگم صاحبہ کو۔" جمیل نے اپنے آفس میں رفیق کو بلا کر پوچھا۔

"گالف کلب... اکثر بلیو مون ہوٹل۔" اس نے ادب سے جواب دیا۔

"کبھی کسی کے گھر جاتی ہیں وہ؟" اس نے پوچھا۔

"جی ان کی سہیلی جہانگیر روڈ پر رہتی ہیں... ستارہ نام ہے ان کا' بیگم صاحبہ اکثر انہیں لے کر پارٹیوں میں جاتی ہیں۔ وہاں بڑے بڑے لوگ آتے ہیں اور فلم اسٹار بھی۔"

جمیل حیران ہوا پھر سرہلا کر پوچھنے لگا۔

"آج کل وہ اپنی سہیلی کے ساتھ آتی جاتی ہیں؟"

"نہیں... آج کل تو کوئی صاحب ہوتے ہیں ان کے ساتھ شاید ان کے کزن ہیں۔"

جمیل کو چندا کی جرات پر حیرانی ہوئی۔ کس قدر دیدہ دلیری سے وہ جمیل کے مہیا کردہ ڈرائیور اور گاڑی میں اس انجان شخص کو گھماتی پھر رہی تھی۔ کیا اسے جمیل سے خوف نہیں آتا یا پھر وہ ضرورت سے زیادہ پر اعتماد بہ الفاظ دیگر بے وقوف ہے؟

"کل کہاں گئے تھے وہ لوگ؟"

"سمن آباد کے کسی کلینک میں۔" جمیل کے ماتھے کی رگیں پھول گئیں' جبڑے بھنچ گئے۔

"یہ لو۔" وہ خود پر قابو پا کر کچھ نوٹ اسے دیتے ہوئے بولا' یہ بتانے کی ضرورت تو نہیں کہ تمہیں اس بات کو نہ صرف خفیہ رکھنا ہے بلکہ مزید انفارمیشن بھی فراہم کرنی ہیں۔"

"جی سر..." اس نے نوٹ تھام کر تابعداری سے کہا۔ "ایسا ہی ہو گا۔"

"اب تم جا سکتے ہو۔" وہ اٹھ کر باہر چل دیا۔

"اگر تم بے حیائی اور بے وفائی کی مرتکب ہو رہی ہو چندا... تو یاد رکھنا میں تمہیں ایسا سبق سکھاؤں گا کہ تم زندگی بھر یاد رکھو گی۔" اس کی آنکھوں سے دیوانگی جھلکنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

"سائر!" میرب نے آہستہ سے پکارا۔ وہ کسی کو فون ملانے میں مصروف تھا۔ یہ وہی نمبر تھا جو اس رات اسے جگا گیا تھا مگر اب یہ نمبر مسلسل بند جا رہا تھا۔

"سائر..." وہ اب کی بار زور سے بولی تو وہ چونکا۔

"ہوں' کہو کیا ہوا؟" اس نے فون بے دلی سے سائڈ ٹیبل پر ڈال دیا۔

"کل ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔ منتھلی وزٹ کے لیے۔" اس نے یاد دلایا۔

"اچھا!" سائر اپنا ماتھا سہلاتے ہوئے بولا۔

ایک کام نمٹ گیا تھا۔ دوسرا باقی تھا۔ وہ کیسے بھول سکتا ہے۔

اسے سب یاد تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ بہت مضمحل تھی۔ کبھی گھنٹوں گم صم بیٹھی رہتی کبھی بے وجہ رونا شروع کردیتی۔ کبھی پاگلوں کی طرح آغا کا نمبر ملاتی تو ملاتی چلی جاتی۔ اس کا دل ویران' آنکھیں بنجر اور سوچیں مفلوج ہوچکی تھیں۔ میرب بہلانے کی کوشش کرتی تو وہ بڑے جارحانہ انداز میں اسے دیکھا کرتی۔ ابھی بھی وہ بیڈ پر چیت لیٹی چھت پر گھومتے پنکھے کو مسلسل دیکھ رہی تھی تب ہی اس کا فون بجا۔ دوبارہ بجا' سہ بارہ اس نے نہایت کوفت زدہ انداز میں فون ریسیو کیا۔ گل تھی۔

"میری بچی!"

"امی!" اس کی ساری کوفت پل بھر میں ہوا ہوئی تھی "امی... مجھے آپ کے پاس آنا ہے۔" وہ بے قراری سے رو پڑی۔

"ہو کہاں تم؟" اس نے ٹوہ لینے والے انداز میں پوچھا۔

"امی... ان لوگوں نے میرا نکاح کردیا حمزہ سے۔"

"کون حمزہ؟" گل دھک سے رہ گئی۔

"مہپارہ خالہ کا بیٹا۔"

"مگر تم تو آغا کے ساتھ بھاگ رہی تھیں پھر یہ اچانک' ایسے کیسے؟" اسے تو یہ نئی افتاد ہضم ہی نہیں ہو رہی تھی۔

"ہاں... میں جا ہی رہی تھی کہ سائرہ بھائی اٹھ گئے... نجانے کیوں ان پر نیند کی دوائی کا زیادہ اثر نہیں ہوا (شاید اس لیے نہیں ہوا کیونکہ وہ اکثر سلیپنگ پلز لینے کا عادی تھا اور پھر غیر معمولی اعصاب کا مالک بھی) انہوں نے مجھے پکڑ لیا امی..."

"تو تم نے نکاح کیوں کرلیا' اس کے بیٹے کے سامنے سب سچ کہہ دیتیں۔" گل نے اس کی عقل پر ماتم کیا۔

"موقع ہی نہیں ملا اور پھر آغا کا فون بھی تو مسلسل بند جارہا ہے۔ کیا کروں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" وہ بے بسی سے سر پر ہاتھ رکھ کر رونے لگی۔

"دیکھو... دھیرج سے کام لو' پہلے یہ رونا دھونا بالکل بند کرو۔" وہ بولی۔ "اور گھر میں بالکل نارمل بی ہیو کرو ورنہ یہ لوگ تمہارا باہر آنا جانا' فون کرنا سننا' سب بند کروادیں گے۔" وہ شاطرانہ انداز سے آنکھیں گھما کر بولی' اور یہ تو اجیہ نے سوچا ہی نہیں تھا۔

"ہاں ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ... اس طرح تو میں آپ سے بھی نہیں مل سکوں گی۔"

"ہاں۔ بس اب تم یہاں آجاؤ مجھ سے ملنے' پھر دیکھتے ہیں کہ اب کیا کرنا ہے۔"

"ہم نے پہلے بھی کیا کرلیا امی۔" وہ پھر بلکنے لگی۔ گل چڑ کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

"بات سمجھنے کی کوشش کرو چندا... فلم بنانے کا پلان موخر کیا جاسکتا ہے تمہاری حالت کی وجہ سے' سمجھو ہمیں ڈیڑھ سال مزید انتظار کرنا ہوگا۔ دراصل ڈر اس بات کا ہے کہ اگر کہیں تمہارے شوہر کو کچھ بھنک بھی پڑ گئی تا ہمارے ارادوں کی تو کہیں ہمارا سارا پلان ملیامیٹ نہ ہو جائے۔" وہ ازحد فکرمندی سے بولا۔

"تم کیوں مجھے بیزار کر رہے ہو؟" وہ سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتی ہوئی بولی' وہ شدید ڈپریشن میں آ کر سگریٹ نوشی کرنے لگی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ مجھے اعتراف ہے کہ میرا شوہر دنیا کا بے وقوف ترین مرد ہے جو میری معصومیت پر آنکھ بند کرکے یقین کرتا ہے۔ اگر اسے مجھ پر شک کرنا ہوتا تو وہ پہلے ہی نہیں کرلیتا... میں کہاں جاتی ہوں؟ کس سے ملتی ہوں؟ کیا پہنتی ہوں؟ وہ ان سب باتوں کو ایشو نہیں بناتا ہاں..." اس نے منہ بنایا "میں کیا کھاتی ہوں' کیا پیتی ہوں' اس کی اسے ہمیشہ فکر رہتی ہے۔"

"تم بات سمجھ نہیں رہی ہو چندا!" ایک پل میں انسان کو اس کی قسمت عرش سے فرش پر پھینک دیتی ہے۔"

"تو کیا چاہتے ہو تم؟"

"یہی کہ تم جلد از جلد وہ گھر بیچ کر وہ رقم کہیں محفوظ کروا دو اور جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے میرا مطلب ہے زیورات' بچت وہ سب بھی اپنے قبضے میں لے لو۔ تم نے اسے تو چھوڑنا ہی ہے نا تو آج چھوڑ دیا کل اس بات سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہاں پھر ہم یہ بچہ پیدا ہونے کا انتظار کریں گے۔" اس کا پلان مکمل تھا۔

"کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو۔" اس نے ایک گہرا کش لیا۔

"چلو دیکھتی ہوں۔ ایسا کرتے ہیں کل پراپرٹی ڈیلر کے پاس چلتے ہیں تاکہ جلد از جلد یہ معاملہ نمٹ سکے۔" وہ سوچتی ہوئی بولی۔

"ہاں .... یہ ٹھیک ہے۔" وہ اب مطمئن ہوا تھا۔ اگر وہ جان جاتے کوئی اور بھی ہے۔ جو ان کی گفتگو سن رہا ہے تو ہرگز بھی مطمئن نہ رہتے۔

☼ ☼ ☼

اجیہ اب اپنا سوگ بھلا کر کمرے سے باہر بھی نکلنے لگی تھی اور میرب کے ساتھ مختلف کاموں میں ہاتھ بھی بٹانے لگی تھی لیکن یہ اور بات کہ سائر' جہاں وہ موجود ہوتی وہاں سے اٹھ کر چلا جاتا مگر وہاں پروا کسے تھی۔ وقار البتہ اس میں آئی بہتری دیکھ کر کچھ اطمینان محسوس کر رہے تھے۔ مہ پارہ بھی وقتاً "فوقتاً" اسے فون کر رہی تھیں۔ وہ ان سے تو بات کر ہی لیتی تھی مگر حمزہ سے نہیں۔ اس کے دل میں اب کسی اور کی گنجائش نکلنی مشکل تھی۔

حمزہ اپنی والدہ کے سامنے سراپا احتجاج بنا ہوا تھا۔ مگر انہوں نے کسی نہ کسی طرح اسے سمجھا بجھا ہی لیا تھا۔ آج اس کا فون آیا تو وہ بولیں۔

"اجیہ بیٹا! حمزہ کو خدا حافظ نہیں کہو گی۔ آج رات اس کی فلائٹ ہے' وہ آسٹریلیا جا رہا ہے واپس۔" کہہ کر انہوں نے فون اسے تھما دیا۔

"واہ .... کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا مس' اوہ سوری مسز اجیہ ...."

"کیسے ہیں آپ؟" وہ لٹھ مار لہجے میں بولی۔

"ایسے پوچھ رہی ہو جیسے مس سمانتھا مجھ سے ٹیبل پوچھتی تھیں۔"

"تو بہتر ہے کہ فون بند کر دو۔" وہ تیز ہو کر بولی۔

"ارے نہیں یار" وہ بے ساختہ بول اٹھا۔" اچھا ٹھیک ہے تمہارا زیادہ وقت نہیں لوں گا" اب وہ سنجیدگی سے بولا "تم میری شریک زندگی ہو' مجھے بہت عزیز ہو۔ اپنا بہت خیال رکھنا۔" وہ بہت نرم گرم سے جذبوں میں گھرا کہہ رہا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے .... خدا حافظ۔" اجیہ کا تنفس تیز ہو گیا۔ اسے بری طرح سے آغا یاد آنے لگا تھا۔

دوسری طرف وہ ہکا بکا ریسیور تھامے کھڑا تھا۔

"کیا ہوا؟" مہ پارہ نے اس کا ہونق چہرہ دیکھ کر پوچھا تو وہ قدرے غصے سے بولا۔

"مما .... یہ کچھ عجیب طرح بی ہیو نہیں کر رہی۔؟"

"ارے نہیں بیٹا۔" انہوں نے بات سنبھالنی چاہی۔ "یہاں لڑکیاں شادی سے پہلے ایسے ہی شرماتی ہیں۔"

"اچھا ....." اس نے ریسیور رکھ کر اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرا۔ "آپ کہتی ہیں تو مان لیتا ہوں۔"

"میرا پیارا بیٹا۔" انہوں نے اس کا ماتھا چوما۔ انہیں پہلی بار اجیہ پر صحیح معنوں میں غصہ آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

رفیق اپنے بھیجے گئے آدمی کی فراہم کردہ تمام تر معلومات من و عن جمیل کو فراہم کر کے اب اس کے اگلے حکم کا منتظر تھا۔ جمیل اس کے بولنے کے دوران مسلسل اپنے ہاتھ سے پیپر ویٹ گھما رہا تھا۔

"ٹھیک ہے اب تم جاؤ .... ضرورت ہوئی تو بلوا لوں گا۔" اس نے کہا تو وہ "جی صاحب" کہہ کر باہر نکلتا چلا گیا۔

"ذلیل عورت .....! وہ سرتاپا دھڑا دھڑ جلنے لگا' میرے اعتماد' میری محبت کا ناجائز فائدہ اٹھاتی رہی۔

میری عزت کو ہوٹلوں میں روندتی رہی اور میں.... وہ خود پر عجیب طرح سے ہنسا "مجھ جیسا بے وقوف روئے زمین پر ہوگا بھلا!! مجھے اس کی بے پروائی کا' بے حیائی کا احساس تک نہ ہوا۔ میں یونہی بے دریغ اس پر اپنی محبت اپنی وفا اور اپنی خون پسینے سے کمائی گئی دولت لٹاتا رہا.... تم جانتی نہیں ہو چندا کیا کیا ہے تم نے.... تم نے میرے اندر کے حیوان کو جگا دیا ہے.... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" اس نے پوری قوت سے پیپر ویٹ اٹھا کر سامنے کی دیوار پر دے مارا' پیپر ویٹ دیوار سے ٹکرا کر صوفے کے ساتھ رکھی ٹیبل پر آ گرا۔ ایک چھناکے سے ٹیبل کا شیشہ چکنا چور ہوا تھا بالکل اس کے وجود کی طرح....

"ارے.... بھائی! کیا ہوا؟" اندر آتا ہوا ہمدانی بے طرح بوکھلا گیا۔

"تم نے بھی چندا کو کسی غیر مرد کے ساتھ دیکھا تھا؟" وہ اس وقت دیوانہ محسوس ہو رہا تھا۔ ہمدانی گڑبڑا گیا۔

"وہ.... ہاں.... نہیں تو۔"

"تم دیکھ لینا' میں آج اسے قتل کر دوں گا۔" وہ انگلی اٹھا کر بولا۔

"رکو' ٹھہرو۔ بتا تو چلے آخر ہوا کیا ہے۔" اسے گھبراہٹ ہونے لگی کہ جمیل کے تیور بڑے ہی جارحانہ تھے۔

"میری بیوی.... جسے میں دیوانوں کی طرح چاہتا رہا' بچوں کی طرح اس کی فرمائشیں پوری کرتا رہا۔ گھر لیا تو اس کے نام پر' اسے سونے میں پیلا کر دیا اور جواباً" اس نے مجھے کیا دیا۔ اتنا بڑا دھوکا؟ نہیں ہمدانی! میں اسے اتنی آسانی سے معاف نہیں کروں گا۔"

"پاگل مت بنو یار.... ان کی حالت دیکھو' وہ تمہارے بچے کی ماں بننے والی ہیں۔" وہ اسے کول ڈاؤن کرنے کے لیے بولا مگر وہ مزید بھڑک اٹھا۔

"میں کیسے مان لوں کہ وہ میری اولاد پیدا کر رہی ہے۔ میں ان دونوں کو ختم کر دوں گا۔" ہمدانی اس کی کیفیت سمجھ رہا تھا۔ کیسے نہ سمجھتا آخر خود بھی ایک مرد ہی تھا۔ "اور اگر وہ اولاد تمہاری ہی ہوئی تو.... کیا اپنی اولاد کو مار دو گے؟"

"تو پھر کیا کروں میں؟" وہ اونچا پورا مرد بلک بلک کر رو دیا۔ ہمدانی تاسف سے اسے دیکھے گیا۔

"کیوں.... کیوں؟ آخر کیوں کیا اس نے میرے ساتھ ایسا؟ میرا کیا قصور تھا؟ میں نے تو آج تک کسی لڑکی کو غلط نگاہ سے بھی نہیں دیکھا تو میری بیوی ہی کیوں بے وفا نکلی۔" ہمدانی نے جگ سے اسے پانی نکال کر دیا۔

"دنیا میں کچھ بھی ناممکن نہیں۔" وہ ٹھنڈی مگر دکھ آمیز سانس لے کر بولا "مگر تم اس انتہا پر جا کر مت سوچو۔"

"کیسے نہ سوچوں۔" وہ تیز ہوا۔ "اس نے حیا' وفا اور محبت کی دھجیاں تو بکھیری ہی ہیں اب وہ میری کمائی دولت بھی اجاڑنا چاہتی ہے۔"

"اچھا تو یہ بات ہے۔ جو کچھ تم نے اسے دیا ہے فوراً" سے پیشتر واپس لے لو اور ابھی فی الحال ڈلیوری تک اسے گھر میں رہنے دو۔"

"میں ایک سیکنڈ کے لیے بھی مزید اس کا وجود برداشت نہیں کر سکتا اپنے گھر میں۔" اس نے قطعیت سے کہا تو ہمدانی مسکرا دیا۔ پھر پراسرار انداز سے بولا۔

"جو گیم اس نے تم سے کھیلا ہے تم بھی وہی کھیلو۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ...." وہ اسے کچھ سمجھانے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

میرب کا چیک اپ ہو چکا تھا۔ وہ اور بے بی دونوں ٹھیک تھے۔ ڈاکٹر نے چند ہدایات کے ساتھ اسے دوائیوں کا نسخہ پکڑا دیا۔ وہ اک الوہی مسکراہٹ لبوں پر سجائے ڈاکٹر کے روم سے ویٹنگ ایریا میں آئی جہاں ساحر کچھ سنجیدہ سا بیٹھا ہوا تھا۔

"چلیں.... یہ دوائیاں لیتی ہیں۔" اس نے پرچہ

اسے تھمایا۔ وہ ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگا۔
"سب ٹھیک ہے۔" اس نے سرسری سا پوچھا۔
"ہاں.... الحمدللہ۔" اس نے خوشی و شرم کی ملی جلی سی کیفیت کے زیر اثر بتایا۔
"تم باہر گاڑی کے پاس چلو۔ میں یہ دوائیاں لے کر آتا ہوں۔" وہ بولا تو وہ سر ہلا کر آگے بڑھ گئی۔ جوں ہی وہ اپنی کار کے نزدیک پہنچی 'سیدھے ہاتھ کی جانب سے نجانے وہ کون تھا جو بے حد بے ڈھنگے طریقے سے بائیک لہراتا آیا تھا۔ بس لمحوں کا کھیل تھا۔ وہ بائیک میرب کو بڑی زور سے ٹکر مار دیتی مگر نجانے کہاں سے ان دونوں کے مابین ایک بوڑھی سی خاتون آگئیں۔ وہ خاتون میرب سے بری طرح ٹکرا گئیں۔ میرب کے حواس مختل ہو گئے۔ وہ بے یقینی سے آنکھیں پھاڑے کبھی جاتی بائیک کو اور روڈ پر گری خون میں لت پت بڑی بی کو دیکھتی جو اگر اس کے اور بائیک کے بیچ میں نہ آتیں تو ان کی جگہ اسے ہونا تھا۔
آن واحد میں وہاں مجمع اکٹھا ہو گیا۔ لوگ بائیک والے کو برا بھلا کہتے ہوئے بڑی بی کو اٹھا کر اسپتال لے گئے۔ میرب جو نجانے کیسے اب تک اپنے پیروں پہ کھڑی تھی 'قریب آتے سائر کو دیکھ کر اس کی بانہوں میں جھول گئی۔

☼ ☼ ☼

"بس بیٹا! سمجھو' خدا نے بچالیا.... اپنا صدقہ دو' خیرات کرو اور سجدہ شکر بجالاؤ کہ اس مہربان رب نے اپنا کرم کیا۔" سعدیہ بیگم' سہمی ہوئی میرب' کے بال سہلاتی ہوئی بولیں۔ وہ اس حادثے کی اطلاع پا کر ماریہ کے ساتھ اسے دیکھنے چلی آئی تھیں۔ ماریہ مسلسل اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔
"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ.... میں نے تو جب سنا' میرا تو دل ہی خراب ہو گیا۔" وقار بولے۔
"چلو اٹھو.... اب یہ جوس پیو۔" ماریہ فریج سے جوس کا پیکٹ نکال لائی۔
"اک پل کو تو لگا جیسے سب کچھ ختم ہو گیا ہو۔" میرب بولی۔
"بس اب زیادہ اس بات کو اپنے ذہن پر سوار مت کرو۔ شاباش' جوس پیو اور نماز باقاعدگی سے پڑھو۔ قرآنی آیات کا ورد بھی کرتی رہا کرو۔" دوسری طرف لان میں سائر کسی سے فون پر محو گفتگو تھا۔
"اندھے ہو گئے تھے۔ ایک ذرا سا کام کہا تھا تم سے وہ بھی ڈھنگ سے نہ ہوا۔"
دوسری طرف سے نجانے کیا کہا گیا۔ وہ تپ کر بولا "مرد تم۔" اور فون کاٹ دیا۔ سگریٹ سلگائی اور لمبے لمبے کش لگا کر خود کو نارمل کرنے کی سعی کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

جمیل نے چندا کو فون کر کے شام میں تیار رہنے کو کہا تھا۔ وہ بے دلی سے ہی سہی مگر اچھی طرح تیار ہو گئی تھی۔ وہ آکر خود بھی تیار ہوا پھر اسے لے کر شہر کے ایک بہت بڑے ریستوران میں چلا آیا۔
"ہم یہاں کیوں آئے ہیں؟" وہ اس کے ہم قدم لابی میں چلتے ہوئے بولی۔
"ابھی پتا چل جائے گا فکر کیوں کرتی ہو۔" پھر وہ دونوں پہلے سے ریزروڈ ٹیبل پر آکر بیٹھ گئے۔ بڑا خواب ناک سا ماحول تھا۔ مدھم لائٹس' دھیمے سروں میں بجتا بیک گراؤنڈ میوزک.... اے سی کی ٹھنڈی ہوائیں' دلکش چہرے' سرسراتے لباس اور مسحور کن خوشبو میں۔ چندا بہت محظوظ ہو رہی تھی۔
"آرڈر کرو...." جمیل اپنے ساتھ لائی ہوئی فائل ٹیبل پر رکھتا ہوا بولا۔ چندا مینو کارڈ اٹھا کر دیکھنے لگی۔ جمیل اسے بغور دیکھ رہا تھا۔
کتنی دلکش اور حسین تھی وہ....
مگر اس کے دل میں کتنی غلاظت بھری تھی۔
عورت اگر معمولی شکل و صورت کی ہو اور باوفا ہو تو اس کے گرد ہمیشہ نور کا حصار دکھائی دیتا ہے اور خوب صورت بے وفا عورت یقیناً" اس کے گرد انگارے دہک رہے ہوتے ہیں مگر وہ بے خبر ہوتی ہے اور اس وقت تک بے خبر رہتی ہے تاوقتیکہ جھلس کر خاکستر نہ

ہو جائے۔
"جی سر۔" ویٹر آیا تو اس کی سوچوں کا ارتکاز ٹوٹا۔
"ہاں لکھو۔۔۔" چندا آرڈر لکھوانے لگی۔
"میں ابھی تک تمہاری اس مہربانی کا مطلب نہیں سمجھی۔" اس نے ویٹر کے جانے کے بعد کہا۔
"ابھی سمجھائے دیتا ہوں۔" وہ دل ہی دل میں بہت پریشان تھا۔ اب جو وہ کرنے جا رہا تھا اس کی وجہ سے مگر اس نے ظاہر نہیں ہونے دیا۔
"یہ لو۔" اس نے اک نازک سا زرقون جڑا سونے کا بریسلیٹ خوب صورت کیس کھول کر اس کے سامنے کیا۔
"یہ کیا ہے۔؟" اس نے خوشی سے چہک کر پوچھا۔
"تم نے مجھے اتنی بڑی خوش خبری سنائی ہے تو کیا میرا کچھ فرض نہیں بنتا۔" وہ ضبط کر کے بظاہر مسکراتے ہوئے بولا۔
"اوہ اچھا۔" وہ جیسے سمجھ کر مسکرائی "تو یہ سب جناب اپنی اولاد کی خوشی میں کر رہے ہیں۔ اچھا تو خود ہی پہنا دیجیے نا۔" اس نے کلائی آگے کی۔
جمیل نے لاک کھول کر بریسلٹ اس کی سڈول کلائی میں ڈال دیا۔ چندا اپنے ہاتھ کو دیکھنے لگی جس کی خوب صورتی دوچند ہو چکی تھی۔
"اور ہاں۔۔۔ یہ۔" اس نے ساتھ لائی فائل کھول کر اپنے ہاتھ میں پکڑے پکڑے کوئی صفحہ کھول کر اس کے سامنے کیا۔
"یہاں سائن کرو۔" جمیل کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔
"یہ کیا ہے؟" وہ بریسلٹ سے نگاہ ہٹا کر پوچھنے لگی۔
"کرو تو۔۔۔ بتاتا ہوں۔" اس نے اپنا لہجہ حتی المقدور نارمل رکھا۔ پین بھی اسی نے دیا۔ اس نے دستخط کر دیے۔ زیادہ دھیان نہ دیا۔
جمیل کی جان میں جان آئی۔
"نیا کام شروع کر رہا ہوں۔ انکم ٹیکس کے مسائل کی وجہ سے تمہیں پارٹنر بنایا ہے تم ففٹی پرسینٹ کی مالک ہو گی۔ اس لیے کاغذات پر تمہارے دستخط درکار تھے۔"
"ارے واہ۔" اتنی زیادہ عنایات اس سے سنبھالی نہیں جا رہی تھیں۔ "تم تو واقعی مجھ سے محبت کرتے ہو۔"
"کرتا تو رہا مگر تم ہی نے قدر نہ کی۔" وہ ذو معنی لہجے میں بولا۔
"خیر چھوڑو۔۔۔ یہ بتاؤ کہ کیا کاروبار ہے' میرا مطلب کہ کیا کاروبار ہے۔" وہ دلچسپی سے پوچھنے لگی۔
"جمیل بولا۔ چھوڑو تم تفصیلات میں جا کر کیا کرو گی۔ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ لو کھانا آ گیا ہے۔ کھانا کھاؤ۔" اس نے ویٹر کو کھانا سرو کرتے دیکھ کر کہا۔
تو چندا نے زیادہ بحث نہ کی۔ کھانے کی جانب متوجہ ہو گئی۔
جمیل کے لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ سجی تھی۔
ہدہد کی آنکھوں پر تقدیر کا پردہ پڑ چکا تھا۔

☼ ☼ ☼
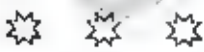
کافی بحث و تمحیص کے بعد سارم تو قائل نہ ہوا البتہ وقار صاحب نے اجیہ کو دوبارہ کالج جانے کی اجازت دے دی۔ میرب سے اجیہ نے بار بار التجا کی تھی کہ اسے کالج جانے دیا جائے اس کی پڑھائی کا حرج ہو رہا ہے پھر ٹیسٹ بھی ہونے والے تھے۔ الغرض اسے اجازت مل گئی وہ پھر سے کالج جانے لگی۔
میرب کی طبیعت آج کل ٹھیک نہ رہتی تھی' وہ اکثر و بیشتر اپنے کمرے ہی میں رہتی۔ اس کے والد کا فون آتا رہتا تھا۔ عاشر کو اجیہ کے نکاح کی خبر ہوئی تو وہ ایک دم خاموش ہو گیا پھر بولا۔
"چلو۔۔۔ جہاں رہے خوش رہے۔" میرب اس کی افسردگی پر افسوس کرتی رہی۔ وقار صاحب کی مصروفیت وہی کتابیں اور ان کے چند احباب تھے۔ زندگی بہ ظاہر پرسکون تھی۔
مگر کب تک؟ یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں جانتی تھی... وہ ظالم بے حس انسان تیرا بھی وہی حال کرے گا جو اس نے میرا کیا۔" گل گلوگیر آواز میں بولی۔ اجیہ اس کے گلے لگ کر ڈھیر سارا رونے کے بعد اب پرسکون تھی۔

"میرا تو دل اجڑ گیا نا۔" وہ یاسیت سے بولی۔ "میں نے کر ہی کیا لیا۔"

"اور وہ لڑکا..." گل استہزائیہ انداز میں بولی۔ "تمہیں مشکل میں پھنسا کر خود کہاں بھاگ گیا؟"

"ای..." اجیہ نے تڑپ کر اسے دیکھا۔ "وہ بھاگا نہیں... وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا۔" وہ اب بھی پر یقین تھی۔

"تو پھر اس نے تم سے اب تک دوبارہ رابطہ کیوں نہیں کیا... مان لو اجیہ! یہ مرد نامی مخلوق صرف سکھ کی ساتھی ہوا کرتی ہے۔" وہ مدبرانہ سنجیدگی سے بولی۔

"مگر اس سب میں وہ کہاں سے قصوروار ہو گیا؟" اس نے سلگتے ہوئے کہا۔ "اسے تو باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت میری زندگی سے نوچ کر پھینکا گیا ہے۔"

"تمہاری یہ بات بھی ٹھیک لگتی ہے۔" گل نے پینترا بدلا۔ "اگر وہ تم سے مخلص نہ ہوتا تو اپنے ماں باپ کو تمہارے گھر بھیجتا ہی کیوں؟"

"یہی تو۔" وہ پرجوش ہو گئی۔ "وہ بے وفا نہیں۔ اس نے جو کہا وہ کیا بھی مجھ سے دھوکا دہی تو میرے اپنے باپ اور بھائی نے کی ہے۔ مجھے آسرے میں رکھا اور بالا ہی بالا میرا رشتہ اس اسٹوپڈ سے طے کر دیا۔"

"رشتہ صرف طے ہی نہیں کیا بلکہ پکا کام کیا ہے، نکاح ہوا ہے تمہارا۔ مضبوط بندھن باندھا ہے کہ تم کچھ کر ہی نہ سکو۔" وہ بھڑکانے والے لہجے میں بولی۔

"یہ ان کی بھول ہے۔" وہ بھڑک بھی گئی۔ "میں اگر اس وقت حالات سے مجبور ہو گئی تھی تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں ہار مان چکی ہوں۔"

"ہاں وہ تو یہی سمجھ رہے ہوں گے نا کہ وہ جیت گئے۔" وہ جی ہی جی میں خوش ہوئی۔

"یہ ان کی بھول ہے۔" وہ تلملا کر بولی۔

"مگر سوال تو یہ ہے نا کہ تم کرو گی بھی کیا، وہ لڑکا تو نہ تم سے رابطہ کر رہا ہے نہ تمہارا رابطہ ہو پا رہا ہے... ہاں اس کی بہن تمہاری دوست ہے نا؟ اسے فون کرو۔"

"کیا تھا۔" وہ اداسی سے بولی۔ "وہ بھی مجھ سے سخت ناراض تھی اور اس نے بتایا ہے کہ سائرنے (اس نے بھائی حذف کر دیا جان بوجھ کر) اس کے والدین کو مختلف لوگوں سے دھمکیاں دلوائیں، آغا کو ڈرایا، دھمکایا... وہ اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا ہے، وہ ایک لڑکی کی خاطر اس کی جان جوکھم میں نہیں ڈال سکتے اسی لیے اسے بمشکل تمام واپس بھجوا دیا۔" اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

"دیکھا..." گل مزید جوش و خروش سے بولی۔ "تمہیں برباد کر دیا ان لوگوں نے۔"

"جیسے انہوں نے میرا دل برباد کیا ہے میں قسم کھاتی ہوں... میں انہیں ویسے ہی تباہ کر کے دم لوں گی۔" اس نے سختی سے آنسو پونچھ کر خوفناک لہجے میں کہا اور گل خوشی سے سرشار ہو گئی کہ وہ اسی انتہا پر تو اسے دیکھنا چاہتی تھی۔

وہ اک ماہر کھلاڑی تھی... جو اپنے لیے بروقت کھول کر بساط الٹنا جانتی تھی... اور اب وہ وقت آگیا تھا کہ اسے کھیل کا پانسہ پلٹنے کے لیے آخری چال چلنی تھی۔

"حساب تو تمہارے باپ کی طرف میرے بھی بڑے نکلتے ہیں۔" وہ چبھتے انداز میں بولی۔ اجیہ نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"اب یہ میں تمہیں بتاؤں گی کہ تمہیں کیا کرنا ہے! کیا تم تیار ہو؟" گل نے جانچتے لہجے میں اس سے پوچھا۔

"ہاں..." وہ پختہ لہجے میں سختی سے بولی۔
گل بھید بھری مسکراہٹ سے اسے دیکھنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"کب لے رہی ہو پھر طلاق؟" آصف نے بے

بے چینی سے پوچھا۔ وہ اس وقت چندا کے ڈرائنگ روم میں بیٹھا ہوا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ نوکرانی کام ختم کرکے جا چکی تھی۔ زینت بی اپنے کسی عزیز کی فوتگی میں گئی ہوئی تھیں۔ سونو اسکول سے آکر سو رہا تھا۔

"دیکھو!" چندا متانت سے بولی۔ "ابھی فی الحال ایسا ممکن نہیں ہے آصف! اس نے ابھی میرے نام پر کاروبار شروع کیا ہے... اس گھر میں مجھے ہر طرح کا آرام ہے۔ میں ابھی ان سب کو چھوڑ نہیں سکتی۔"

"کیا کہا؟" آصف کا دماغ پھر گیا "پاگل ہو گئی ہو تم۔ اگر اس اثناء میں تمہارے شوہر کو تمہارے کرتوتوں کا پتا چل گیا تب پھر... پھر کیا حیثیت ہوگی تمہاری اس گھر اور اس کی زندگی میں، کبھی سوچا ہے اس کے متعلق۔"

"میرے کرتوت۔" وہ دانت پیس کر بولی۔ "کیا ہیں میرے کرتوت؟ ہاں ذرا بولو، بتاؤ؟" اس کے الفاظ پر وہ بھنا گئی تھی۔

"دیکھو... دیکھو۔" اسے اب اپنے الفاظ کی سنگینی کا احساس ہوا۔ "میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر ہے انسان کو احتیاط پیش نظر رکھنی چاہیے اور احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ تم فوراً" اس سے علیحدہ ہو جاؤ۔"

"علیحدہ ہو کر کہاں جاؤں؟ تمہارے کرائے کے فلیٹ میں؟ ہوش کے ناخن لو آصف، کیوں اپنی اور میری آسائشات کے دشمن بنے ہوئے ہو۔ اگر بالفرض میں اس سے طلاق لے بھی لوں تب کیا ہوگا؟" اس نے طنزیہ پوچھا۔

"بے وقوف لڑکی!" اس نے بہ طور خاص لڑکی کا لفظ استعمال کیا "یہ گھر تمہارے نام پر ہے۔ یہاں سے جانا تمہیں نہیں اسے پڑے گا۔ تمہاری ڈلیوری میں بس اب تھوڑا ہی وقت تو رہ گیا ہے۔ اس کے بعد ہم فوراً" ہی اسے بیچ کر اپنا کام شروع کر دیں گے۔"

"کہہ تو تم ٹھیک رہے ہو" وہ پرسوچ لہجے میں بولی۔ "لیکن میں ڈرتی ہوں اگر میرے اس مطالبے نے کوئی گڑبڑ پیدا کر دی تو؟"

"کیوں گھبرا رہی ہو جان!" آصف اس کے نزدیک ہوا "میں ہوں نا تمہارے ساتھ اور پھر تمہیں آج نہیں تو کل بھی کرنا پڑے گا تو آج کیوں نہیں۔" اس نے چندا کو بانہوں میں بھر لیا (غالباً" تحفظ کا احساس دلانے کے لیے) چندا نے مزاحمت نہیں کی۔

اسی وقت کوئی چیز تھی جو بڑی زور سے آکر آصف کے سر میں لگی۔ وہ بے ساختہ چندا کو چھوڑ کر اپنا سر سہلانے لگا۔ یہ ٹینس بال تھی جو ان دونوں کو کافی دیر سے دروازے کی اوٹ سے دیکھتے سونو نے کھینچ ماری تھی۔ ایک دم ہی وہ چندا کی نظروں میں آیا تھا۔ وہ بھر کے اس کی جانب بڑھی۔

"ادھر آ..." وہ اتنا خائف ہوا کہ بھاگ بھی نہ سکا۔

"بدتمیز... کمینے، کیوں ماری تو نے بال؟" اس نے سونو کے نرم نرم گال تھپڑوں سے سرخ کر دیے۔ کچھ یہ خوف بھی تھا کہ نہ جانے اس نے کیا سن اور دیکھ لیا ہو اور وہ کہیں جمیل کو نہ بتا دے۔ آج سے قبل چندا کو ایسا کوئی خوف دامن گیر نہ ہوا تھا۔

"مما! پلیز مجھے مت ماریں۔" وہ روتے ہوئے بولا۔

"جانے دو یار... کیوں مار رہی ہو اسے۔" دل تو آصف کا بھی یہی چاہ رہا تھا مگر وہ یونہی بولا۔

"جا ادھر سے... اور خبردار جو اپنے باپ کو کچھ بتایا ہو تو۔ اگر ایک لفظ بھی منہ سے پھوٹا نہ تو تیرا گلا کاٹ دوں گی۔" وہ سیب کاٹنے والی چھری اٹھا کر اس کی جانب بڑھی۔

وہ روتے ہوئے الٹے قدموں اپنے کمرے کی جانب بھاگ گیا۔

"سارا موڈ خراب کر دیا... اتنی مشکل سے تو تم ہاتھ آئی تھیں۔"

وہ خباثت سے مسکراتے ہوئے اپنا سر سہلا رہا تھا۔

"ہر وقت بے تکی مت ہانکا کرو۔ نجانے اس نے کیا سنا ہو کہیں جمیل سے کچھ پھوٹ نہ دے۔"

"آج تک بتایا ہے، جواب بتائے گا۔"

"ہم نے اس کے سامنے کبھی جمیل کے متعلق بات بھی تو نہیں کی۔"

"تم پریشان مت ہو، کچھ نہیں ہوگا۔ آخر میں تمہارے گھر بھی تو آتا ہوں۔ ابھی تک تو کوئی مسئلہ

نہیں ہوا۔" وہ بے فکری سے بولا۔
"وہ اور بات ہے۔" چندا بولی۔ "جمیل نہ تنگ نظر ہے نہ ہی بے وجہ کا شکی۔ اگر تم گھر آتے ہو تو تم میرے کزن ہو۔۔۔ بھلا اس بات پر جمیل کیا اعتراض جڑے گا۔" وہ مسکرا کر بولی۔ تو آصف آنکھ دبا کر بولا۔
"واہ جان۔۔۔ بہت خوب 'استاد' ہو تم پوری۔"
"بننا پڑتا ہے۔" وہ تفاخر سے مسکرائی۔ "سیدھے سادے طریقے سے دنیا جینے نہیں دیتی۔"
"اچھا باتیں ہی کرتی رہو گی یا کچھ خاطر تواضع بھی کرو گی۔" اس نے کہا۔
"اوفوہ! ایک تو پیٹو بہت ہو تم۔ ٹھہرو دیکھتی ہوں' کچھ پڑا ہوا تو لے آتی ہوں۔"
دوسری طرف روتے روتے سونو سو گیا تھا۔ مگر کبھی کبھی نیند میں بھی سسکی لے رہا تھا۔ اور ساتھ ہی ساتھ پکارتا۔
"بابا۔۔۔ زینت بی۔۔۔ مما بہت گندی ہیں۔ مما بہت۔۔۔"

☼ ☼ ☼
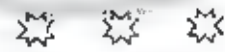
کوئی بہت دردناک انداز میں چیخا تھا۔ گھبرا کر میرب کی آنکھ کھلی۔
ہائے میں مرگئی۔۔۔ ارے کوئی اٹھاؤ مجھے۔" کوئی پکار رہا تھا۔ اس نے حواس باختہ ہو کر بستر چھوڑ دیا۔ آواز اس کے واش روم سے آرہی تھی۔ واش روم کا دروازہ لاکڈ نہیں تھا صرف بند تھا۔ اس نے ناب گھمایا۔
"ہائے بی بی۔۔۔ ٹوٹ گئی میری ہڈی۔۔۔ مرگئی میں۔"
اس کی کام والی ماسی واش روم کے سفید چکنے ٹائلز پر چت پڑی چیخ رہی تھی۔
"ارے صغریٰ۔۔۔ کیسے گریں تم؟" وہ بوکھلا گئی۔
ہاتھ دو مجھے اور اٹھنے کی کوشش کرو۔" وہ آگے بڑھی۔
"نہ بی بی!" وہ دہشت سے چلائی۔ "آپ اندر نہ آئیں ادھر پورے غسل خانے میں نجانے کیا چکنی چکنی چیز پڑی ہے۔ گر جاؤ گی آپ بھی۔"
میرب ڈر کر ٹھہر گئی۔ پھر کچھ سوچ کر مڑی اور باہر نکل کر لالی کو زور زور سے آوازیں دینے لگی۔
"کیا ہوا بیگم صاحب۔" وہ دوڑ کر آئی۔
"جاؤ جا کر میرے باتھ روم سے صغریٰ کو اٹھاؤ' وہ وہاں گر گئی ہے اور شریف کو کہو ڈرائیور سے گاڑی نکلوائے۔ اس کی حالت دیکھ کر لگتا ہے خدانخواستہ اس کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔" لالی اندر گئی۔ بڑی دقتوں سے صغریٰ کو اٹھایا۔ بیچاری کو بہت تکلیف ہو رہی تھی۔
وقار بھی آگئے۔ انہیں بتایا تو وہ خود لالی اور شریف کے ساتھ اسے ہسپتال لے گئے۔ میرب سر تھامے بیٹھی تھی۔ گھبراہٹ میں اس کی آنکھ کھلی تھی لہٰذا اب سر میں بہت درد ہو رہا تھا۔
"کیا چیز تھی فرش پہ جو وہ یوں بری طرح پھسلی۔۔۔ اور اس سے پہلے اگر واش روم میں 'میں چلی جاتی تو۔۔!'
خوف سے اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑ گئی "اف میرے اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر تو نے مجھے اور میرے بچے کو بچالیا۔"
وہ سب ہی کچھ سوچ رہی تھی سوائے اس کے جو اسے واقعی سوچنا چاہیے تھا۔

☼ ☼ ☼

آج مانو کی شادی تھی۔
قاسم کی بیوی تہمینہ ایک نیک سیرت اور قدرے خوب صورت عورت تھی۔ اس نے ان بہنوں کے بعد گھر کا انتظام بڑے اچھے طریقے سے سنبھال لیا تھا۔ نازو کے دو بچے تھے اور قاسم کے تین۔ ہاشم تلاش رزق کے لیے دبئی چلا گیا تھا۔ بی جان مزید بوڑھی ہو چکی تھیں۔ وہ سب بھائی بہنیں آپس میں میل ملاقات رکھتے تھے۔ بس صرف چندا ہی تھی جو ان لوگوں سے مکمل کٹ گئی تھی۔ ابھی بھی وہ منہ بنائے اک کونے میں بیٹھی بیزار ہو رہی تھی۔ اس کے برعکس جمیل ہر ایک سے خوش خلقی سے مل رہا تھا۔ اس کے دل میں ان لوگوں کے لیے احترام تھا اور وہ جب بھی ان لوگوں سے ملتا اسے چندا کی اس قدر برعکس طبیعت پر حیرانی ہوتی تھی مگر آج حیرانی نہیں افسوس ہو رہا تھا' جو وہ چندا

کے ساتھ کرنے والا تھا ہر چند کہ چندا اسی قابل تھی مگر یہ لوگ..... "اس کا دل اداسی سے بھر گیا۔

"السلام علیکم....." ثمینہ نے ایک کونے میں بیٹھی چندا کو بڑی ہونے کے باوجود جا کر خود سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دینے کے بجائے منہ پھیر لیا۔ کیسے نہ پھیرتی..... قاسم کی بیوی جو تھی۔ وہ خفیف ہو گئی۔ نازو نے کڑی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔

"بھابھی سلام کر رہی ہیں۔" اس نے جتایا۔

"تو میں کیا کروں؟" وہ تنک کر بولی۔

"تمہیں آج تک بڑے چھوٹے کی تمیز نہیں آئی۔"

"مجھے کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔"

"بہت بدتمیز ہو تم بلکہ مزید بدتمیز ہو گئی ہو..... جمیل بھائی نے تمہیں کچھ زیادہ ہی سر چڑھا رکھا ہے۔" وہ واقف حال تھی۔

"نصیب نصیب کی بات ہے۔" وہ کندھے اچکا کر اترائی۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں تم لوگ ادھر کیوں رک گئی ہو دیگر مہمانوں کی بھی مزاج پرسی کرو۔" قاسم آ کر بولے۔ انہوں نے اسے مکمل نظر انداز کر دیا تھا۔ مگر وہاں کسے پروا تھی۔

"ہونہہ۔" ان کے جانے کے بعد اس نے گردن جھٹکی۔ "بھیڑ بکری کی طرح مجھے اس بوڑھے آدمی سے بیاہ دیا۔ اگر اس وقت ان لوگوں نے میری شادی نہ کی ہوتی تو آج میں کہاں ہوتی؟" اس کے دماغ میں پھر سے کیڑا کلبلانے لگا۔ دوسری طرف ثمینہ، نازو سے کہہ رہی تھیں۔

"چندا کے مزاج ہی نہیں ملتے۔ میں نے آج تک اس جیسی بدتمیز اور بدمزاج عورت نہیں دیکھی اور پھر کتنی ناشکری ہے وہ، میں نے تو ہمیشہ اسے جمیل بھائی سے بیزار ہی دیکھا ہے اور تو اور مجھے تو لگتا ہے جیسے اسے اپنے بچے تک سے کوئی لگاؤ نہیں۔" ظاہر ہے ان کے ساتھ بدتمیزی کی گئی تھی، انہوں نے ایسا ہی رد عمل ظاہر کرنا تھا۔

"بس بھابھی۔" نازو شرمندگی سے بولیں۔ "شروع سے ابا کی لاڈلی رہی....."

"ارے پتا ہے۔ سب مجھے۔" وہ بات کاٹ کر بولیں۔ "مگر ایسا بچپنا توبہ ہے۔ بی جان بھی ہر وقت اس کے لیے پریشان رہتی ہیں۔"

"ہاں..... یہ ذرا اور طبیعت کی ہے۔" وہ اور کیا کہتی بھابھی سے۔ مگر وہ سوچ رہی تھیں کہ واقعی چندا آج تک نہیں بدلی۔ ویسی ہی خود غرض اور بے دید ہے۔ نجانے جمیل بھائی جیسا نفیس آدمی اس کی بدتمیزیاں کیسے برداشت کرتا ہو گا..... بس اللہ ہی اسے سمجھ دے۔"

وہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئیں کہ بارات آنے کا شور اٹھ رہا تھا اور سونو نے بغور بدتمیزی کرتی چندا کو دیکھا تھا اور اس کا رد عمل دیتی ثمینہ کو بھی۔

نجانے یہ ہر اس جگہ کیوں موجود ہوتا تھا جہاں اسے نہیں ہونا چاہیے تھا۔

☼ ☼ ☼

"کمال ہے۔" حادثے کا سن کر ماریہ تحیر سے بولی۔ "آخر کیا تھا تمہارے واش روم میں۔"

"یار پورے فرش پر صرف پھیلا ہوا تھا، واش روم کے ٹائلز بہت چکنے ہو گئے تھے۔ میں تو سو رہی تھی وہ بیچاری روزانہ کی طرح صفائی کرنے آئی تھی۔" اس نے بتایا۔

"تو کیوں پھیلا رکھا تھا وہاں جیل، اس کی ہڈی تڑوانے کے لیے۔"

"ارے تو میں نے کہاں پھیلایا یار۔" وہ برا مان گئی۔

"تو سائر بھائی نے گرا دیا ہو گا..... تمہاری ایسی حالت ہے انہیں تو بہت خیال رکھنا چاہیے۔"

"رکھ تو رہے ہیں یار!" وہ اس کا دفاع کرتی ہوئی بولی۔ "روز مجھے اپنے ہاتھوں سے رات کو دودھ دیتے ہیں۔ دوائی وغیرہ کا پوچھتے ہیں۔ میرا دل گھبراتا ہے تو دل بہلاتے ہیں۔"

"دل بہلاتے ہیں۔" ماریہ شریر ہوئی۔ "وہ کیسے؟"

"تم بھی نا۔" وہ مسکرا دی۔ "انہیں غزلیں سننے کا شوق ہے۔۔۔ مجھے بھی سنوا دیتے ہیں۔"

"اب انہیں لمبی لمبی خاموشی کے دورے تو نہیں پڑتے؟"

"نہیں یار! اس نیوز کے بعد سے ان کے اندر بہت پوزیٹو چینج آیا ہے۔" وہ سوچتی ہوئی بولی۔

"ہوں! ڈیٹس گریٹ۔۔۔ بہرحال تم اپنا بہت خیال رکھنا۔" اس نے کہہ کر فون بند کر دیا۔ مگر وہ میرب سے بات کر کے کچھ بے چین سی ہو گئی۔ کچھ تھا جو اس کے ذہن میں کھٹک رہا تھا۔ مگر کیا؟ فی الحال وہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

* * *

یہ پہلی بار تھا کہ اس نے اتنے بے ہودہ اور مختصر کپڑے پہنے تھے۔ مگر تعجب کی بات تو یہ تھی کہ فوٹوگرافر کہہ رہا تھا کہ وہ بہت بیوٹی فل لگ رہی ہے۔

وہ شرماتی 'جھجھکتی' کنفیوز ہوتی ڈائریکٹر کے کہنے پر عمل پیرا رہی۔ بالآخر اس کا فوٹو شوٹ مکمل ہو ہی گیا۔

"کمال کا پیس ہے گل۔۔۔ کہاں چھپا رکھا تھا۔" ٹونی آنکھ دبا کر بولا۔

"قسم سے آنے دو یہ شوٹ مارکیٹ میں۔۔۔ تہلکہ مچ جائے گا تہلکہ۔"

"بس دیکھ لیں۔ خاص آپ کے شوٹ کے لیے لائی ہوں۔" گل احسان کرنے والے انداز میں بولی۔

"قدر دانی ہم سے بہتر کوئی کر سکتا ہے۔" وہ اب کمپیوٹر اسکرین پر تصویریں منتخب کر رہا تھا۔

"یہ دیکھو۔۔۔" اس نے ساتھ شال لپیٹے بیٹھی اجیہ کو ستائشی انداز میں کچھ دکھایا۔ یہ اس کی اپنی تصویر تھی، اسے خود یقین نہ آیا۔ وہ کالے رنگ کے اسکن ٹائٹ منی اسکرٹ اور بلاؤز میں شارپ ریڈ لپ اسٹک لگائے کرسی پر ٹانگیں موڑے بیٹھی تھی۔

خود تصویر دیکھ کر اسے پسینہ آ گیا۔

"واؤ۔۔۔ اسے کہتے ہیں بولڈ اینڈ بیوٹی فل۔" وہ اس کی تعریفوں میں رطب اللسان تھا۔

گل کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔۔۔ فتح کی چمک۔

اور اجیہ۔۔۔۔

اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ جو ہوا برا ہوا۔ مگر جو ہونے جا رہا تھا وہ بہت ہی برا تھا۔

* * *

کبھی انسان کو تقدیر کے ہاتھوں مجبور ہو کر کڑوے گھونٹ بھی پینے پڑتے ہیں۔

چندا کو ڈلیوری تک گھر میں رکھنے کا فیصلہ جمیل کے لیے ایک کڑوا گھونٹ تھا۔ ہمدانی نے ٹھیک کہا تھا۔ اگر وہ اسی وقت طیش میں آ کر طلاق دے کر اسے گھر سے نکال دیتا تو خود ساری زندگی اذیت میں رہتا۔ یہ سوچ سوچ کر کہ اس کے پاس جمیل کی اولاد ہے۔ گوکہ وہ اس کے متعلق مشکوک تھا۔ مگر شک ہی تھا نا! اس کی پیدائش پر دور بھی کیا جا سکتا تھا۔

بس یہی سوچ اسے باندھے ہوئی تھی۔ ورنہ تو چندا کو گھر میں استحقاق و اطمینان سے گھومتے دیکھ کر اس کے دل پر کیا گزرتی تھی۔ یہ وہی جانتا تھا۔ اس کا بس نہ چلتا تھا کہ وہ اس ڈائن کا گلا گھونٹ دے جو اتنے عرصے اس کی عنایات 'اس کی محبت کو حق سمجھ کر وصولتی رہی اور جواباً "دیا" بھی تو کیا۔۔۔

اتنا بڑا دکھ۔۔۔۔

وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اسے ایسی زک پہنچائے گا کہ وہ تاعمر یاد رکھے گی۔

شوہر سے بے وفائی کوئی معمولی جرم نہ تھا اور شوہر بھی ایسا جو اسے پلکوں پر بٹھا کر رکھتا تھا۔۔۔۔

جمیل نے بہت کچھ سوچ رکھا تھا۔ بس وقت۔۔۔۔۔ وقت کا انتظار تھا۔

* * *

آج میرب کی طبیعت نسبتاً "بہتر تھی۔ اس نے اپنے کمرے کے معمولی کام نمٹانے شروع کر دیے۔ پہلے وارڈ روب ٹھیک کی۔ پھر ڈریسنگ ٹیبل سے غیر ضروری سامان ہٹایا۔ اس کے بعد رائٹنگ ٹیبل کی طرف آئی۔ اس پر بکھری کتابیں قلم وغیرہ سمیٹے۔ چھوٹے موٹے کاغذات ترتیب سے فائل میں لگا کر دراز میں رکھے۔ اس کے دھیان کے پردے میں وہ

تصویر لہرائی جو اس نے اپنی شادی کے ابتدائی ایام میں دراز میں رکھی دیکھی تھی۔ وہ یک بیک افسردہ سی ہو گئی۔ سب کچھ بظاہر درست ہو چکا تھا مگر نجانے کیوں میرب کے اندر اب بھی خلا موجود تھا.... اسے زندگی میں اپنے اور سارُ کے رشتے میں کہیں کچھ کمی سی لگتی تھی۔

"تو یہ طے ہے کہ میں آپ کی زندگی کی ساتھی ہوں مگر آپ کی محبت کی حق دار اب بھی نہیں شاید۔" وہ نڈھال سی ہو کر وہیں کرسی پر ڈھے گئی۔ اور اس نے یونہی اس دراز کو کھینچا جو اس کی دانست میں مقفل ہونا چاہیے تھی اور جس میں اسے تصویر ملی تھی۔

مگر یہ کیا.... اس نے دراز کھینچی۔ وہ باہر نکل آئی۔

سارہ اضمحلال پل بھر میں ہوا ہو گیا۔ وہ سیدھی ہو بیٹھی.... دراز میں ترتیب سے کئی ڈائریاں رکھی تھیں۔ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ کیا کرے مگر کچھ تو کرنا ہی تھا۔ سو اس نے سب سے نیچے والی کالی جلد کی ڈائری اور اس کے اوپر رکھی براؤن ڈائری دونوں باہر نکال لیں اور جلدی سے دراز بند کر کے اٹھی اور وہ ڈائریاں اپنے عام استعمال کے ہینڈ بیگ میں ڈال لیں۔ اس پورے عرصے میں وہ گھبرا گھبرا کر دروازے کی جانب ہی دیکھ رہی تھی۔ جوں ہی اس نے بیگ کی زپ بند کی دروازہ بجا۔ اس کا سانس اوپر کا اوپر نیچے کا نیچے رہ گیا۔

"کک.... کون؟" حالانکہ وہ جانتی تھی، سارُ اس وقت نہیں ہو سکتا۔

"بی بی۔" لالی تھی۔ "آپ نے کہا تھا نا کہ ساری سبزیاں کاٹ کر آپ کو بلالوں۔"

"اچھا.... اچھا۔" وہ جلدی سے اٹھی اور باہر نکلی۔

آج اس کا چائنیز بنانے کا ارادہ تھا۔ اس کے گھریلو سلیپرز ہمیشہ کمرے کے باہر ہی رکھے ہوتے تھے صرف اس کا روم اور ڈرائنگ روم کارپیٹڈ تھا باقی سارے گھر میں ٹائلز، ماربل وغیرہ لگے تھے۔

میرب نے سلیپرز پہنے، وہ دو قدم ہی چلی تھی کہ بری طرح لڑکھڑائی۔ اس کی دلدوز چیخ پورے گھر نے سنی تھی۔

✡ ✡ ✡

چندا نے ایک خوب صورت صحت مند بچی کو جنم دے دیا تھا۔

اس روز جمیل بہت رویا۔ وہ اس بچی کو گود میں لینے، پیار کرنے کی ہمت خود میں نہیں پا رہا تھا۔ اسپتال میں ان کے ملنے جلنے والے آ جا رہے تھے۔ بانو بھی اپنے شوہر کے ساتھ آئی۔ جمیل کو بطور خاص مبارکباد بھی دی۔ اور اپنے کراچی شفٹ ہونے کی اطلاع بھی۔ اسے یہ ننھی گڑیا بے حد اچھی لگی تھی۔ جمیل پر جمود طاری تھا۔ ہمدانی ہی نے ڈاکٹر سے بچی کے ڈی این اے ٹیسٹ کے لیے کہا۔ ڈاکٹر نے کیا کہا کیا نہیں، یہ ہمدانی نے اسے نہیں بتایا۔ مگر ٹیسٹ ہو گیا....

دو روز بعد ثابت ہوا کہ پیدا ہونے والا اس کا اپنا خون تھا۔ اب جا کر جمیل پرسکون ہوا۔ اس کے سوختہ لبوں پر مسکراہٹ بھی چمکی اور اس نے نازک کومل گلابی گلابی گڑیا کو اٹھا کر پیار بھی کیا۔

"تو ثابت ہوا کہ میرا تمہیں گھر میں رکھنے کا فیصلہ درست تھا اور جو دوسرا فیصلہ میں نے تمہارے لیے کیا ہے وہ بھی صد فیصد درست ہے.... اب وہ وقت آ گیا ہے چندا بیگم.... تمہارے دیے گئے ہر زخم کا حساب ہو گا۔" وہ بیڈ پر پڑی نقاہت زدہ سی چندا کو دیکھ کر سفاکی سے سوچ رہا تھا۔

✡ ✡ ✡

"جس وقت تمہارے گھر سے فون آیا نا تو میری تو جان ہی نکل گئی۔"

سعدیہ بیگم کہہ رہی تھیں۔ "جس وقت میرب پھسلی اگر بروقت لالی اسے نہ تھام لیتی تو بہت نقصان ہو جاتا مگر نہیں ہوا، وہ بال بال بچ گئی۔" وقار نے پریشانی سے سعدیہ کو فون کر دیا۔ وہ ماریہ کو لے کر دوڑی چلی آئیں۔ اس کی کمر میں بری طرح جھٹکا آیا تھا۔ سعدیہ ہی نے لے جا کر اسے ڈاکٹر کو دکھایا۔ ڈاکٹر نے کمر پہ ملنے کی دوائی دی اور ساتھ ہی کمر سینکنے کی ہدایت کی۔ اور اس وقت سعدیہ اس کے کمرے میں بیٹھی

دونوں ہی کام کر رہی تھیں۔ وقار اس کا خیال کرنے پر ان کے بے حد مشکور تھے۔ اجیہ بھی اس کی خیریت پوچھ گئی۔ وہ آج کل (بہ قول اس کے) اپنے امتحانات میں مصروف تھی۔

اس پورے عرصے میں ماریہ بالکل خاموش تھی۔ وہ جو سوچ رہی تھی وہ میرب سے کہنا نہیں چاہتی تھی۔ اس کے ساتھ ہونے والے پے در پے حادثات اتفاق نہیں تھے... اتنا تو وہ سمجھ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اگر حادثہ اتفاقی نہ ہو تو پھر سازش ہوتا ہے۔

مگر کس کی...؟

یہاں سوچ کا سرا الجھ رہا تھا۔

"ایسا کرو..." وہ کچھ دیر بعد سنجیدگی سے بولی "تم ابھی ڈلیوری تک ہمارے گھر چل کر رہو۔"

"نہیں ماریہ!" میرب نحیف آواز میں بولی۔ "میں بے آرام ہو جاؤں گی وہاں... پھر تمہاری تیاریاں بھی چل رہی ہیں' خوامخواہ ڈسٹرب ہو جاؤ گے میری وجہ سے تم لوگ۔"

"یہ کیا بات کی تم نے بیٹا؟" سعدیہ نے خفگی سے کہا "ہم تو ہرگز بھی ڈسٹرب نہیں ہوں گے۔ میں تو کہتی ہوں تم ابھی چلو۔"

"نہیں آنٹی..." اس نے محبت سے ان کا ہاتھ تھاما "آپ کی محبت سر آنکھوں پر مگر آپ سمجھ سکتی ہیں... آج کل مجھے اپنے گھر کے علاوہ کہیں قرار نہیں ملتا۔"

وہ بولی تو سعدیہ مسکرا کر اثبات میں سر ہلانے لگیں۔

"کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو۔ ایسی حالت میں سو طرح سے جی گھبراتا ہے۔ اب جی کو شوہر کے علاوہ بہلائے کون۔"

"مگر مجھے تمہارا یہاں رہنا نامناسب لگتا ہے۔" ماریہ بے چینی سے بولی۔

میرب پریشانی سے اسے دیکھنے لگی۔

"تم رہنے دو... جہاں رہے اللہ کی حفاظت میں رہے۔ یوں بھی اس حالت میں عورت اپنے شوہر کے سامنے رہے تو اچھا ہے' میں تمہیں چھوڑ دیتی یہاں مگر کیا کروں' شادی کی تیاریاں بھی سر پر ہیں۔" وہ ایسے لہجے میں بولیں جیسے فیصلہ نہ کر پا رہی ہوں۔

"ارے نہیں آنٹی!" میرب ان کے انداز پر نہال ہی ہو گئی "میں ٹھیک ہوں۔ آپ آرام سے جا کر شادی کی تیاریاں کریں۔ اس کی تو عادت ہے میرے متعلق اتنی حساسیت سے سوچنے کی۔" وہ محبت پاش نگاہوں سے ماریہ کو دیکھتے ہوئے بولی۔

تب ہی لالی نے چائے لا کر رکھی۔

"بھئی لالی... شاباش! تم نے بہت خیال کیا ہماری میرب کا... یہ لو' رکھ لو انعام ہے تمہارا۔" سعدیہ بیگم نے پرس کھول کر ہزار ہزار کے کئی نوٹ نکال کر اسے تھمائے۔

"وہ تو جی میرا فرض تھا..." وہ نوٹ دیکھ کر گھبرا گئی۔ پھر میرب نے کہا "رکھ لو" تو اس نے جلدی سے رکھ بھی لیے۔

"اور ہاں... تم نے آئندہ بھی اس کا اچھی طرح خیال کرنا ہے۔ ٹھیک۔" انہوں نے کہا۔

"کیوں نہیں' جی... اب تو میں میرب بیگم صاحبہ کو بیڈ سے پیر بھی زمین پر نہیں رکھنے دوں گی... پتا نہیں کس حاسد کی نظر لگ گئی ہے' جب دیکھو کوئی نہ کوئی مصیبت ہی لگی ہوئی ہے ان کے ساتھ۔"

"اچھا جاؤ' بابا کو بھی چائے دو۔" وہ سر ہلا کر چلی گئی۔

"اب تم نارمل ہو بھی جاؤ یار۔" میرب نے ماریہ کی سنجیدگی پر اسے ٹوکا تو وہ جبراً" مسکرا دی۔ مگر اس کا دماغ اس لمحے بھی کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

آج صبح ہی سے حبس زدہ سا موسم تھا۔ کچھ عجیب سا بے چین اور بے کل کر دینے والا موسم...

اوپر سے نومولود مسلسل روئے چلی جا رہی تھی اور چندا بے زار سی بیٹھی اس پر کوئی توجہ نہیں دے رہی تھی۔

"زینت بی... بچی کو لے کے جائیں یہاں سے۔"

واش روم سے جمیل ابھی ابھی باہر نکلا تھا۔ اس نے چندا کو سرزنش کی نہ ٹوکا۔ بس یونہی سنجیدگی اور بیگانگی سے پہلے شیشے کے سامنے کھڑا بال جماتا رہا بعدازاں اپنا مختصر سا سفری بیگ کھول کر اس میں دو جوڑے ڈالے اور چند ضروری سامان۔

"کہیں جارہے ہو؟" اس نے پوچھا۔ زینت بی روتی ہوئی بچی کو لے گئی تھیں۔

"ہاں..." اس نے مختصراً" کہا اور سوٹ کیس بند کیا۔

"کہاں؟"

"شہر سے باہر... دو تین روز میں واپسی ہو گی۔" اس نے بغور اس کی جانب دیکھ کر اس کے تاثرات جانچے۔

"اچھا۔ اچھا۔" وہ سرہلا کر بولی۔ "کام کے سلسلے میں جارہے ہو گے اور وہ جو میرے نام پر تم نے اپنا کام شروع کیا ہے' اس کا پرافٹ آنا شروع ہوا وہ تو تم میرے ہی اکاؤنٹ میں جمع کروایا کرو گے نا۔" وہ حریصانہ دلچسپی سے پوچھنے لگی۔

"وقت لگتا ہے... پرافٹ فورا" آنا شروع نہیں ہوتا۔" وہ اب اپنے کف لنکس بند کررہا تھا۔

"ایک تو میری ہر چیز میں نجانے اتنا وقت کیوں لگتا ہے۔ انتظار کرنا مجھے بالکل پسند نہیں۔" وہ ناک چڑھا کر حددرجہ اکتاہٹ سے بولی۔

"تمہیں اندازہ ہی نہیں۔" وہ اس کی طرف مڑا۔ "تمہیں آج تک کسی چیز کے لیے بھی ترسنا' صبر کرنا نہیں پڑا ہے چندا! تمہاری زندگی عیش و آرام سے عبارت رہی ہے مگر تم ناآشنا رہیں' اپنے اوپر ہونے والی اس عنایت اور کرم سے۔"

"ہونہہ... تمہیں کیا پتا میں نے زندگی میں کتنا صبر کیا ہے۔" وہ تنک گئی۔

"کتنا صبر کیا ہے۔ میں اچھی طرح واقف ہوں۔" وہ طنزیہ ذومعنی انداز میں بولا۔ "خیر چھوڑو یہ بیکار کی بحث۔ مجھے دیر ہو رہی ہے' اب میں نکلتا ہوں۔" اس نے کہا اور اپنا بیگ اٹھا کر باہر چل دیا۔ باہر نکلنے سے قبل اس نے ایک عجیب سی سرد نگاہ اس پر ڈالی تھی مگر وہ اندازہ ہی نہ کر سکی کہ اپنی ہی کسی ادھیڑبن میں لگی تھی۔

"بہت جلد تم پر صبر کا مفہوم آشکار ہو جائے گا چندا... اب تمہیں زیادہ انتظار کی چنداں ضرورت نہیں۔"

وہ زہرخند ہو کر سوچ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"لعنت ہے..." سائرہ نے فون بند کر کے دانت پیسے۔

میرب خیریت سے تھی... وہ ایک مرتبہ پھر اپنے ارادے میں ناکام ہو چکا تھا۔

"یہ تقدیر کیسا مذاق کرنے چلی ہے میرے ساتھ... کوئی اور سائرہ دنیا میں نہیں آسکتا... بالکل نہیں آسکتا۔ جو اذیت' جو تکلیف میں نے جھیلی... میں اس میں کسی اور کو مبتلا نہیں دیکھ سکتا... نہیں' نہیں' تمہیں ہرحال میں ختم ہونا ہے' چاہے اس کے لیے مجھے میرب کی جان ہی کیوں نہ لینی پڑے۔"

اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں... سوچیں زہرآلود... روح زخم زخم اور دل...

وہاں خاموشی تھی... اداس خاموشی۔

☼ ☼ ☼

"امی! کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ میرا وہ شوٹ میگزین میں نہ چھپے... بس آپ تصویروں کے ساتھ جو کرنا چاہیں کرلیں۔" وہ ناخن بری طرح سے کترتی ہوئی مضطربانہ لہجے میں گویا تھی۔

"کیا بات کر رہی ہو۔" وہ ناراض ہوئی۔ "تمہارا شوٹ اس قدر شان دار ہے کہ ان لوگوں نے۔ پہلی ترجیح کے طور پر چھاپا ہے' اپنے میگزین میں۔"

"مگر امی... وہ بہت چیپ ہے۔" اس نے اٹکتے ہوئے کہا۔

"چیپ تو ہرگز نہیں ہے ہاں البتہ بولڈ ضرور ہے مگر تمہیں کس بات کی فکر سوار ہو گئی ہے۔ تم نے تو اپنے

باپ سے بدلہ لینا تھا نا اپنی ناتمام آرزوؤں کا' یہ جنگ ہے اجیہ' اور اس جنگ میں سب جائز ہے۔" وہ خم ٹھونکنے والے لہجے میں بولی۔

"مگر آپ کیا کرنے والی ہیں؟" اس نے پریشانی سے پوچھا۔

"بہت جلد تمہیں پتا چل ہی جانا ہے اجیہ! تم اتنی فکر مند کیوں ہو رہی ہو۔" وہ لاپروائی سے بولی۔

"فکر تو کرنی پڑتی ہے نا... نجانے آپ کیا کرنے والی ہیں اور اس کے بعد نجانے یہ لوگ مجھ سے کیا سلوک کریں۔" وہ تیز ہو کر بولی۔

"اب تیر کمان سے نکل چکا ہے... جتنا سوچو گی اسی قدر تفکرات بڑھیں گے... بہتر ہے کہ تم سکون سے آنے والے وقت کا انتظار کرو۔"

"اور کر بھی کیا سکتی ہوں۔" وہ گہری سانس بھر کر بولی۔

"اچھا فون رکھتی ہوں... پارلر کے لیے نکلنا ہے مجھے... حالانکہ میری طبیعت ٹھیک نہیں... بس اب تو تم سے امید لگی ہے مجھے' ایک بار کامیابی تمہارے قدم چوم لے۔ بس میں نے تو سوچ لیا ہے میں یہ جاب فوراً چھوڑ دوں گی۔ ارے بھئی جب تم مٹھیاں بھر بھر کما رہی ہو گی تو مجھے ان چند ٹکوں کی خاطر اپنا بڑھاپا خوار کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیوں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔" اس نے تائید چاہی۔ اس عرصے میں پہلی بار اجیہ کچھ ہلکی پھلکی ہوئی۔ آخر کو وہ اپنی "محروم مظلوم" اور "زمانے بھر کی ستم رسیدہ" ماں کے کام آ رہی تھی تو اس کا کام غلط کیسے ہوگا؟

"جی امی! بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ... میری زندگی کا فی الحال آپ کی مدد اور ساتھ دینے کے سوا دوسرا کوئی مقصد نہیں۔"

"میں جانتی ہوں تم میری بہت اچھی بیٹی ہو۔"

بیٹی تو شاید وہ اچھی ہی تھی مگر ماں...؟

(آخری قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

امۃ العزیز شہزاد

ایک ڈھلتی عمر کی عورت سڑک پار کرتے ہوئے ایک لڑکی کو دیکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ایک ماڈرن عورت ہے۔ وہ اسے چلا کر رکنے کے لیے کہتی ہے لیکن وہ دونوں سڑک پار کرکے گاڑی میں بیٹھ کر چلی جاتی ہیں۔

وقار صاحب کے دو بچے ہیں۔ اجیہ اور سائر۔ وہ سائر کی شادی کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ ان کی بیوی اس دنیا میں نہیں ہے۔ ان کی سالی مہ پارہ خاص طور پر لندن سے اس شادی میں شرکت کرنے آئی ہیں۔ اجیہ وقار صاحب کو بتاتی ہے کہ سائر اس شادی سے ناخوش نظر آتا ہے۔ وقار صاحب یہ سن کر پریشان ہو جاتے ہیں۔

اجیہ بہت خوب صورت ہے۔ وہ دو ماہ کی تھی جب اس کی ماں چلی گئی۔ وہ اپنی خالہ مہ پارہ سے پوچھتی ہے اس کی ماں کیسی تھیں۔ مہ پارہ بتاتی ہیں کہ اس کی ماں بہت خوب صورت تھی بالکل کانچ سے بنی مورت۔ وقار صاحب کی بہنیں بھی انہیں احساس دلاتی ہیں کہ سائر اس شادی سے خوش نہیں ہے۔ تب وقار صاحب سائر سے براہ راست بات کرتے ہیں کہ سائر کہیں اور انٹرسٹڈ تو نہیں ہے۔ تب سائر کہتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہے اور وہ اپنے باپ کی کوئی بھی خواہش رد نہیں کر سکتا۔

سائر کی شادی میرب سے ہو رہی ہے۔ میرب دو سال کی تھی جب ان کی ماں بھی دنیا سے چلی گئی تھیں۔ ایز ایم صاحب نے اس کے بعد شادی نہیں کی۔ ان کے پڑوسی اور دوست احمد سعید اور ان کی بیگم نے میرب کا خیال اپنے بچوں کی طرح رکھا سعید صاحب کی بیٹی ماریہ کی میرب سے گہری دوستی ہے ان کا ایک بیٹا عاشر ہے جو اجیہ کو پسند کرتا ہے شادی کی

مکمل ناول

تقریبات میں سائر کا رویہ بہت اکھڑا ہوا رہتا ہے۔ شادی کی رات بھی وہ میرب سے بہت رکھائی سے پیش آتا ہے وہ میرب سے کہتا ہے کہ وہ اس سے صرف وفاداری کی توقع رکھتا ہے اور اسے اپنی بہن اور والد کا خیال رکھنے کو کہتا ہے۔

اجیہ کی دوست شینا بہت آزاد خیال لڑکی ہے۔ اس کا بھائی آغا شایان اجیہ میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔ اجیہ بھی اس کی طرف مائل ہے۔ جبکہ میرب کا بھائی سعد' اجیہ کو پسند کرتا ہے۔

سائر کا رویہ میرب کے ساتھ بہت عجیب ہے۔ وہ معمولی باتوں پر شدید ردعمل ظاہر کرتا ہے۔' وہ کہتا ہے کہ وہ کسی بھی لڑکے سے بات نہ کرے۔

وہ عورت جس نے سڑک پر مہ پارہ کو دیکھا تھا۔ ایک خستہ فلیٹ میں رہتی ہے۔ وہاں سے کوئی پرانا پتا نکال کر مہ پارہ کے گھر جاتی ہے تو پتا چلتا ہے کہ مہ پارہ وہ گھر چھوڑ چکی ہے۔ لیکن وہاں کے مکین اسے وقار صاحب کے گھر کا پتا دے دیتے ہیں۔

تب وہ کہتی ہے وقار آج سے سالوں پہلے تم نے جو اذیت مجھے پہنچائی تھی' اس کے بدلے کا وقت آپہنچا ہے۔"

شیخ عبدالحمید کریانہ فروش ہیں۔ دو بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں' نازو' چندا اور مانو۔ چندا کا مزاج اور صورت سب سے الگ ہے۔ وہ بے حد حسین ہے اور پڑھائی کے بجائے دوسری رنگا رنگ سرگرمیوں میں دلچسپی رکھتی ہے۔ شیخ صاحب کی لاڈلی ہے۔ کالج میں ایک ڈرامے میں قلوپطرہ کا کردار کرتی ہے تو آصف شیرازی اسے ٹی وی پر اداکاری کی آفر کرتا ہے۔ وہ ایک ڈائریکٹر شکیل ملک کا ملازم ہے۔ اس آفر پر چندا بہت خوش ہوتی ہے لیکن وہ جانتی ہے کہ اس کے گھر والے کبھی اسے ٹی وی پر کام کرنے کی اجازت نہیں دیں گے اور شادی کر کے رخصت کردیں گے۔ وہ آصف شیرازی سے کہتی ہے کہ تم مجھ سے شادی کرلو یہ اصلی شادی نہیں صرف ایک معاہدہ ہوگا۔ میں گھر والوں کے چنگل سے نکل آؤں گی۔ آصف مان جاتا ہے۔

ساتویں اور آخری قسط

"آصف .... گھر کے کاغذات نہیں مل رہے مجھے۔ میں نے پوری اسٹڈی چھان لی ہے۔" چندا کا پریشانی سے برا حال ہو گیا۔ جمیل کے نکلنے کے بعد اس نے اسٹڈی میں جا کر وہ مخصوص لاکر کھولا۔ جس میں اہم کاغذات وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ وہاں چند ردی کاغذوں اور چند ایک غیر ضروری دستاویزات کے علاوہ کچھ بھی موجود نہیں تھا۔ وہ بری طرح چکرا کر رہ گئی اور اس نے مارے گھبراہٹ کے اپنے ہمدرد کو فون ملایا۔

"کیا.... دھیان سے دیکھو' اگر تم نے وہاں رکھے تھے تو وہیں پر ہوں گے۔"

"میں کیا بکواس کر رہی ہوں.... کہ نہیں ہیں وہاں.... وہاں کیا پوری اسٹڈی میں کہیں نہیں ہیں۔" وہ دانت کچکچا کر بولی۔

"شوہر کہاں ہے تمہارا.... اس سے پوچھو' شاید اس نے کہیں رکھ دیے ہوں۔"

"وہ اس وقت فلائٹ میں ہوگا' کیسے پوچھوں؟" وہ جھلا کر بولی۔

"اچھا.... وہ نہیں ہے گھر پہ.... تب پھر میں آدھے گھنٹے تک پہنچ رہا ہوں تمہارے گھر پر پھر دیکھتے ہیں۔" اس نے کہہ کر بنا کچھ سنے لائن منقطع کردی۔ چندا نے ریسیور کریڈل پر ڈال دیا۔ وہ سر پکڑے بیٹھی تھی۔

پھر واقعی آدھے گھنٹے بعد وہ اس کے سامنے موجود تھا۔

"کہاں رکھے تھے کاغذات؟" اس نے ایک الماری کی طرف اشارہ کردیا۔

"یہاں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہارے شوہر نے احتیاط کے پیش نظر کاغذات بینک میں رکھوا دیے ہوں۔" اس نے کہا۔

"اگر ایسا ہوا ہے تب تو مسئلہ ہو جائے گا۔ میں کیا کہہ کر اس سے کاغذات مانگوں گی۔" وہ فکرمندی سے بولی۔

"بہت خوب...." آصف طنز آمیز غصے سے بولا۔ "جب میں اتنے دن سے تم سے یہی خدشہ ظاہر کر رہا تھا تب تمہارے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ اب اگر گھر

ہاتھ سے نکل گیا نا۔ تو پھر بیٹھی اپنی قسمت کو روتی رہنا۔"

"مگر اس نے ڈاکومنٹس کی جگہ تبدیل کی ہے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے' گھر رہے گا تو میرے نام ہی پر نا۔" وہ اس کی بے وقوفی پر سر پیٹ کر بولی۔

"نہ جانے تمہیں اپنے شوہر پر اتنا اندھا اعتماد کیوں ہے؟ بی بی تم ہو کس جہان میں۔۔۔ ہمارے ملک میں ہر جعلی کام بڑے اصلی طریقے سے ہوتا ہے۔ خیر تمہیں سمجھانا تو بے کار ہی ہے۔ تمہیں کون سا عقل آجانی ہے۔" اس نے بے چارگی سے سر جھٹکا اور کرسی پر ڈھے گیا۔ چندا اس کی بات سن کر حقیقی معنوں میں تشویش کا شکار ہوئی تھی۔

"تو اب کیا کروں میں؟" اس نے پھر سر پکڑ لیا اپنا۔

"تمہاری لالچ کی حد بھی ہے، اس نے تمہارے نام پر کاروبار کیا شروع کر لیا' تمہاری ساری ہمدردی اس کے ساتھ ہو گئی۔ کاروبار کا تو پتا نہیں' اگر اس چکر میں گھر ہاتھ سے نکل گیا تو بہت برا ہو گا۔" وہ سخت برافروختہ تھا۔

"اب تم خاموش ہو کر مسئلے کا حل بھی بتاؤ گے یا یوں ہی بھونکتے رہو گے۔" وہ چڑ کر اسے جھڑکتے ہوئے بولی۔

"حل کوئی نہیں سوائے اس کے کہ تم اس سے پوچھو کہ اس نے ڈاکومنٹس کہاں رکھے ہیں؟" اس نے سر جھٹکا۔

تب ہی بڑے زور کی بجلی چمکی اور یکلخت موسلا دھار بارش برسنا شروع ہو گئی۔ ان دونوں نے چونک کر ہوا کی شوریدہ سری کے آگے مجبور کھڑکی کی جانب دیکھا۔

"یار۔۔۔ یہ تو بہت تیز بارش شروع ہو گئی۔ اب میں گھر واپس کیسے جاؤں گا؟" آصف گھبرا کر کھڑا ہوا۔

"کچھ دیر میں بارش رک جائے تو چلے جانا۔" چندا نے بمشکل تمام کھڑکی کے پٹ بند کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" اب وہ اطمینان سے انگڑائی لے کر بولا۔ "چلو جب تک میں تمہارے بیڈروم میں آرام کر لوں۔" آصف نے آنکھ دبا کر کہا۔ بھیگا بھیگا موسم اور اس پر چندا کی بے پناہ کشش کی حامل خوب صورتی وہ بہکتا نہیں تو اور کیا ہوتا۔

"اپنی حد میں رہو۔" چندا نے اسے پرے دھکیلا۔

"میری حد کیا ہے۔ آج تم بتا ہی دو مجھے۔" وہ اس کے مزید نزدیک آکر بولا تھا۔ چندا نے مزاحمت کی کوشش کی' ایسی مزاحمت جو بے دم بے جان ہوتی ہے۔

دوسری طرف کمرے میں سونو بری طرح سہما' زینت بی کے ممتا بھرے جسم سے لگا تھر تھر کانپ رہا تھا صد شکر کہ بچی سو چکی تھی۔

"زینت بی۔۔۔ اکیلے میں مما کو بھی ڈر لگ رہا ہو گا نا۔ آج تو پاپا بھی نہیں ہیں۔"

"بیٹا۔۔۔ آپ کی مما بہت بہادر ہیں' وہ خوف زدہ نہیں ہوتیں۔" وہ اسے تھپکتے ہوئے بولیں۔ ان کے علم میں نہیں تھا کہ چندا کی تنہائی بانٹنے والا آچکا ہے۔

"مجھے بارش سے بہت ڈر لگ رہا ہے زینت بی' مجھے بابا کی یاد آرہی ہے بہت۔ آسمان پر تو بارش ہے نا۔ بابا کا جہاز گیلا ہو گیا ہو گا۔" وہ نیم غنودگی میں بولا۔ زینت بی شفقت سے مسکرا دیں۔

"ہاں۔۔۔ یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔ اچھا بس اب دعا پڑھو اور سو جاؤ۔ اچھے بچے یوں خوف زدہ تھوڑی ہوتے ہیں۔"

"سونے کی دعا کیا تھی۔۔۔ سوری زینت بی' میں بھول گیا۔" اس نے خفت سے کہا۔

"کوئی بات نہیں' روز پڑھ کر سوؤ گے تو یاد رہے گی' پڑھو اللھم۔۔۔"

"اللھم۔۔۔" اس نے دہرایا۔

"بسمک۔۔۔ ابھی زینت بی نے کہا ہی تھا کہ باہر سے کسی کے زور سے چلانے کی آواز آئی تھی۔

"یا اللہ خیر۔۔۔" وہ دہل کر اٹھی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"جو تم کرنے جا رہے ہو' وہ انتہائی خطرناک ہے۔

لہٰذا تم ایک مرتبہ پھر سوچ لو۔" ہمدانی نے کہا۔

"بہت دن سوچ بچار کے بعد یہ فیصلہ کیا ہے ہمدانی۔ میں تو اسے جان سے مار دینا چاہتا ہوں مگر پھر سوچتا ہوں کہ اسے جان سے مار دینے سے مجھے کیا ملے گا۔ میرے بچے ماں کی محبت سے تو پیدائشی محروم ہیں' باپ کی شفقت بھی ان سے چھن جائے گی۔" وہ گہری اداسی سے کہہ رہا تھا۔

"یہ انتہائی قدم اٹھانے سے قبل ایک مرتبہ تمہیں ان سے کھل کر بات کر لینی چاہیے تھی۔"

"کیا بات کرتا؟ یہ کہ تم آج تک مجھ سے بےوفائی کیوں کرتی رہیں یا پھر یہ کہ کیا سوچ کر تم میری عزت کو روندتی رہیں یا یہ پوچھتا کہ تمہیں مجھے دھوکا دیتے ہوئے کبھی شرم آئی؟ نہیں ہمدانی! اس کی نازیبا حرکتوں کا جواز کچھ بھی ہو مگر مجھ میں اتنا ظرف نہیں کہ میں اسے معاف کر سکوں' جبکہ معافی تلافی کا سوال ہی کیا۔ وہ معافی کیا مانگے گی جسے اپنی غلطی کا احساس تک نہیں۔" وہ زخمی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

بات اس کی ٹھیک تھی ہمدانی کچھ نہیں بولا۔

"مگر اب تم ایک بچی کے باپ بن چکے ہو۔ بچی کے لیے ماں کا ہونا بے حد ضروری ہوا کرتا ہے۔"

"ماں کا ہونا نا۔ وہ نہ بیٹی ہے' نہ بہن ہے' نہ بیوی ہے' تو وہ ماں کیسے بن سکتی ہے؟ وہ صرف چڑا ہے اور کچھ نہیں' وہ اپنے لیے جیتی' اپنے لیے مرتی ہے' اسے کسی کی زندگی اور موت سے کوئی سروکار نہیں۔"

ہمدانی بغور اس کی بات سنتے ہوئے خاموش رہا۔

"اور پھر بہت مشہور کہاوت ہے کہ بیٹی ماں کا عکس ہوتی ہے۔ اور میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ میری بیٹی اس کا عکس بنے۔" وہ قطعیت سے بولا۔

"ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔" ہمدانی نے تائید کی۔ جمیل خاموش نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر فون اپنی طرف کھینچ کر کسی کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

"ہاں رفیق۔ کیا رپورٹ ہے؟" دوسری طرف نجانے کیا کہا گیا تھا کہ اس کی آنکھوں سے خون چھلکنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے فون رکھا۔ پھر کہیں اور نمبر ملایا۔ دوسری طرف گھنٹی بج رہی تھی۔

"ہیلو۔ میں جمیل بات کر رہا ہوں' قاسم سے بات ہو سکتی ہے۔" اس نے رابطہ ملنے پر کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تمہیں کیا لگتا ہے؟ اجیہ نے کیا اس فیصلے کو دل سے قبول کر لیا ہے؟" وقار نے میرب سے پوچھا۔ آج میرب چار پانچ دن بعد اپنے کمرے سے نکلی تھی۔ وہ تو دوسرے ہی دن اسی کمرے سے گھبرا کر باہر نکلنے کے لیے پر تول رہی تھی مگر سائے کی طرح اس کے ساتھ موجود لالی نے اسے ہرگز باہر نہ نکلنے دیا۔ وہ بھی احتیاط کے پیش نظر اس کی بات مان گئی تھی۔ اس دوران سائر کو بھی بخار نے آلیا تو وہ بھی گھر ہی پر موجود رہا' ہرچند کہ وہ زیادہ وقت وقار صاحب کے کمرے ہی میں گزار رہا تھا مگر تھا تو گھر ہی پر موجود نا۔ وہ نہیں ہوتا تو میرب وہ ڈائریاں ضرور ہی پڑھنے کی کوشش کرتی' ظاہر ہے اس کے دل میں کھد بد ہو رہی تھی۔ وہ ایک بار اس نے سائر کا سر دبانے یا اسے دوا دینے کی کوشش بھی کی مگر سائر نے نرمی سے ٹوک کر اسے صرف اپنا خیال رکھنے کی تاکید کی' وہ تو اس کے بدلے بدلے اور مہربان انداز دیکھ کر مطمئن اور شاداں و فرحاں سی تھی۔ ٹھیک کہہ رہی تھیں سعدیہ آنٹی۔ اولاد واقعی اکھڑ سے اکھڑ اور سخت سے سخت آدمی کو اپنا رویہ بدلنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

ان چار پانچ دنوں میں سکون رہا اس لیے سب ہی کچھ مطمئن سے ہو گئے۔ میرب اپنے کمرے سے نکل کر اسٹڈی میں کوئی کتاب لینے کی غرض سے آئی تو وہاں وقار موجود تھے پہلے تو اسے دیکھ کر ناراض ہونے لگے بعد ازاں میرب کے تسلی دلانے پر اسے وہیں بٹھا کر ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے اجیہ کا موضوع چھیڑ بیٹھے۔

"بظاہر تو وہ خاموش ہو گئی ہے مگر کچھ الجھی الجھی اور پریشان سی لگتی ہے۔ ابھی کچھ دن لگیں گے بابا۔ انشاء

للہ آہستہ آہستہ سنبھل جائے گی۔"

"اللہ جانتا ہے کہ میں نے باوجود اپنی ناپسندیدگی کے ان لوگوں سے اس لڑکے سے صرف اس کی خاطر ملاقات کی۔ تمہیں تو معلوم ہے کہ سالار کتنا ناراض ہو رہا تھا اسے سمجھایا راضی کیا صرف اس کی خاطر اب وہ لڑکا ہی بد کردار نکلا تو اس سے اجیہ کو بچانا بھی تو ہمارا ہی فرض تھا نا بیٹی۔ افسوس تو اس بات کا ہے کہ اس نے ہمارے خلوص اور محبت پر اس لڑکے کی بناوٹی محبت کو ترجیح دی۔" وہ رنجیدہ ہو گئے۔

"بابا یہ عمر ہوتی ہی ایسی ہے ہر چمکتی چیز سونا معلوم ہوتی ہے۔"

"تم بھی تو اس سے محض چند برس ہی بڑی ہو مگر تم تو اتنی نادان اور جذباتی سی نہیں ہو۔" وہ میرب کا اجیہ کا دفاع کرنے پر کچھ ناراضی سے اسے دیکھنے لگے۔

"مزاج مزاج میں فرق ہوتا ہے بابا جان یہ آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں پھر میری تربیت میں بہت حد تک سعدیہ آنٹی کا ہاتھ رہا شاید اس لیے میری طبیعت میں سنجیدگی بردباری اور ٹھہراؤ آگیا ہوگا ورنہ اگر میں بھی اجیہ کی طرح پلی بڑھی ہوتی تو شاید میری شخصیت میں بھی خلا رہ جاتا۔" وہ بولی۔

"ہاں۔ کہتی تو تم ٹھیک ہی ہو۔ میں نے ان دونوں کی پرورش تو کی مگر تربیت شاید اس طرح نہیں کر پایا جیسا کہ ایک ماں کیا کرتی ہے۔" انہوں نے چشمہ اتار کر ٹیبل پر رکھ دیا اور تھکے تھکے سے انداز میں کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔

"بابا۔ میرب کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے، "آپ دوسری شادی کر لیتے آپ ٹھیک تھے، پیسے والے تھے نہیں تو کم از کم ان کی خالہ، پھپھی کسی کے نزدیک رہتے تو شاید۔" وہ اتنا کہہ کر چپ ہو گئی۔ خود اس نے بھی تو یہی حالات دیکھے تھے خالہ، پھپھی یا چچی تائی نے کتنا رکھ لیا تھا اسے اور عاشر کو؟

"میں اپنے بچوں کے معاملے میں کسی پر بھی اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔" میرب بے ساختہ مسکرائی۔

"اپنے بچوں سے بے پناہ محبت کرتے ہیں آپ۔"

"یہی دونوں تو میری کل کائنات میری زندگی ہیں۔" وہ دل کی گہرائیوں سے بولے۔ پھر پوچھنے لگے۔

"ساڑ کہاں ہے؟"

"آفس سے آکر کھانا کھا کر پھر دوبارہ کہیں کام سے چلے گئے۔"

"بخار اتر گیا ہے نا اس کا۔ بے چارہ بچہ، بہت محنت کر رہا ہے۔ میں نے تو پچھلے دو سال سے آفس جانا سمجھو ترک ہی کر دیا ہے۔" وہ بھری محبت فکرمندی سے بولے۔

"حالانکہ آپ کو جانا چاہیے۔ ابھی آپ کی عمر ہی کیا ہے۔" وہ شرارت سے مسکرائی۔

"یہ تو بیٹا جی کومپلیمنٹ ہو گیا آپ کا۔" وہ زور سے ہنس پڑے تب ہی لالی نے کمرے میں آکر جھانکا اور اطلاع پہنچائی کہ ساڑ اسے کمرے میں بلا رہا ہے۔ یعنی وہ گھر واپس آچکا تھا۔

"ہاں۔ ہاں جاؤ آرام کرو وقت بھی زیادہ ہو گیا ہے، میں بھی اب آرام کروں گا۔" وہ اٹھنے لگے۔

✡ ✡ ✡

وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ سامنے ہی ساڑ بیڈ پر بیٹھا سگریٹ پھونک رہا تھا۔ اس نے بے ساختہ ناک پر دوپٹہ رکھ لیا کہ سگریٹ کا دھواں میرب کے لیے اس حالت میں سخت نقصان دہ تھا۔ اسے دیکھ کر ساڑ نے سگریٹ ایش ٹرے میں مسل دی۔

"کہاں تھیں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

"اسٹڈی میں بابا کے ساتھ باتیں کر رہی تھی، آپ کہاں چلے گئے تھے۔" وہ واش روم کی جانب بڑھتے ہوئے بولی۔

"تم فریش ہو کر ٹیرس پر آجاؤ۔" اس نے جواب دیے بنا کہا۔

یقیناً ساڑ کا باتیں کرنے کا موڈ ہو رہا تھا اتنا تو وہ سمجھ گئی تھی۔ وہ واش روم سے باہر نکلی ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے میں اپنا عکس دیکھا ہاتھوں سے بال ٹھیک کیے اور دروازہ کھول کر ٹیرس پر چلی آئی۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔" وہ ٹیرس میں داخل ہوئی تو سفید اور سرخ گلابوں سے سجا گلدستہ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے ساڑ مسکرا کر بولا۔

وہ دنگ رہ گئی۔ کین کی خوب صورت سی میز پر چاکلیٹ پائن ایپل کیک سجا تھا۔ ساتھ ہی سرخ رنگ کے تہنیتی کارڈز رکھے ہوئے تھے۔ اور دو چار ادھ کھلی گلاب کی کلیاں بھی۔

"آپ کو یاد تھا۔" اس کے لب خوشی سے کپکپا اٹھے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر بکے تھام لیا۔

"میں کچھ بھی بھولتا نہیں۔" اس کی بے تاثر نگاہیں مسکراتے لبوں کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھیں۔ وہ اسے کندھوں سے تھام کر میز کے نزدیک لایا۔ پھر اس کے ہاتھ میں سرخ ربن لگی چھری تھمائی۔

گو کیک کافی رنگ برنگی چھوٹی چھوٹی دو چار موم بتیاں کیک پر سجی تو تھیں مگر روشن نہیں تھیں کیوں کہ ہوا بہت چل رہی تھی۔ ہاں البتہ ٹیرس کی فینسی لائٹ روشن تھی۔

گو کہ میرب کے چہرے کی چمک کے آگے اس وقت تو وہ ماند پڑتی محسوس ہو رہی تھی۔

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔" ساڑ گنگنایا، میرب نے کیک پر چھری پھیری اس وقت ٹھیک بارہ کا وقت تھا جب ساڑ نے یہ یادگار لمحہ ہمیشہ کے لیے اپنے موبائل کے کیمرے کی آنکھ میں مقید کر لیا تھا۔ میرب نے کیک کا پیس کاٹا اور ساڑ کو کھلانے لگی۔

"تب یہ منظر کون Capture کرے گا۔" وہ پریشانی سے بولی۔

"تم کھلاؤ۔" ساڑ نے کہا اور خود اپنے ہاتھ سے تصویر بھی اتار لی۔ میرب اسے کھلاتے ہوئے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ویسے یہ میری زندگی کا یادگار ترین برتھ ڈے ہے۔" اس نے ٹشو سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اور میرا گفٹ۔" وہ بچوں کے انداز میں بولی۔

"یہ رہا۔" ساڑ نے ایک سنہرے کاغذ میں لپٹا تحفہ آگے کیا۔

"تھینک یو سو مچ۔" میرب کی آنکھیں جھلملا گئیں۔

"آپ بہت اچھے ہیں۔" میرب اس کا ہاتھ دبا کر جذب سے بولی۔ آخر تھی نا ایک عورت۔ شوہر کے ذرا سے التفات سے سب کچھ بھول کر دیوتا ماننے والی۔ تب ہی سائر کا فون بجنے لگا۔

"ہیلو۔ جی اسلام وعلیکم' جی میں خیریت سے ہوں۔ لیں بات کریں۔"

اس نے فون میرب کی جانب بڑھایا' ابراہیم صاحب کا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے میری جان۔" کیسی ہو تم؟" وہ پر شفقت لہجے میں بولے۔

"تھینک یو پاپا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں' آپ کیسے ہیں' عاشر کیسا ہے؟" اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"ہم بھی مالک کا کرم ہے ٹھیک ہیں' خیریت سے ہیں' تمہیں یاد کرتے رہتے ہیں۔" وہ بولے تو وہ افسردگی سے کہہ اٹھی۔

"مجھے یاد کرتے تو میرے پاس نہ آجاتے۔"

"دھیرج بہنا۔ دھیرج' زیادہ ملکہ جذبات نہ بنو اور نہ ہی ہمیں جذباتی مار مارنے کی ضرورت ہے۔" عاشر تھا۔

"تم تو مجھ سے بالکل بات مت کرو۔" وہ یکلخت ناراضی سے چیخی۔ "اتنے مصروف ہوگئے کہ اکلوتی بہن سے بات تک کرنے کی فرصت نہیں۔"

"کر تو رہا ہوں۔ جنم دن مبارک ہو بہنا۔" اس نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"بس' بس' زیادہ فلمی ایکٹر بننے کی ضرورت نہیں' یہ بتاؤ پاکستان کب آرہے ہو؟" وہ ہنسی روک کر بولی۔

"بہت جلد۔ عنقریب' صرف اپنے بھانجے یا بھانجی کی خاطر۔" اس نے کہا تو وہ بے ساختہ جھینپ گئی۔ مگر خوشی بے تحاشا ہوئی۔

"سچ کہہ رہے ہو۔"

"آج تک تمہارے بھائی نے جھوٹ بولا ہے؟"

"ہم بارہ بجے کے بعد بات کر رہے ہیں۔ آج کا دن کل میں تبدیل ہو چکا ہے۔"

"ہاہاہا۔" وہاں سے وہ کان پھاڑ دینے والا جناتی قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"مذاق برطرف۔ ہمارا واقعی ارادہ ہے' پاپا تو یہاں آکر سمجھو بالکل ہی مس ہو کر رہ گئے ہیں' پاکستان کو بہت مس کرتے ہیں اسی لیے ہم نے سوچا ہے وہاں آنے کا۔"

"بہت اچھی بات ہے۔" وہ ان کے فیصلے کو سراہتے ہوئے بولی۔ "مجھے بھی بڑی تقویت ملے گی' اچھا سنو۔" اس نے فون کان سے ہٹا کر دیکھا۔

"ماریہ کا فون آرہا ہے تم رکھو۔"

"افسوس ہے لڑکی! سات سمندر پار بیٹھے بھائی کی قدر نہیں۔ وہ فرلانگ کے فاصلے پر موجود اپنی سہیلی کے فون کی زیادہ پروا ہے۔" وہ مصنوعی تاسف سے بولا۔

"ہاں ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔ "اس نے اور اس کی امی نے ہر قدم پر' ہر مشکل میں میرا بالکل اپنوں کی طرح ساتھ نبھایا ہے' میری سگی بہن بھی شاید میرا اتنا اور اس طرح خیال نہیں رکھتی جتنا اس نے کیا ہے۔"

"بس بس۔ میرے سامنے اس باؤلی کی زیادہ تو تعریفیں مت کرو' اچھی طرح جانتا ہوں اس لڑاکن کو۔ دیکھنا اس انجینئر کو ساری انجینئری بھلا دے گی۔"

"ہاں۔ ہاں۔ دیکھ ہی لیں گے اچھا خدا حافظ۔"

اب اس نے ماریہ کا فون اٹھالیا۔ سائر بہ ظاہر ٹیرس سے نیچے جھانک رہا تھا۔ درحقیقت وہ ٹیرس کی اونچائی کا اندازہ لگا رہا تھا۔

"کام تو بن جائے گا۔ مگر ایسا کرنا زیادہ خطرناک ہے۔ کیا پتا اس کی جان چلی جائے اور اگر بچ گئی تو سب کو بتادے گی۔ سب کی تو خیر مجھے کوئی پروا نہیں مگر پاپا۔ ان کا کیا حال ہوگا یہ خبر سن کر' وہ تو ابھی تک اجیہ کے دیے گئے جھٹکے ہی سے نہیں سنبھلے۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"اور امی اور سعد بھی تمہیں سالگرہ کی مبارک باد دے رہے ہیں۔"

"آنٹی اور سعد کو میرا شکریہ پہنچا دو۔" وہ کمرے سے بولی ساڑ کے کان سعد سن کر کھڑے ہو گئے۔

"تم آؤ نا یار کسی دن ساڑ بھائی کو لے کر ای کہہ رہی ہیں ہمیشہ ہی کہتی ہیں مگر تم سنتی نہیں۔" وہ ناراضی سے بولی۔

"یار تمہیں پتا تو ہے۔" وہ افسردہ ہونے لگی۔

"اچھا۔ اچھا" ماریہ جلدی سے بولی "اداس مت ہو صرف خوش رہو خوش رہنا تمہاری حالت کے لیے اچھا ہے۔"

"واہ بھئی بڑی تجربہ کار بن رہی ہو۔" اس نے چھیڑا۔

"ارے۔" وہ چلائی "یہ بھی ای کہہ رہی ہیں۔"

"اچھا۔ ہاہا" وہ ہنس دی۔ پھر دو چار ساں وہاں کی باتوں کے بعد فون بند کر دیا۔

"بہت گہری دوستی ہے تم لوگوں کے بیچ۔" ساڑ چبھتے لہجے میں بولا۔

"یہ سامان لالی سے کہہ کر اٹھوا لیتی ہوں۔" اس نے اس کی بات نظر انداز کر کے جلدی سے کہا مبادا اسے پھر کوئی دورہ پڑ جائے۔

"ارے نہیں۔" وہ ہوشیار ہوا' لالی کو بلوایا تو خوامخواہ میرب کے سر پر منڈلاتی رہے گی اور اس کا منصوبہ خراب ہو جائے گا۔ وہ سوچنے لگا۔

"وہ سو چکی ہو گی' ساڑھے بارہ سے اوپر کا وقت ہو رہا ہے' کیک ہی رکھنا ہے نا فریج میں۔ میں رکھ آتا ہوں۔" اس نے کیک کی پلیٹ اٹھائی اور کچن میں آکر فریج میں رکھ دی۔ اس کے بعد دودھ گرم کیا اور احتیاط سے یہاں وہاں دیکھا اور اس کے بعد اپنے کرتے کی جیب سے کوئی شیشی نکالی۔ ایک منہ دو۔ اس میں آٹھ گولیاں تھیں' اس نے ساری گولیاں ہتھیلی پر نکالیں۔

"اوہ۔ یہ تو دودھ میں گھلیں گی نہیں۔" وہ فکر مند ہو گیا۔ اس نے یہاں وہاں دیکھا' اسے ہاون دستے کا دستہ دکھائی دیا۔ اس نے بنا شور کیے وہ اٹھایا اور دراز میں سے تھیلی نکالی۔ تھیلی میں گولیاں رکھ کر اس پر دستہ مارا "ٹھک" ایک عجیب سی آواز گونجی۔ اسے پسینہ آنے لگا۔ اس طرح تو بہت شور مچے گا۔ وہ پریشان ہو کر پھر یہاں وہاں دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہ میں مسالا پیسنے کی مشین آگئی۔ اس نے تھیلی سے گولیاں نکالیں' انہیں مشین میں ڈالا اور سوئچ آن کر دیا۔ چند سیکنڈز میں سفوف تیار تھا۔ اس نے جلدی سے وہ دودھ میں ملایا' تب ہی اسے لالی کے کوارٹر کی طرف کھلنے والے دروازے پر کچھ کھٹکا محسوس ہوا۔ اس نے نہایت تیزی سے دودھ کا گلاس اٹھایا۔ تب ہی دروازہ کھول کر لالی اندر آتی دکھائی دی۔ ساڑ پر گھبراہٹ سوار ہو گئی۔ وہ لالی کا سامنا کیے بنا اپنے کمرے میں جانے کے لیے باہر نکلا۔ "ارے صاحب جی۔ آپ کو کچھ چاہیے تھا تو مجھے بلا لیا ہوتا۔ آپ نے کیوں تکلیف اٹھائی۔" وہ رکا مگر مڑے بنا۔ "کوئی بات نہیں۔" کہہ کر تیزی سے سیڑھیاں چڑھ گیا۔ لالی سونے چلی گئی تھی۔ تب ہی اسے یاد آیا کہ وہ کچن کی کھڑکی بند کرنا بھول گئی ہے۔ بس اسی لیے واپس آئی تھی۔ اس نے کھلی کھڑکی بند کی۔ سلیب پر عادتاً" نظر ڈالی۔ سب صاف تھا' تبھی اس کی نگاہ سفید رنگ کی پلاسٹک کی چھوٹی شیشی پر پڑی۔ شیشی اچھی اور مضبوط تھی اور خالی بھی۔

"شریف جو بدہضمی کا چورن لایا ہے۔ وہ یوں ہی پڑیا میں پڑا ہے۔ اچھا ہے' اس میں ڈال لوں گی۔" اس نے ہمیشہ کی طرح خالی شیشی اپنے قبضے میں کر لی اور کچن کی لائٹ اور دروازہ بند کر کے واپس اپنے کوارٹر میں چلی گئی۔ دوسری طرف ساڑ میرب سے کہہ رہا تھا۔

"یہ لو۔ گرم دودھ پی لو۔"

"آپ رکھ دیں میں پی لوں گی۔" وہ بولی۔

"نہیں ابھی میرے سامنے۔" اس نے مسکرا کر گلاس تھاما اور پی لیا۔ وہ دودھ پیتے اسے بڑے دھیان سے دیکھ رہا تھا۔

"یہ لیں۔ اور اب آپ بھی سو جائیں سکون سے' آپ کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں۔" اس نے بڑے پیار سے اسے دیکھ کر کہا۔

"ہاں۔ اب تو سکون سے ہی سونا ہے۔" اس کا

لہجہ ذومعنی تھا۔

اس نے خالی گلاس سامنے میز پر رکھا اور لائٹ بند کرکے واقعی بڑے آرام سے آنکھیں موند لیں۔ اسے ایک بار بھی اس خالی شیشی کا دھیان نہیں آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"کس کا فون تھا؟" ثمینہ جو قاسم کے پیچھے ہی کھڑی تھی 'تجسس سے پوچھنے لگی۔

"جمیل کا... مجھے گھر بلایا ہے۔" قاسم نے گہری سنجیدگی سے کہا تو ثمینہ پریشانی سے بولی۔

"خدا خیر کرے۔ رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے ہیں 'ایسی کیا بات ہوگئی۔"

"مجھے کیا پتا" وہ چڑ گیا بس اتنا کہا "گھر پر فوراً پہنچوں آدھے گھنٹے تک 'کیا بات ہے' کیا معاملہ ہے؟ پوچھنے پر بھی نہیں بتایا۔" وہ خود بہت تشویش زدہ ہو رہا تھا۔

"ضرور چندا سے لڑائی ہوئی ہوگی بہت منہ زور اور بدتمیز عورت ہے' نہ جانے جمیل بھائی اسے کیسے برداشت کرتے ہیں۔" قاسم خود کئی بار ثمینہ کے سامنے چندا کو برا بھلا کہہ چکا تھا۔ اس لیے ثمینہ نے بھی بنالحاظ کیے اس کے متعلق خیالات کا اظہار کیا۔

"تم جاؤ اندر بچوں کے پاس... میں نکلتا ہوں۔" وہ شدید کوفت زدہ ہو کر بولا۔

"میں بھی چلوں۔" وہ پرجوش ہو کر بولی تو قاسم نے اسے گھور کر دیکھا۔

"اس برستی بارش میں باہر نکلنا آسان ہے اور میں کوئی مزے کرنے نہیں جارہا کیا پتا وہاں کیا معاملہ ہے' تمہیں مزے سوجھ رہے ہیں۔" اس نے ڈپٹا تو وہ منہ بنا کر بولی۔

"کیسے جائیں گے... آپ کے پاس جمیل بھائی کی طرح گاڑی تھوڑا ہی ہے۔ سارے بھیگ جائیں گے۔"

"جو بھی ہو' جانا تو پڑے گا۔" وہ پرسوچ لہجے میں بولا

☼ ☼ ☼

کچھ دیر قبل ہی اس کی آنکھ لگی تھی کہ عجیب سی گھبراہٹ کے تحت کھل گئی۔ اس کی سانسیں بہت تیز چل رہی تھیں۔ ہاتھ پیر بلکہ پورا جسم آگ کی طرح تپ رہا تھا اس پر مستزاد چکراتا سر اور متلی...

"یا اللہ۔ یہ کیا ہو رہا ہے مجھے۔" وہ بمشکل تمام اٹھی اور روم فریج سے پانی کی ٹھنڈی بوتل نکال کر منہ سے لگالی۔ ٹھنڈا پانی پی کر اسے کچھ راحت کا احساس ہوا تھا۔ تب ہی اسے زور کی ابکائی آئی... وہ واش روم کی طرف بھاگی۔ اس کی قے میں خون آیا تھا... وہ ہراساں ہوگئی۔ منہ پر پانی ڈال کر باہر نکلی اور بے چینی سے کمرے میں چکرانے لگی۔

"یا اللہ یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔" اس کا دل بری طرح گھبرا رہا تھا۔ وہ مختلف قرآنی آیات کا ورد کرنے لگی۔ تب ہی درد کی ایک شدید لہر تھی جو اس کی کمر سے اٹھی اور وجود کو چیرتی چلی گئی۔

"سائیں!" وہ خوف و دہشت سے چلائی تھی۔

☼ ☼ ☼
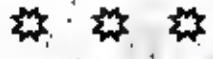
قاسم جب جمیل کے گھر پہنچا وہ گھر کے باہر غالباً اسی کا منتظر تھا۔ بارش اب رکی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ رفیق اور ہدایت بھی موجود تھے۔

"کیوں جمیل... اس وقت اس طرح کیوں بلالیا مجھے 'سب خیریت تو ہے۔" اس نے جمیل و دیگر سے مصافحہ کرتے ہوئے تشویش سے پوچھا۔

"اندر چلو..." وہ غیر معمولی سنجیدہ تھا۔ قاسم کو اس کے انداز پر اچنبھا ہوا۔ وہ تینوں مشینی انداز میں گھر کے اندرونی جانب بڑھنے لگے۔ ان کے انداز پر جمیل کو وحشت ہونے لگی۔ بارش جو کچھ دیر سے رکی ہوئی تھی' ایک مرتبہ پھر برسنا شروع ہو چکی تھی۔ سارے گھر میں خاموشی کا راج تھا۔ جمیل نے یہاں وہاں دیکھا اور پھر پراسرار طریقے سے قاسم سے کہا۔

"او تم..."

"کچھ پتا تو چلے یہ کیا تماشا ہے... چندا کہاں ہیں؟؟" اس صورت حال سے اس کے اعصاب کشیدہ ہونے لگے۔

"خود ہی دیکھ لو کہ تمہاری بہن کہاں اور کس کے ساتھ ہے۔" اس کی آواز میں سانپ جیسی پھنکار تھی۔ قاسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

"دروازہ توڑ دو رفیق۔" وہ بے لچک انداز میں بولا۔

"جمیل..." ہمدانی نے اس کا ہاتھ پکڑا "تم دروازہ پر دستک دو۔"

"ہرگز نہیں۔" اس نے کٹھورپن سے اس کا ہاتھ جھٹکا "تم دروازہ توڑ دو رفیق۔" اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں' نہ جانے وہ ضبط کے کون سے مرحلے سے گزر رہا تھا۔

"آخر ماجرا کیا ہے۔" قاسم عاجز آ گیا۔

"تو ڑ..." رفیق کیم تحیم اور توانا نوجوان تھا۔ حکم ملتے ہی آگے بڑھا اور پوری قوت سے دروازے کو دھکا لگایا۔ دوسری تیسری ضرب کی شدت اندر لگی کنڈی برداشت نہ کر سکی اور ٹوٹ کر گر پڑی۔ اب دروازہ کھل چکا تھا اور قاسم کی پوری آنکھیں بھی... آصف حواس باختہ بیڈ سے اٹھ کر باہر بھاگنے کی کوشش کرنے لگا۔ چندا حق دق سی بیٹھی صورت حال کی سنگینی کا اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگی۔

"بے غیرت... ذلیل..." آن واحد میں قاسم اس پر پل پڑا۔ پہلے بال پکڑ کر اسے کھینچا' پھر پوری قوت سے پے در پے تھپڑوں سے اس کا منہ لال کر دیا۔ دوسری طرف رفیق نے جھومتے آصف کو دبوچ رکھا تھا۔ ہمدانی نہایت افسوس سے یہ منظر دیکھ رہا تھا اور جمیل...

وہ یوں ساکت تھا گویا بے جان بت مگر نہیں... وہ بت نہیں تھا۔

کیونکہ بت محسوس نہیں کر سکتے مگر وہ کر رہا تھا۔ غصہ' دکھ' تکلیف' نفرت' چندا اوندھے منہ پڑی سسک رہی تھی۔ اس نے تو خواب و خیال میں بھی اس صورت حال کا تصور نہیں کیا تھا۔

"اور تو..." اب قاسم رفیق کی گرفت میں مچلتے آصف کی جانب لپکا۔

"آوارہ' بدمعاش تیری یہ ہمت۔" وہ لاتوں اور گھونسوں سے اس کی تواضع کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ مار مار کر خود بھی تھک کر بیڈ پر لاچاری سے ڈھے گیا۔ آصف کو جو چار چوٹ پڑی تو اس کا سارا نشہ پل بھر میں ہرن ہو گیا۔

"اب تو تم جان ہی گئے ہو گے کہ تمہیں یہاں بلانے کا مقصد کیا تھا۔" کمرے میں طاری موت کے سناٹے کو جمیل کی آواز نے توڑا۔

"تمہاری یہ بدکردار' ذلیل اور نیچ بہن... میں نہیں جانتا کہ ان کا تعلق کب جڑا' شاید میری شادی سے پہلے... میں نے اس عورت کو پیار' محبت' مان سب دیا' آنکھ بند کر کے اس پر اعتبار کیا' اس نے جب جو فرمائش کی' میں نے اسے پورا کرنے کی کوشش کی... اسے زیادہ کی ہوس تھی' میں نے خود کو کاروبار میں کھپا دیا' تاکہ اس کی لامحدود خواہشات کی تکمیل کر سکوں۔ اسے مٹھیاں بھر بھر کر شاپنگ کرنے کے لیے نوٹ تھمائے اور ایک بار بھی پلٹ کر استفسار نہیں کیا کہ یہ میرے پیسے کہاں کس پر لٹا رہی ہے اور اس نے جو لیا' مجھے کیا دیا؟ اب یہ بھی سنو۔ بے زاری... غصہ... جھنجلاہٹ' ہر وقت کی ناشکری' ہر وقت کی چخ چخ مگر میں یہ سب بھی برداشت کرتا رہا' سوچتا تھا کم عمر ہے' ذمے داریوں سے گھبرا گئی ہے' اس لیے ایسا کرتی ہے' میں نے اس کے لیے نوکرانی رکھ دی' تاکہ اسے آرام ملے مگر اس نے مجھے مزید بے آرام کر دیا۔ مجھ سے جھوٹ بول کر اپنا وقت باہر گزارنے لگی' کس کے ساتھ کہاں اس نے جو کہا میں نے بنا شک کیے اعتبار کیا' اس کی ہر بات پر میں اسے جتنی سہولیات اور آزادی دیتا گیا یہ اس قدر ہی گھر سے بے پروا' مجھ سے بے گانی' حد تو یہ ہے کہ اپنی اکلوتی اولاد کی طرف سے بھی بے فکر ہوتی چلی گئی مگر میں اس سے محبت کرتا تھا' اس لیے اسے ہمیشہ نرمی سے سمجھانے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ میرے تو گمان میں بھی

نہیں تھا کہ یہ مجھ سے بے وفائی کرے گی اور میں سب کچھ برداشت کرسکتا ہوں مگر بے وفائی نہیں۔۔۔ ہرگز نہیں۔"

چندا جو پوری آنکھیں کھولے حیرت سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ یکلخت تلملا کر کھڑی ہوئی۔

"جو ابھی تم نے اپنی کرم نوازیوں کی فہرست گنوائی ہے تو تمہارے پاس اک جوان اپنی عمر سے آدھی اور خوب صورت بیوی کو اپنے پلے سے باندھے رکھنے کا اس کے علاوہ جواز تھا بھی کیا۔" وہ بڑی بے غیرتی سے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی۔

"تمہیں صرف ایک اسی بات کی تکلیف نہیں تھی چندا۔" وہ زہر خند ہوا۔ "تم چراغ محفل تھیں۔۔۔ اور میں نے تمہیں اپنے گھر میں سجانے کی کوشش کی' تم یہاں مطمئن کیسے رہ سکتی تھیں' تمہاری فطرت ہی میں کھوٹ تھا۔ تمہاری نیت ہی میں ملاوٹ تھی۔"

"ہاں تو پھر۔۔۔" وہ بے وقوفانہ دلیری سے بولی۔

"تمہیں یہ تماشا لگا کر کیا مل گیا؟" وہ اپنے پھٹے ہونٹ سے بہتے خون کو صاف کرتے ہوئے بولی۔ جمیل طنز سے ہنس پڑا۔

"مجھے کچھ ملا ہو یا نہ ملا ہو' تمہیں البتہ جو ملے گا وہ ساری زندگی میرے سینے میں جلتی آگ پر ٹھنڈی پھوار بن کر برسے گا۔"

"پہیلیاں نہ بجھواؤ جمیل۔۔۔ صاف بات کرو۔" مدھم آواز میں قاسم ناپسندیدگی سے بولا تھا۔

"میرا مشورہ یہ ہے کہ معاملات آرام سے بیٹھ کر طے کرلیے جائیں۔" ہمدانی نے لقمہ دیا۔

"تم کون ہوتے ہو مشورہ دینے والے' اپنے کام سے کام رکھو۔" اس نے بری طرح سے ہمدانی کو جھڑک دیا۔ "ہاں تو ذرا میں بھی تو دیکھوں تم کیا کرنے لگے ہو۔" وہ سینے پر ہاتھ باندھ کر مضحکہ خیز ہنسی لبوں پر سجا کر بولی۔ قاسم اٹھ کھڑا ہوا۔ جمیل کے چہرے پر در آئے پتھریلے تاثرات دیکھ کر سہم گیا تھا۔

"میں وقار جمیل فاروقی۔۔۔ بقائمی ہوش و حواس تمہیں طلاق دیتا ہوں' طلاق دیتا ہوں۔۔۔ طلاق دیتا ہوں۔" "قاسم' جمیل' جمیل پکارتا ہی رہ گیا۔

"ہاہاہا۔۔۔" چندا نے اک ہذیانی قہقہہ لگایا۔ "تو یہ دینے والے تھے تم۔۔۔ آصف ذرا دیکھو تو۔" اس نے کونے میں کھڑے آصف کو فاتحانہ نگاہوں سے دیکھا۔ "جو چیز ہمیں چاہیے تھی وہ جمیل نے کتنی آسانی سے ہمیں دے دی ہمیں زیادہ تردد تو نہیں کرنا پڑا نا۔"

"ہوش کر بے حیا۔" قاسم نے روتے ہوئے اسے بری طرح پکڑ کر جھنجوڑ دیا۔

"میں نے تو سنا تھا کہ طلاق وہ چیز ہے جو عورت کو اگر ماتھے پر بھی ملے تو وہ روتی ہے۔۔۔ تو کس قماش کی عورت ہے آخر۔۔۔ جو اپنی بربادی پر قہقہے لگا رہی ہے۔" ہمدانی بھی متاسف نگاہوں سے کبھی جمیل' تو کبھی چندا کو دیکھ رہا تھا۔ رفیق ہونق بنا کھڑا تھا۔

"بربادی' کیسی بربادی؟" اس نے اپنا آپ چھڑایا "برباد تو یہ ہوا ہے' میں نہیں' اس نے مجھے طلاق دے کر ترقی کی' کامیابی کی راہیں میرے لیے کھول دی ہیں۔ اس کے پاس رہ کر مجھے کیا ملنا تھا۔۔۔ اور اب بس بہت ہوگئی تمہاری ڈرامے بازی' نکلو یہاں سے۔۔۔" اس نے تحقیر سے قاسم کو پیچھے دھکیلا "اور تم۔۔۔" اس نے جمیل کی جانب اشارہ کیا اور چٹکی بجا کر اسے باہر کا راستہ دکھایا۔ اب قہقہہ لگانے کی باری جمیل کی تھی۔ چندا بڑے خطرناک تیور لیے اپنی دانست میں جمیل کی بے وقوفانہ ہنسی کو دیکھ رہی تھی۔

"شاید بات تمہاری سمجھ میں نہیں آسکی چندا بیگم!" جمیل نے ہنسی روک کر آنکھوں سے بہتا پانی صاف کرتے ہوئے کہا۔

"تو معاملہ یہ ہے کہ یہ گھر چھوڑ کر میں نہیں' تم جارہی ہو۔۔۔ تم۔۔۔ میں تمہیں دس منٹ دیتا ہوں اپنے باپ کے گھر سے لایا ہوا سامان اگر اٹھانا چاہو تو تم اٹھا سکتی ہو اور ہاں۔۔۔ ایک چیز بھی" جمیل چبا کر بولا۔۔۔ "ایک چیز بھی تم میری دلوائی ہوئی اس گھر سے لے کر نہیں جاسکو گی۔ چلو جلدی کرو۔۔۔ تمہارے پاس وقت کی بہت قلت ہے۔" اس عرصے میں پہلی بار چندا کے چہرے پر زلزلے کے آثار پیدا ہوئے تھے۔ آصف

خونخوار نگاہوں سے چندا کو دیکھ رہا تھا۔ بات چندا کے پلے پڑی ہو یا نہیں اس کے ضرور پڑ گئی تھی۔

"شٹ اپ۔ کیا بکواس کر رہے ہو۔۔۔ یہ گھر میرے نام پر ہے۔" اس نے ہکلا کر یاد دلایا۔

"جملے کی تصحیح کرلو' یہ گھر تمہارے نام پر تھا بھی' اب یہ میری ملکیت ہے اور میں تمہیں طلاق دے چکا ہوں۔" وہ محظوظ ہو رہا تھا۔

"کمینے۔" چندا بری طرح بپھر کر اس پر جھپٹی۔ جمیل نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر پیچھے دھکیلا تو وہ لڑکھڑا کر بری طرح گری۔

"میں نے کہا نا۔ نکلو یہاں سے بے غیرت عورت۔۔۔"

"یار۔ خاموش ہو جاؤ۔ آس پاس آواز جائے گی' تو کیا عزت رہ جائے گی تمہاری۔" ہمدانی نے سمجھانا چاہا۔

"میری اب بھی کیا عزت رہ گئی ہے معاشرے میں۔۔۔" وہ دکھ سے ٹوٹتی آواز میں بولا۔

"میں نے انتہائی غربت کے دنوں میں بھی اپنی عزت اور وقار پر سمجھوتا نہیں کیا اور اب۔ اب جبکہ معاشرے میں میری کچھ عزت' کچھ مقام ہے تب اس عورت نے مجھے کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا' مجھے نفرت ہے اس کے وجود سے' اسے کہو فوراً نکل جائے یہاں سے' نہیں تو میں کچھ کر بیٹھوں گا۔" وہ چندا کی جانب لپکا۔

"اب کھڑی کیا ہو۔ اٹھاؤ اپنا سامان اور جاؤ اس کے گھر' جس کی خاطر تم نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔" قاسم نے خون آشام نگاہوں سے اسے گھورا۔ اتنی دیر سے بے وقوفوں کی طرح خاموش کھڑے آصف نے پہلی بار لب کشائی کی۔

"میری خاطر نہیں' اپنے خوابوں کے خاطر' میں تو صرف ذریعہ ہوں اس کے نزدیک اپنی منزل تک پہنچنے کا۔" چندا نے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا۔ اس نے کندھے اچکا دیے۔ وہ بلا کا جاذب نظر اور ہینڈسم تھا اور سچ تو یہ ہے کہ جو بھی تھا چندا کو اس کا ساتھ پسند بھی تھا۔

"کس قدر بلا یدار سہارا تلاش کیا ہے تم نے۔ لو دیکھ لو آزمائش کی اولین گھڑی میں ہی تمہیں اس نے تمہاری اوقات جتا دی۔" جمیل نے ایک اور وار کیا۔

"چلو اب نکل بھی چکو۔" وہ غرایا۔

"ہاں۔ میں تو چلوں۔" آصف جلدی سے نکلنے لگا۔

"رکو۔" قاسم نے ٹھنڈی برف جیسی آواز میں اسے پکارا "چندا تمہارے ساتھ جائے گی اور اگر تم نے انکار کیا تو میں تمہیں جان سے مارنے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔" یعنی قاسم اسے اپنے ساتھ لے جانے پر راضی نہیں تھا۔ چندا کا سارا غرور' طنطنہ جھاگ کی طرح بیٹھ چکا تھا۔ پھر یک بیک ہی اس کے ذہن نے پینترا بدلا اور وہ بری طرح چیخی۔

"ظالم شخص تو نے مجھے میرے معصوم بچوں سے جدا کر دیا۔ اللہ تجھ سے ضرور حساب لے گا۔" اب وہ بے بسی سے رو رہی تھی۔ بچوں کے تذکرے پر جمیل ملول سا ہو گیا' پھر بولا۔

"بچوں سے تمہیں کتنی محبت ہے میں اچھی طرح جانتا ہوں' مجھے ایموشنل بلیک میل کرنے کی بجائے تم اپنا سامان سمیٹو۔"

"نہیں۔۔۔ میں نہیں جاؤں گی یہاں سے۔۔۔" وہ روتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"نکلو۔" جمیل کا ضبط جواب دے گیا اور وہ ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹتے ہوئے باہر نکالنے لگا۔ کمرے کے باہر کھڑی زینت بی رو پڑیں۔ بے لگام خواہشیں انسان کو اسی طرح برباد کرتی ہیں۔ پتا نہیں سونو کو یکدم کیا ہوا' وہ زینت بی کا آنچل چھوڑ کر چندا کے پیچھے بھاگا۔

"مما۔ مما۔ مت جائیں۔ آپ مت روئیں۔ پلیز پاپا۔ پلیز انہیں مت نکالیں۔" اس کا پیر نہ جانے کس چیز سے رپٹا تھا۔ وہ منہ کے بل گرا۔ زینت بی دوڑ کر اس کے نزدیک آئیں۔ مگر جمیل رکا نہیں۔ اس نے چندا کو باہر نکال کر دم لیا اور حق مہر کا چیک اور چند زیورات جو شاید اس کی ملکیت تھے ایک

تھیلی کی صورت اس کے منہ پر مارے۔ آصف کے چہرے پر "برے پھنسے" والے تاثرات تھے۔

"یاد رکھنا... میں تجھے چھوڑوں گی نہیں۔ جیسے تو نے مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ میں بھی تجھے جیتے جی کہیں کا نہیں چھوڑوں گی.... یہ میرا تجھ سے وعدہ ہے۔" اسے جیسے دورہ سا پڑ گیا تھا۔

آصف نے زیورات کی تھیلی اٹھائی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ "اب چلو اس سے پہلے کہ تمہارا شوہر... میرا مطلب ہے کہ وہ کمینہ انسان پولیس بلوا لے۔"

معرش سے فرش پر آجانے کے اور اک کو کیا کہتے ہیں، چندا بس اسی اوراک کے زیر اثر تھی۔ ذہن شل، سوچیں منتشر اور قدم... وہ اٹھ تو رہے تھے مگر منزل نامعلوم تھی، ہمیشہ کی طرح... اندر کھڑے چاروں نفوس کی آنکھیں اشکبار تھیں۔ ایک گھر ٹوٹا تھا۔ چار زندگیاں تباہ ہوئی تھیں۔ آگے زندگی کا نقشہ کیا ہونے والا تھا۔ یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ آگ سے کھیلنے کا منطقی انجام ہوچکا تھا۔

✡ ✡ ✡

"آخر اسے ہوا کیا ہے؟" سعدیہ ازحد پریشانی سے پاس سے گزرتی ڈاکٹر سے پوچھنے لگیں۔ رات ساڑھے تین بجے ساڑ اسے اسپتال لے کر آیا تھا۔ میرب کی حالت بے حد خراب تھی۔ اسی نے سعدیہ اور ماریہ کو بلوانے کا کہا۔ اس نے بلوا لیا۔ اب وہ لوگ پچھلے آدھ گھنٹے سے ڈاکٹروں کی بھاگ دوڑ دیکھ رہے تھے۔

"دیکھیں بی بی... " ڈاکٹر اپنے مخصوص لہجے میں بولی۔ "نہ جانے آپ کے پیشنٹ نے کون سی دوائی استعمال کرلی ہے، اس کا ری ایکشن ہو رہا ہے اور کچھ نہیں، ارے اگر بے بی نہیں چاہیے تھا تو شروع میں ہی کچھ کرلیتیں، اب ان کا چھٹا مہینہ چل رہا ہے۔ ایسے میں دوائی نے کیا کرنا تھا سوائے ان کی طبیعت خراب کرنے کے۔"

"کیا مطلب؟" ماریہ نے اچنبھے سے ڈاکٹر کو دیکھا۔

"آپ میرڈ ہیں؟" ڈاکٹر نے ناپسندیدہ نگاہوں سے اسے دیکھا، وہ جھینپ گئی، پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

"بس تو پھر مطلب آپ کی سمجھ میں نہیں آسکتا، آپ کی سمجھ میں تو آگیا ہے نا۔" اس نے سعدیہ بیگم کی جانب دیکھا جو منہ کھولے بے یقینی سے ڈاکٹر کی بات سن رہی تھیں۔

"مگر... ایسے کیسے... میرا مطلب ہے کہ وہ ہرگز اتنی بڑی بے وقوفی نہیں کرسکتی۔"

"اب یہ سب ہمیں نہیں پتا، ہم انہیں ٹریٹ کررہے ہیں، آپ دعا کریں۔" وہ کہہ کر چل دیں۔ ساڑ اس وقت کوریڈور میں تھا نہیں، اس لیے ڈاکٹر کی بات سن نہیں سکا۔

"امی! ڈاکٹر کیا کہہ رہی تھیں؟"

"وہ اس نے غلطی سے شاید کوئی دوا وغیرہ کھائی ہے، اس کا ری ایکشن ہوگیا ہے، اس کنڈیشن میں کوئی دوائی اپنی مرضی سے نہیں کھانی چاہیے۔" وہ بینچ پر بیٹھ گئیں۔ ان کا ذہن عجیب خدشے کا شکار ہوگیا۔

"وہ ایسا تو نہیں کرسکتی۔" ماریہ انکاری ہوئی۔

"دعا کرو، اس کی طبیعت بنا کوئی نقصان ہوئے سنبھل جائے، پتا نہیں بچی کس نحوست کا شکار ہوگئی ہے۔" وہ بے حد غصے سے بولیں۔

"نحوست یا سازش؟" ماریہ کے ذہن میں جھماکے ہونے لگے۔

✡ ✡ ✡

ثمینہ کے توسط سے چندا کی طلاق کی خبر جنگل کی آگ کی طرح سارے خاندان میں پھیل چکی تھی۔ ساتھ ہی یہ بات بھی کہ اس کے شوہر نے اسے اس کے "آشنا" کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا تھا۔ بہنوں کے دلوں پر یہ خبر بانند برق گری تھی اور بلی جان... ان کے دل نے تو یہ اندوہناک خبر سن کر دھڑکنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ سب ان کی موت کا ذمے دار چندا کو ٹھہرا رہے تھے۔ سب نے اس کا بائیکاٹ کردیا تھا۔ بہنوں کو بھی اس سے شدید نفرت ہوچلی تھی۔ کسی کے دل

میں۔۔۔ زندگی میں اس کے لیے کوئی جگہ نہیں بچی تھی' تو گھر میں اسے جگہ کیسے دی جا سکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

میرب بری طرح رو رہی تھی۔ ماریہ اور سعدیہ بڑی فکرمندی بیٹھی تھیں۔

"بیٹا۔۔۔ مجھے تم سے ایسی بے وقوفی کی امید نہیں تھی۔ تم ماشاء اللہ پڑھی لکھی لڑکی ہو۔ ایسے کیسے تم نے اسقاط حمل دوا استعمال کرلی۔" سعدیہ ذرا ڈپٹتے ہوئے بولیں۔

"کیا۔۔۔!؟" وہ رونا دھونا بھول کر یک دم ان کی جانب تحیر سے دیکھنے لگی۔

"کسی کاربی ایکشن ہوا ہے' وہ تو شکر کرو کہ تمہارے بے بی کی جان بچ گئی' بڑی دقتوں سے ڈاکٹروں نے معاملہ سنبھالا۔"

"مگر میں نے ایسی کوئی دوائی استعمال نہیں کی' کیوں کروں گی' پاگل ہوں کیا؟" وہ غصے سے بولی۔

"تو اس کا مطلب یہ ہوا۔" ماریہ ٹھہرے لہجے میں بولی "کہ کسی نے تمہیں چالاکی سے وہ دوائی کھلا دی تھی۔ دیکھو نا تمہارے ساتھ ہونے والے پے در پے حادثے اتفاق تو نہیں ہوسکتے۔ یہ پوری کڑی ہے جو سازش کرنے والے تک جاتی ہے۔" وہ کہہ کر خاموش ہوگئی۔ میرب گہری سوچ سے چونکی۔ سعدیہ حیرانی سے اس کی بات سن رہی تھیں۔

"مگر کون کرسکتا ہے یہ گھناؤنی حرکتیں۔۔۔ ہمارے گھر میں تو زیادہ لوگ بھی نہیں۔" وہ خائف ہو کر بولی۔

"شاید اجیہ۔۔۔ کیونکہ تمہارے ساتھ یہ حادثات اس کے نکاح کے بعد ہونا شروع ہوئے ہیں' کیا پتا وہ سائر بھائی اور انکل کا غصہ تمہیں نقصان پہنچا کر نکال رہی ہو۔"

"نہیں۔۔۔ وہ ایسی نہیں ہے۔" میرب بے یقینی سے بولی۔

"تم کیا فضول باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو لڑکی۔" سعدیہ نے گھر کا۔

"میں فضول نہیں بول رہی ہوں امی۔۔۔ اب تو اس کی جان پر بن چکی ہے' خدارا آپ لوگ اب تو اس معاملے کو سنجیدگی سے لے لیں۔" وہ ملتجی ہوئی۔

"آنٹی۔۔۔! ٹھیک کہہ رہی ہے ماریہ۔۔۔ اتنے سارے حادثات محض اتفاق نہیں ہوسکتے۔" وہ بولی۔

"تو پھر کون ہوسکتا ہے اس سب کے پیچھے۔" وہ تشویش ناک لہجے میں بولیں۔

"اجیہ جذباتی احمق لڑکی ہے۔۔۔ وہی ہوگی۔" ماریہ وثوق سے بولی۔

"لالی۔۔۔ ہاں لالی۔۔۔ وہ گھر کے فرد کی طرح ہے' سب کے معمولات پر بھی عموماً نظر رکھتی ہے' پھر آپ نے اسے میرا خیال کرنے کی تاکید کی تھی' وہ میرا خیال بھی رکھ رہی تھی۔ اس سے کچھ معلوم کرنے کی کوشش کرو' شاید اس نے گھر میں کوئی غیر معمولی بات نوٹ کی ہو۔" میرب نحیف آواز میں بولی۔

"ہاں۔۔۔ یہ ٹھیک رہے گا۔" ماریہ متفق ہوئی۔

"ایسا کرو۔۔۔ میری چند ضروری چیزیں بھی گھر سے لے آؤ' میں تو ظاہر ہے رات میں درد سے بے حال افراتفری میں یہاں آگئی تھی اور جا کر لالی سے کچھ معلوم بھی کرنے کی کوشش کرو۔ ذرا پتا تو چلے کہ کون ہے' جو میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی چھین لینے کے درپے ہے۔" وہ برہم ہو کر بولی۔

"ہاں۔۔۔ سائر کے ساتھ چلی جاؤ۔" سعدیہ بولیں۔

"وہ تو کبھی کے گھر جاچکے ہیں۔" اس نے طنزیہ کہا۔

"سائر گھر چلے گئے؟" میرب حیرانی سے پوچھنے لگی۔

"ہاں۔۔۔" ماریہ سلگتے ہوئے بولی "ان کی شاید نیند ڈسٹرب ہوگئی ہوگی وہی پوری کرنے گئے ہوں گے۔"

سعدیہ کچھ نہیں بولیں' تاہم رنج و غصے کے ملے جلے تاثرات ان کے چہرے پر ابھرے تھے۔

☆ ☆ ☆

جمیل نے لاہور ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا اور اپنے

ملنے جلنے والوں کو بھی۔ وہ پچھلا ہر حوالہ اپنی زندگی سے کھرچ کر پھینک دینا چاہتا تھا۔ اچھی بات یہ ہوئی کہ اس کی بہنیں اور بھائی دور دراز شہروں میں بسے تھے۔ پھر اس کے کوئی خاص قریبی رشتے دار بھی لاہور میں نہیں تھے۔ سو انہیں چندا کے متعلق وہی پتا چلا جو جمیل نے بتایا اور جمیل نے بڑے آرام سے اس کے مر جانے کی خبر انہیں دی۔ سب نے جنازے پر نہ بلانے کا شکوہ کیا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ہوتا تو دیتا۔ وہ اپنے بچوں کی اچھی تعلیم و تربیت کے لیے انہیں لے کر کراچی آبسا۔ یہیں کاروبار بھی منتقل کر لیا۔ زندگی کا پچھلا باب بند ہو چکا تھا۔ نیا شروع ہونے کو تھا۔

☆ ☆ ☆

"سلام بی بی جی۔۔۔ آپ اتنی صبح صبح۔۔۔ سب خیر تو ہے جی۔" لالی کرسیاں جھاڑ رہی تھی جب لاؤنج میں داخل ہوتی ماریہ کو دیکھ کر چونکی۔

"بڑا سناٹا پھیلا ہوا ہے گھر میں' لگتا ہے سب بڑی میٹھی نیند سو رہے ہیں۔" وہ طنزیہ بولی۔

"سائر صاحب تو آفس گئے ہیں۔ اجیہ بی بی کالج۔ بڑے صاحب اٹھ گئے تھے۔ اب اپنے کتابوں والے کمرے میں ہیں۔"

"چہ خوب!" وہ ہنس کر بولی۔ "یعنی میرب مرے یا جیے ان لوگوں کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔" اس کی آواز تیز ہو گئی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ بی بی جی۔" لالی بے چاری گھبرا کر بولی۔ "وہ تو اپنے کمرے میں سو رہی ہیں' آپ چلی جائیں ان کے کمرے میں۔۔۔"

"وہ اپنے کمرے میں نہیں۔۔۔ اس وقت اسپتال میں درد سے بے حال پڑی ہے اور یہاں بے خبری کا یہ عالم ہے کہ کسی کو کچھ معلوم ہی نہیں۔"

"کیا بات کر رہی ہیں آپ۔۔۔" وہ یک دم بولی "کیا ہوا انہیں؟"

"کسی نے اسے بچہ ضائع کرنے کی دوائی کھلادی ہے۔"

"ہوئی میرے اللہ۔" لالی دھک سے رہ گئی۔ "کس نے کیا یہ ظلم؟"

"یہ تو تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے۔" وہ درشتی سے بولی۔

"بہرحال۔۔۔ میں اس کے کمرے میں اس کا ضروری سامان لینے جا رہی ہوں۔" وہ کہہ کر اس کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ اس کا ضروری سامان سمیٹا اور بیگ لیے واپس نیچے اتری۔ تو پریشان صورت لیے وقار کو اپنا منتظر پایا۔

"کیا ہوا بیٹا۔۔۔ یہ لالی بتا رہی ہے کہ میرب اسپتال میں ہے۔"

"جی۔۔۔ رات میں اس کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ سائر بھائی اسے اسپتال چھوڑ کر واپس گھر آ گئے تھے۔ حیرت ہے۔ انہوں نے آپ کو نہیں بتایا۔" وہ شرمندہ کرنے والے لہجے میں بولی۔ وہ از حد شرمندہ ہو بھی گئے۔

"بس بیٹا۔ شاید میری پریشانی کی وجہ سے نہیں بتایا ہو گا۔"

"مگر اسے ہوا کیا ہے؟" اب وہ انہیں کیا بتاتی۔ بس اسی قدر بولی۔

"کوئی دوائی کھلادی ہے کسی نے اس کو۔۔۔ اس لیے اس کی طبیعت بگڑ گئی۔"

"کسی نے دوائی کھلادی۔۔۔ کس نے؟" وہ استعجابیہ لہجے میں بولے۔

"وہ سب مجھے نہیں معلوم۔ امی آپ کو فون کریں گی۔ باقی باتیں ان سے معلوم کر لیجیے گا۔ مجھے ذرا جلدی ہے۔" وہ اجنبیت سے کہہ کر آگے بڑھ گئی۔

"یہ ہو کیا رہا ہے میرے گھر میں۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے صوفے پر بیٹھ کر اپنا ماتھا سہلانے لگے۔ ساری بات سنتی لالی کے ذہن میں کچھ کلبلایا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آپ خود سوچیے بھائی صاحب۔۔۔ کیا آپ ان

مسلسل حادثوں کو اتفاق سمجھ سکتے ہیں۔" وقار' ماریہ کے نکلنے کے کچھ دیر بعد خود بھی میرب کو دیکھنے چلے آئے تھے۔ اب حال احوال کے بعد سعدیہ بیگم نے صاف صاف بات کرنے کی ٹھان لی تھی۔ وقار سوچ میں پڑ گئے۔ میرب دھیرے دھیرے سسک رہی تھی۔ ماریہ ہاتھ باندھے غصے میں کھڑی تھی۔

"اگر میں آپ کی بات تسلیم کر بھی لوں۔۔۔ تو ایسا کون ہے جو اس ننھی جان کو دنیا میں آنے سے قبل ہی ختم کرنا چاہے گا۔ میں کس پر شک کروں۔" وہ الٹا ان ہی سے پوچھنے لگے تو ماریہ جھٹ سے بولی۔

"ظاہر ہے گھر والوں کے علاوہ آپ شک کر بھی کس پہ سکتے ہیں۔" اس کی بات پر وقار نے ناگواری محسوس کی۔

"بیٹی! گھر والوں کو اس سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے' بات سوچ سمجھ کر منہ سے نکالنی چاہیے۔"

"بھائی صاحب۔۔۔ بات غور کرنے کی ہے کہ کوئی اس کے پیچھے اگر پڑا ہوا ہے تو دشمنی ہی میں پڑا ہوا ہے نا اور ایسی دشمنی کون کر سکتا ہے۔"

"ارے بھئی۔۔۔ میں یہی تو کہہ رہا ہوں کہ گھر میں کون کر رہا ہے اس سے دشمنی' کسی کو کیا غرض پڑی ہے۔" وہ چڑ گئے۔

"غرض کا تو پتا نہیں' ہو سکتا ہے کہ کوئی اپنی ناکام آرزوؤں کا بدلہ نکال رہا ہو۔" ماریہ بولی۔ وقار چونک کر پوچھنے لگے۔

"کون۔۔۔ کون نکال رہا ہے بدلہ' کسے کہہ رہی ہو؟؟"

"ہم کسی کو نہیں کہہ رہے۔" سعدیہ جلدی سے بولیں اور ماریہ کو آنکھیں دکھائیں' وہ ہونہہ کہہ کر دوسری جانب دیکھنے لگی۔ "یہ تو آپ معلوم کریں ہم تو بس یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ان واقعات کے عقب میں کوئی نہ کوئی وجہ ضرور موجود ہے۔ اب دیکھیں نا کسی نے تو اسے دوا دی ہی ہے نا۔" بات معقول تھی' وقار سوچ میں ڈوب گئے۔

"تمہاری جب طبیعت خراب ہوئی۔۔۔ اس سے پہلے تم نے کچھ کھایا پیا تھا۔" ماریہ تفتیشی انداز میں پوچھنے لگی۔ میرب نے ذہن پر زور ڈالا۔

"ہاں۔۔۔" اسے یاد آیا "وہ دودھ پیا تھا رات کو سوتے وقت۔۔۔" وہ کہہ کر ٹکر ٹکر سب کی صورت دیکھنے لگی۔ "مگر وہ تو سائرہ روز دیتے ہیں۔"

"سائرہ بھائی۔۔!" ماریہ بری طرح چونکی۔

"یہ کیا بے ہودگی ہے بیٹی۔۔۔" وقار بے حد کرختی سے مگر اپنے لہجے کو دھیما کر کے بولے۔

"خدانخواستہ یہاں عدالت نہیں لگی ہوئی' جو تم یوں جرح پر جرح کر کے بار بار میرے بچوں کو کٹہرے میں کھڑا کر رہی ہو۔ آخر حد ہوتی ہے کسی بات کی۔"

"دیکھیں بھائی صاحب۔۔۔ حد تو اب واقعی ہو ہی گئی ہے۔ آج میرب مرتے مرتے بچی ہے۔ اللہ نہ کرے آج اگر یہ جان سے چلی جاتی تب پھر باقی کیا رہ جاتا۔ اگر یہ کسی مشکل میں گرفتار ہو گئی ہے تو اسے آزاد کروانا ہمارا ہی فرض بنتا ہے کہ نہیں۔۔۔ پہلی بار یہ ایکسیڈنٹ سے بال بال بچی' چلو اسے اتفاق سمجھ بھی لیا جائے تو پھر وہ باتھ روم میں پھسلنے والا واقعہ۔ جس کی زد میں آپ کی کام والی بے چاری مفت میں آ گئی۔۔۔ اس کے بعد اس کا سیڑھیوں سے پھسل جانا' کیا آپ کو نہیں لگتا ہے کہ کوئی قریبی ہی یہ سب کام کر سکتا ہے۔"

"مگر وہ سیڑھیوں سے اتفاقاً" ہی تو پھسلی تھی۔" وقار کمزور اور روئے لہجے میں بولے۔

"اتفاق۔۔۔ نہیں بھائی صاحب۔۔۔" اس کے سلیپرز کے تلووں کو باقاعدہ گریسی کیا گیا تھا۔ یہ بات ہمیں لالی نے بتائی تھی کہ باجی کی چپل چکنی ہو رہی تھی۔ اس نے بعد میں دھوئی تھی شاید۔۔۔" سعدیہ بولیں۔

"دیکھیے ہم کسی پر شک نہیں کر رہے مگر ہمیں بچی کی سیفٹی بھی تو کرنی ہے نا' ایسے کیسے چلے گا۔" سعدیہ کا لہجہ ترش تھا۔

میرب اب آنکھوں پر بازو رکھے سسک رہی تھی۔ ماریہ غالباً" ابھی واقعات کے ٹانکے بانکے جوڑنے میں مصروف تھی اور وقار۔۔۔ وقار سر جھکائے مجرم سے بنے بیٹھے تھے۔ آخر کیا تھا یہ سب۔۔۔ ان کی تو سمجھ

سے قطعی باہر تھا۔

☆ ☆ ☆

آصف نے چندا سے نکاح نہیں کیا۔ اس نے چندا کو تب تک اپنے ساتھ رکھا' جب تک اس کے پاس حق مہر کی رقم اور زیور موجود رہے۔ وہ دونوں ہی کام کاج سے فارغ تھے۔ لہٰذا قارون کا خزانہ جلد ہی ختم ہو گیا اور نوبت پہلے تو ایک دوسرے کو کوسنے' پھر برا بھلا کہنے اور آخر میں علیحدگی تک آگئی۔ چندا حقیقی معنوں میں روڈ پر آگئی تھی۔ خود غرض تھی' اس لیے بے غیرت بھی۔

سو وہ بڑی بے غیرتی سے اپنی دانست میں اپنے "میکے" کے گھر گئی۔۔۔ وہاں وہی ہوا جو اس کے ساتھ ہو سکتا تھا۔ یعنی قاسم نے اسے گھر میں گھسنے بھی نہ دیا۔ اس روز اتفاق سے ماٹو بھی وہاں آئی ہوئی تھی۔ اسے چندا کی دگرگوں حالت دیکھ کر بہت افسوس ہوا۔ اس نے ازراہ ہمدردی سے اپنے کراچی والے گھر کا ایڈریس تھما دیا کہ کبھی ضرورت پڑے تو وہ وہاں آسکتی ہے۔ چندا نے غصے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے ان سب کو لعن طعن' گالیاں' کوسنے دیے اور وہاں سے سیدھی ستارہ کے گھر چلی آئی۔

"ہوں۔۔۔ تو کرتے ہیں پھر کچھ۔۔۔ سب سے پہلے تو تمہارا کام کرنا ضروری ہے۔ یقیناً تم کر لوگی ہی۔۔۔ میں بات کرتی ہوں کسی سے۔۔۔ لیکن پہلے ہی بتا دوں ضروری نہیں کہ تمہیں کوئی بہت اچھا رول یا کام ہی ملے۔ جو بھی ملے گا شکر کر کے کر لینا۔" اس نے صاف لفظوں میں جتایا اور چندا کے پاس پہلے کی طرح نہ آپشنز تھے' نہ نخرے دکھانے کی اجازت۔۔۔ سو وہ خاموش ہی رہی۔

☆ ☆ ☆
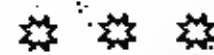
گھر واپسی پر وقار کے دل و دماغ پہ جامد چپ اور سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہ سوچنا چاہتے تھے مگر عجیب بات تھی کہ سوچ نہیں پا رہے تھے۔ کافی دیر سے ایک ہی انداز میں اپنی مخصوص راکنگ چیئر پر اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے رکھی چائے کبھی کی ٹھنڈی پڑ چکی تھی۔ تب ہی لالی دستک دے کر جھجکتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

"صاحب جی۔۔۔" اس نے انہیں پکارا تو ان کی سوچوں کا ارتکاز ٹوٹا۔ انہوں نے بے تاثر سنجیدہ نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"وہ۔۔۔ جی میں نے سنا ہے کہ بی بی جی کی طبیعت کوئی دوائی کھا لینے سے بگڑ گئی ہے۔" وقار ہنوز اس کی جانب سابقہ انداز سے دیکھتے رہے۔

"وہ۔۔۔" وہ کچھ دیر کشمکش و پیچ میں مبتلا رہی' پھر اس نے جیسے کوئی فیصلہ کر کے اپنا سیدھا ہاتھ آگے کیا۔

"یہ مجھے کل رات سلیب پر خالی رکھی ہوئی ملی تھی جی۔۔۔ میں نے اپنی دوائی رکھنے کے واسطے اسے اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا تھا اس پر کیا لکھا ہے' مجھے پڑھنا نہیں آتا' آپ دیکھیں۔۔۔ کہیں یہی دوائی تو بی بی کو نہیں دی کسی نے۔"

وہ ڈرتے' جھجکتے کہہ ہی گئی۔ وقار نے جھٹ اس کے ہاتھ سے شیشی چھین کر دیکھی اور اس لمحے انہوں نے سوچا کاش۔۔۔ انہیں بھی پڑھنا نہ آتا ہوتا۔ انہوں نے اپنے لرزتے ہاتھوں پر قابو پا کر پوچھا۔

"کہاں سے اٹھائی ہے۔۔۔"

"کل رات سلیب پر رکھی ہوئی تھی وہیں سے۔۔۔" وہ خائف ہو کر بولی۔

"کس نے رکھی تھی وہاں۔۔۔ تمہارا تو زیادہ تر وقت وہیں گزرتا ہے' کیا تم نے دیکھا تھا کسی کو؟؟" وہ یوں بول رہے تھے جیسے بولنا نہ چاہتے ہوں۔

"وہ جی۔۔۔ باورچی خانے سے نکلتے تو میں نے ساڑ صاحب کو دیکھا تھا' وہ بی بی کے لیے دودھ لے جا رہے تھے۔" اس کی آواز میں بارود تھا جو وقار کے وجود کے پرخچے اڑا گیا۔

"وہ صاحب آپ کو یہ شیشی اس لیے دی کہ آپ پتا لگا سکیں کہ کہیں یہی تو وہ زہر نہیں جو بی بی کو دیا گیا ہے۔ بی بی بہت اچھی ہیں' نہ جانے کون ان کے پیچھے پڑ گیا ہے۔" وہ روندھی ہوئی آواز میں بولی۔

تو وقار نے سرد آواز میں کہا۔ "اب جاؤ۔ اور ہاں آج مجھے بالکل ڈسٹرب مت کرنا۔" وہ سرہلا کر باہر چل دی۔

"یہ... یہ ساڑ کا کون سا روپ ہے۔ میرا بیٹا اتنا حساس اتنا نرم دل اور یہ سب؟" وہ تھرا اٹھے۔

"مگر نہیں... مجھے اس پر الزام لگانے سے قبل ایک بار اس سے پوچھ ضرور لینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی بہت بڑی غلط فہمی ہو رہی ہو۔ ہاں ہو سکتا ہے' کیوں نہیں ہو سکتا۔" وہ بیک وقت یقین اور بے یقینی کے درمیان جھول رہے تھے۔

✡ ✡ ✡

"میگزین مارکیٹ میں آگیا ہے اجیہ۔ خدا کی قسم تیری کیا حسین تصویریں آئی ہیں۔ تو دیکھے گی تو تجھے خود یقین نہیں آئے گا۔" گل خوشی سے کپکپاتی آواز میں بولی۔

"امی... مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے۔" وہ ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔

"پاگل..." وہ جیسے اس کی معصومیت پر ہنس دی۔ "اب کیوں ڈر رہی ہے تو' اب جا کر تو وہ وقت آیا ہے جب تیرے سارے ڈر اور خوف سب ختم ہو جانے ہیں۔ میں ہوں نا تیرے ساتھ' تو کیوں گھبرا رہی ہے۔" وہ اسے حوصلہ دیتے ہوئے بولی۔

"پھر بھی امی... جب سب کو پتا چلے گا تو نہ جانے یہ لوگ کیا ری ایکٹ کریں۔"

"تو ہم نے یہ سب ان سے بدلہ لینے ہی کی خاطر تو کیا ہے۔ یہ لوگ بڑے عزت دار بنتے ہیں' اپنی نام نہاد عزت کی خاطر انہوں نے تیرا دل' تیری زندگی برباد کر دی۔ اب تو کیوں ان کی اتنی فکر کر رہی ہے۔ اب تو تو نے میرے پاس ہی آجانا ہے۔"

"ٹھیک تو آپ ٹھیک رہی ہیں۔" وہ یک دم نڈر ہو کر بولی' انہوں نے میری زندگی کی اولین خوشی کچل کر رکھ دی' میرے دل کو بسنے سے پہلے اجاڑ دیا۔ آپ صحیح کہہ رہی ہیں' مجھے ان کے رد عمل کی اتنی پروا نہیں کرنی چاہیے اور پروا ہو بھی کیوں' ان لوگوں نے میری پروا بھلا کب کی ہے جو مجھے ان کی ہو؟ اب وہ غصے میں آگئی۔

"بس تو... تو تیار رہ' بہت جلد تو میرے پاس آنے والی ہے ہمیشہ کے لیے۔" گل کی آنکھوں میں فتح تھی۔ سرشاری تھی اور لہجے میں کھنک۔

✡ ✡ ✡

میرب ڈیڑھ دن اسپتال میں رہ کر ماریہ کے گھر آچکی تھی۔ اس پورے عرصے میں ساڑ نے ایک بار بھی فون کر کے اس کی خیر' خیریت دریافت کرنے کی چنداں ضرورت محسوس نہیں کی اور یہی چیز اسے بری طرح چبھ رہی تھی اور ماریہ کے شکوک کو یقین میں بدل رہی تھی۔

"اگر اس سب کے پیچھے واقعی ساڑ بھائی ہوئے تو..." ماریہ کہتے ہوئے فکر مندی اور اضطراب سے نڈھال سی لیٹی میرب کو دیکھنے لگی۔

"ساڑ... نہیں... نہیں' وہ ایسا کیسے کر سکتے ہیں' دنیا کا کون سا باپ اتنا سنگ دل اور ظالم ہو سکتا ہے جو اپنی اولاد کی جان کے درپے ہو۔" میرب کو یہ بات ہضم نہیں ہو رہی تھی۔

آخر کیا بنے گا اس کی بے یقین زندگی کا۔ ماریہ کو یہ تشویش کھائے جا رہی تھی۔ وہ میرب کے بستر کے نزدیک خاموش بیٹھی سوچ رہی تھی اور میرب بیڈ پر آنکھیں موندے۔

✡ ✡ ✡

پھر چندا کو واقعی جو بھی' جیسا بھی کام ملا وہ کرنے لگی... کیوں نہ کرتی کہ ستارہ نے بھی بے لاگ و لپٹ کہہ دیا تھا کہ "کام کرو گی تو یہاں شیئرنگ کی بنیاد پر رہ سکو گی' وگرنہ تو اپنا راستہ ناپو۔" لہٰذا چندا فلموں میں بطور ایکسٹرا کام کرنے لگی۔ کبھی وہ برہنہ بازو لیے کسی ڈانس کلب میں مٹک مٹک کر ہیرو کو رجھاتی دکھائی دیتی' تو کبھی ہیروئن کی ڈھیروں سہیلیوں کی جھرمٹ

میں ہیروئن کی سالگرہ پر تالیاں بجاتی۔ تو کبھی کسی باغ میں ایکسٹرا ڈانسرز کے ساتھ تھرکتی ہوئی' نہ جانے کیا بات تھی کہ اب اس کا ساحر حسن کام نہیں آرہا تھا۔ ہر چند کہ وہ اب ہر پابندی سے آزاد تھی مگر نہ جانے کیا چیز تھی جو اب اس کے آڑے آرہی تھی۔۔۔ وہ بظاہر خاموش ہو چکی تھی مگر اس کے سلگتے دل میں کتنے طوفان پنہاں تھے' یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ راتوں کو جب کھری چارپائی پر لیٹتی تو بلا ارادہ ہی اسے اپنا شاہانہ کمرہ اس کا نرم گرم بیڈ اور کمرے کا ٹھنڈا ٹھنڈا ماحول یاد آنے لگتا تو وہ جھلا کر اٹھ بیٹھتی۔ بعض اوقات تو سگریٹ پھونکتے پھونکتے پوری رات بتا دیتی۔ ستارہ کی جب کبھی آنکھ کھلتی وہ اسے "سو جاؤ چندا!" کہہ کر کروٹ بدل لیتی۔ اس کی نیندیں حرام اور زندگی تلخ ہو چکی تھی اور یہ سب کیا دھرا کس کا تھا۔ بچھو کے ڈنک مارنے سے شاید اسے اتنی تکلیف نہ ہوتی' جتنی بلبلاہٹ اس خیال سے چندا کو ہوتی تھی کہ کس صفائی سے' کتنی مہارت سے وہ مرد۔۔۔ جو اس پر جان چھڑکتا تھا جو اس کا دیوانہ تھا' اسے بے وقوف بنا گیا تھا۔ کہانی الٹی ہو گئی تھی' اسے جنت سے بے دخل کر دیا گیا تھا۔

"تم نے مجھے برباد کر دیا جمیل۔۔۔ کہیں کا نہیں چھوڑا۔۔۔ یہ میرا خود سے وعدہ ہے کہ میں عنقریب تمہیں ایسا مزا چکھاؤں گی۔۔۔ ایسا سبق دوں گی کہ تم زندگی بھر یاد رکھو گے۔" وہ رات کے پچھلے پہر بری طرح سے سگریٹ پھونکتی ہوئی ہذیانی انداز میں سوچ رہی تھی۔

✲ ✲ ✲

"لالی! بابا کو بلاؤ' کہاں ہیں وہ' کیا کھانا نہیں کھائیں گے؟" سائر آفس سے آکر ہاتھ منہ دھو کر اب کھانا کھانے آیا تھا مگر وہ کھانے کی میز پر اکیلا تھا۔ اجیہ تو خیر اپنے کمرے ہی میں کھاتی تھی مگر وقار تو بہر حال اس کے ساتھ ہی موجود ہوا کرتے تھے۔ اسی لیے اس نے ڈونگوں کے ڈھکن ہٹا کر سالن وغیرہ دیکھتے ہوئے لالی سے دریافت کیا۔

"صاحب صبح سے کتابوں والے کمرے میں بند ہیں' انہوں نے منع کیا ہے جی کہ انہیں کوئی پریشان نہ کرے۔" لالی دکھی لہجے میں بولی۔

"خیریت۔۔۔" اس نے سالن پلیٹ میں ڈالتا ہاتھ روک کر پوچھا۔

"وہ جی۔۔۔ آپ کو تو پتا ہی ہے نا کہ میرب بی بی کتنی بیمار ہو گئی ہیں جی۔" لالی بڑی حیران کن پریشانی سے سائر کا نارمل انداز دیکھ رہی تھی۔

"اوہ۔۔۔ اپنا چمچہ واپس ڈونگے میں رکھ دیا' کسی کا فون آیا تھا؟" وہ سخت لہجے میں بولا۔

"نہیں۔۔۔ ماریہ بی بی آئی تھیں' یہاں میرب بی بی کا سامان لینے' تب صاحب کو پتا چلا۔"

"کیا بتایا اس نے؟" وہ محتاط لہجے میں نگاہیں چرا کر پوچھنے لگا۔

"بی بی کو کسی نے غلط دوائی کھلا دی ہے جی۔۔۔ اس سے ان کی طبیعت بگڑ گئی۔ کہہ رہی تھیں ان کی جان کو خطرہ ہو گیا ہے۔" سائر یک دم مضطربانہ اٹھ کھڑا ہوا اور تیزی سے لائبریری کی جانب بڑھا۔

"صاحب جی کھانا تو کھائیں۔" لالی نے پکارا۔

"رکھ دو۔۔۔ بھوک نہیں ہے۔" وہ بنا دستک دیے اندر داخل ہوا۔ کمرہ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

اس نے "بابا"۔ بابا پکارتے گھبرا کر لائٹ جلائی۔ سامنے ہی وقار کرسی پر بے حس و حرکت سر تھامے بیٹھے تھے۔

"بابا۔ بابا۔ کیا ہوا آپ کو۔۔۔؟" وہ دیوانہ وار ان کی جانب بڑھا۔ انہوں نے لال سرخ سوجی ہوئی آنکھیں اٹھا کر اجنبیت سے اسے دیکھا۔

"کون ہو تم؟" ان کے منہ سے سرسراتی آواز نکلی تھی۔

"بابا۔ میں آپ کا بیٹا۔ آپ کا سائر۔" وہ تڑپ کر ان کے گھٹنوں کے پاس آ بیٹھا۔ اور ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھنا چاہا۔

"ہٹو میرے پاس سے۔" انہوں نے اس بری طرح اس کا ہاتھ جھٹکا کہ وہ ششدر رہ گیا۔ "اور خبردار جو تم

ہوتا کیا معنی رکھتا ہے اور معیوب۔" یہاں آکر لہجہ
گہرا۔

"وہ مجھے قتل کیوں کر رہی تھی۔" کبھی وہ سوچتی ہے
بعد میں اس کی آنکھوں میں ہی اس تھا اور سب سے
پہلے کھلنا شروع ہو جاتا ہے۔ ہوش زدہ سا بار بار عورت
اپنی چال بازی اور مکر سے مجھے الجھا جاتی ہے مگر میں
بے وقوف ہوں نہ اس کی باتوں میں آ گئے والا سب
جانتا ہوں میں۔" تب ہی اس کی الجھی سوچوں کا سلسلہ
ایک جھٹکے سے ٹوٹا اور اس نے بے ساختہ ہی بریک
لگائے تھے کہ اس کی گاڑی کے سامنے بچی کچر میں
ملبوس سرعت سے بے نیاز بچہ یک دم ہی کہیں سے
نمودار ہوا تھا۔

بریک لگاتے لگاتے بھی ہلکی سی ٹکر بچے کو لگ ہی
گئی تو وہ بے چارہ سڑک پہ بری طرح گرا تو ساحر کے
حواس معطل ہو گئے۔

"ہائے میرا بچہ۔ میرا لال۔" ایک نہایت خستہ
حلیے والی عورت اسے اٹھا کر بری طرح چومنے لگی۔
ساحر میکانکی انداز میں گاڑی سے اترا اور گود میں بچہ
اٹھائی ہوئی عورت کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

"یہ تمہارا بچہ ہے؟"

"میرا بچہ۔ میرے جگر کا ٹکڑا صاحب جی آپ
نے تو اسے آدھی مار ڈالا۔" وہ روتے ہوئے بے بسی سے
بولی۔

"تمہارے کتنے بچے ہیں؟" ساحر اسے عجیب نظر
تاثر سے دیکھ رہا تھا۔

"چھ ہیں جی۔ سب سے چھوٹا ہے یہ جس کا
تو کر کے اسے کوئی اور کام دھندا نہیں۔ گھر کا خرچہ
میں لوگوں کے برتن مانجھ کر کے پورا کرتی ہوں۔ اب تو
میرے پاس پیسے بھی نہیں ہیں کہ اس کی چوٹ کو کہیں
دکھاؤں۔" وہ سسکیوں سے رو رہی تھی۔ بچہ الگ درد
سے چلا رہا تھا۔

"تمہیں اس سے محبت ہے؟" ساحر نے عجیب
طرح سے عجیب تر سوال کیا۔

"کس ماں کو اپنے بچے سے محبت نہیں ہوتی جی۔
ہم غریب ہیں تو کیا ہوا ہمارے اندر بھی سوچ رہے ہے
بالکل آپ لوگوں جیسا دل لگا رکھا ہے۔ ہم اپنی محبت
بچوں کو اچھے اچھے اور مہنگے کھلونے دلا کر نہیں
جتا سکتے۔ ہم ایک وقت خود فاقہ کر کے بچوں کو اس وقت
روٹی کھلا کر اپنی محبت دکھا سکتے ہیں۔" اس کا لہجہ اور
آنسو بھرے ہوئے تھے۔

"اگر میں کہوں کہ اپنا یہ بچہ کسی کو دے دو یا بیچ دو
تم کیا کرو گی؟"

"زندگی ہے تو میں کیوں اپنے جگر گوشے کو خود سے
الگ کیوں کروں، کیوں دوں کسی کو، کیوں ماروں اس کو تو،
کھنکھناتی ہوئی آواز ختم کر سکتی ہے۔" وہ خطرناک نظروں سے
اسے دیکھنے لگی۔ ساحر اس کا گرا سانولا چہرہ دیکھنے لگا۔
اس کے گرد ایک نور کا ہالہ تھا۔ ایک چاشنی کا حصار
تھا ایک ممتا بھری کشش تھی۔

جو اسے اس خوب صورت ترین عورت میں بھی
محسوس نہ ہو سکی جو اس کی "ماں" تھی۔

یقیناً وہ اس عورت کے وجود میں چھپا احساس تھا اور شاید
اس بے حس اور خود غرض اور خود پرست عورت پر
بھی بھاری نہ ہو سکا تھا۔ اس مصروف سڑک کے
دوسرے کنارے میں اشنی پر گھٹنوں کے بل بیٹھا بے یقین
ساحر زندگی کا ایک نیا سبق ایک ان پڑھ اور غریب ترین
عورت سے سیکھ رہا تھا۔

"اب سودا کا ہے۔" بچہ درد سے چلا اٹھا تو ماں
اسے بے تحاشا چوم رہی تھی اور ساحر کو اب کچھ عجیب
طرح سے سکون مل رہا تھا۔

"یہ لو۔" ساحر نے اپنی جیب سے سارے نوٹ نکال
کر اسے دیتے ہوئے کہا۔ "اپنے بچے کا علاج
کروا لینا۔"

"یہ تو بہت زیادہ ہیں صاحب۔" وہ غریب
عورت اتنے بہت سے نوٹ ایک ساتھ دیکھ کر
گھبرا گئی۔

"یہ بہت نہیں ہیں بہت کم ہیں۔ آج مجھے زندگی کا
میں کبھی نہیں بھول سکتا ہوں۔ تمہارا گھر کہاں
ہے؟" عورت نے سامنے خالی پلاٹ پر بنائی گئی

جگہوں کی جانب اشارہ کرتا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ میں پھر کوشش کروں گی۔" وہ اٹھا اور گاڑی میں بیٹھ کر کچھ لمبی سانسیں لینے لگا پھر گاڑی اسٹارٹ کر کے تیزی سے بھگا لے گیا۔

"سوالی ہے۔" وہ عورت بھاگتی گاڑی کو جاتے دیکھ کر بڑبڑائی۔

"کیا ہوا ہے۔" بچے نے بے صبری سے پوچھا۔

"چل آ کے تجھے بچی کے لا لاؤں۔ پھر تجھے بریانی اور مرغی کے کباب بھی بڑے ہوٹل سے کھلاؤں گی۔"

"سچی ماں؟" بچے کی پیلی آنکھیں روشن ہو گئیں۔

"ہاں بیٹا چل اب جلدی چل۔" وہ اسے گود میں اٹھا کر تیز تیز چلنے لگی۔

"پتہ نہیں کون دیوانہ تھا اور کیسے کیسے سوال کر رہا تھا کم عقل۔" کہتے ہوئے وہ بڑبڑا رہی تھی۔

٭ ٭ ٭

گاڑی کی ٹکر نے دونوں ہی کو بری طرح گھائل کیا تھا۔ آصف کی کمر کی ہڈی جگہ جگہ سے ٹوٹی اور سید کی ٹانگ کا گھٹنہ متاثر ہوا تھا۔ کئی دن وہ ہسپتال میں پڑی اپنی مختصر سی جمع پونجی سے اپنا علاج کرواتی رہی پھر جلد ہی پیسے ختم ہوئے علاج بھی ختم ہوا تو انتہا۔ اس کے ہونٹوں پہ تلخ مسکراہٹ آگئی جو کچھ اس نے بویا تھا وہ کاٹنا بہتر ہوا۔ اسے کھانے پینے کے لالے پڑ گئے ایسے وقت میں ستارہ نے اس پر صرف رحم کھایا بلکہ اسے زندگی گزارنے کے لیے مناسب مشورہ بھی دیا۔

وہ ایک بار اس کی بات سمجھ گئی۔ یوں اس بار اس میں تھوڑی تحمل و فکری بھی کر لی۔ وہ مکمل طور پر چلنے پھرنے سے معذور ہو چکی تھی مگر اس نے اب بھی شکست تسلیم نہیں کی تھی۔ اب اس کی زندگی کا اگر کوئی مقصد تھا تو وہ جمیل کی بربادی تھی۔ ایسی بربادی جس سے اس کی روح کانپ اٹھے۔ اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے دو تین بار جمیل کے گھر جا کر اس کو جا کر دیکھا بھی مگر تب یہ جان لیوا خبر ملی کہ جمیل نہ صرف شہر چھوڑ چکا ہے بلکہ اپنا گھر اور کاروبار بھی کہیں

اور شفٹ کر چکا ہے۔ کہاں سے یہ کسی کو نہیں پتا تھا۔ جن کو معلوم تھا وہ ان کے لیے مرگئی تھی۔

اس روز اعمل غیرہ کی بات الٹا سالی کر لگا وہ کر جانے کی وجہ سے کی مگر نہیں۔ ابھی اسے سخت ہوا تھا۔

٭ ٭ ٭

سارہ آندھی طوفان کی مانند گھر پہنچا تھا۔ وہ راستے ہی میں تھا جب ابا کی کال اسے موصول ہوئی۔ جلدی سے انہیں ہسپتال لے گیا اور اب وہ گھڑی ہی میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے تھے۔ سارہ کسی ڈرے ہوئے بچے کی مانند اس لمحے بیچ اور اضطراب میں مخصوص ماحول والے کاریڈور میں ادھر سے ادھر ٹہل رہا تھا۔ سر لٹکائے آنکھیں موندے ہوئے تھا آنسو ایک قطار کی صورت آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

"یا میرے اللہ یہ کیا ہو گیا میرے پیارے بابا جان میری نا اہل حرکت کی وجہ سے ان حالوں کو پہنچے ہیں۔ اگر انہیں کچھ ہو گیا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گا۔ آخر علی کیوں میں نے انہیں دکھ پہنچایا" انہوں نے مجھے کیا نہیں دیا۔ باپ کی شفقت کے ساتھ ساتھ ماں کی محبت بھی دی۔" میں نے انہیں کیا دیا۔" وقت تھا کہ ریت کی مانند ہاتھوں سے پھسلا جا رہا تھا اور ہر گزرتا لمحہ اس کے پچھتاوے میں اضافہ ہی کر رہا تھا۔ تب ہی اس کے فون کی بیل بجی وہ بری طرح چونکا پھر پاکٹ سے فون نکال کر آنسو پونچھتے ہوئے ریسیو کیا۔

"ہیلو۔" اس نے مشکل سی آواز میں کہا۔

"بیٹا سارہ یہ کیا آفت ٹوٹ پڑی ہم پہ کیا ہو گیا آخر؟" ممانی روتے ہوئے بولیں۔ سارہ نے بمشکل تمام خود پر قابو پا کر کہا۔

"جلیس ٹھیک ہو جائیں گے آپ دعا کریں۔"

"میں نے تو کل اور دی بات کرنے کے لیے وقار بھائی کو فون ملایا تھا گھر سے یہ خبر ملی۔ اب اب کہاں ہے۔" ممانی کے پوچھنے پر سارہ کو اس کا خیال آیا۔

"کوما میں ہے۔ ابھی اسے سب خبر نہیں دی۔"
میں نے فون سنا پہلی ٹرین سے نکلی ہے کہ میں بند ہو گئے
تک پہنچ رہی ہوں کراچی۔ میرے خدایا۔ میری تو کچھ
سمجھ میں نہیں آ رہا یہ سب ہو کیا رہا ہے۔ میرب کہاں
ہے؟ اس کی طبیعت کیسی ہے؟"
"آپ کے گھر ہے۔" اس نے مختصراً بتایا۔ ڈاکٹر تیزی
سے اس کے نزدیک آیا تھا اس کے ہاتھ پاؤں
ٹھنڈے پڑنے لگے۔
"کیا ہوا ڈاکٹر؟" وہ پریشان ہو کر بولا۔
"آپ دعا کریں ہم پوری کوشش کر رہے ہیں اور یہ
انجکشن فوراً منگوا لیں۔"
"اوکے ڈاکٹر۔" اس نے ڈاکٹر سے پرچا لیتے
ہوئے کہا پھر صبا سے مخاطب ہوا۔
"اچھا خدا حافظ۔ میں رکھتا ہوں۔"
"ہو سکے تو جلد کراچی آ جائیں۔ میں بس ان شاء اللہ پہنچ
ہی رہی ہوں۔"

☼ ☼ ☼

"جب تک وہ نئی تصویریں تیرے باپ تک پہنچ
چکی ہوں گی۔" اب کالج سے نکل رہی تھی جب اسے
کلثوم کی کال موصول ہوئی۔
"اچھا۔" وہ بے ساختہ بولی۔ "تب تو میں گھر
جانے کی بجائے آپ کی طرف آ جاتی ہوں۔ لیکن
وہاں کیا صورت حال ہو گی۔"
"تم بے عقل ہو۔" اس نے جیسے سر پیٹ لیا۔ "تو
وہاں جا کر تو دیکھ، وہاں جانے کی ضرورت نہیں تو دیکھ کیسے کہ
وہاں کیا قیامت مچی ہے تیری تصویر وہاں سے۔"
"مگر مجھے ڈر لگ رہا ہے امی۔" وہ خوف زدہ سی
بولی۔ "جانے بابا اور صائمہ میرے ساتھ کیا سلوک
کریں۔"
"اب اسے اور گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ
برا مان گئی۔ "جا کر گھر دیکھ کے مجھے برباد کرنے والوں کا کیا
انجام ہوا۔ تمہارے دل کو سکون ملے گا والوں پر کیا بیتی
اور پھر تمہیں کیا تو ہر حال میں پڑنے کا جلد آنا ہے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" وہ اپنی سہمے ہوئے انداز میں
بولی کیا طلب ہے راضی نہ ہو۔
"ٹھیک کہتے ہیں سیانے۔" کلثوم فون بند کرنے کے
بعد سوچ رہی تھی۔ "کبھی کے دن بڑے کبھی کی
راتیں۔ کل تمہارا راج تھا مجھ پر بھاری پڑا تھا جمیل۔
آج میرے مہرے نے تمہیں کہیں منہ دکھانے کے
قابل نہیں چھوڑا۔ میری تہمت اور ناکامی کا حساب اب
برابر ہوا چاہتا ہے اور آج سے تمہارے سکون اور چین
کے دن گنے جا چکے۔ برسوں پہلے جو زخم تم نے
مجھے دیا تھا۔ جمیل آج اس کا بدلہ میں نے لے لیا ہے
کہ برسوں سے یہی میری زندگی کا مقصد تھا۔
اس روز تم نے جشن منایا تھا آج میری باری
ہے ہاہاہا۔" اس نے دیوانوں کی طرح پورا منہ کھول کر
ہذیانی قہقہہ لگایا اور اپنے سامنے رکھی بوتل میں سے
مشروب انڈیلا اور غٹاغٹ چڑھا گئی۔
اس کے رگ و پے میں ایک عجیب سی سرمستی
اور سرور چھا گیا تھا۔ سراسر عارضی سرور۔

☼ ☼ ☼

صبا اپنی چارپائی سے سیدھی اچھلی چلی آ گئی۔
بکھرے بکھرے حلیے میں سوجی آنکھوں والے
مونس سے ملنے کے لیے اس نے فون کال کٹ کر کہا
"تب کیا کہتے ہیں ڈاکٹر؟" صبا نے پوچھا۔
"کہتے ہیں کچھ بہت اہم ہیں۔" اس نے مختصراً
بتایا اور بینچ پر ہاتھ مار کے کچھ کی کھڑکی کر لیا۔
"ان شاء اللہ، اللہ اپنا کرم کرے گا۔ تم کیوں ہلکان ہو رہے
ہو۔ صبر کرو اور تم اکیلے کیا کرو گے۔ میرب
کے گھر والوں کو اس وقت تمہارے ساتھ ہونا چاہیے
تھا۔ شکر ہے اس شہر میں تمہارا ان کے علاوہ کوئی رشتے
دار بھی تو نہیں۔" انہیں پتا ہے ساتھ منع کیا۔
"میں نے انہیں فون نہیں کیا۔" وہ نگاہیں چرا کر
بولا۔
"بہت حد کرتے ہو۔ انہیں اطلاع تو دینی چاہیے
تھی۔ رکو میں کرتی ہوں میرب کو فون اور یہ اچھا نہیں

"بابا تھی جیسے تنگ نظر تھے۔ انہوں نے بیٹی کی شادی کر کے ختم، انہوں نے ان کی زندگی تباہ کر دی تھی۔ آپ لوگوں نے بھی ان کا ساتھ نہیں دیا، انہیں بار بار طعنے بیٹی نے کر لیوں کے بیل کی طرح ان سے گھر کے کام لیے تھے۔ درحقیقت وہ اتنی خوب صورت اور کم عمر تھیں کہ زبردستی نہیں کر سکتے تھے۔ انہوں نے بیاہ کر کے رکھ دیا تھا۔ کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی نہایت پریشانی میں گزاری۔ صحت کی کمزوری کی وجہ سے انہیں طلاق کر نہیں پوچھا۔ بہت غلط کیا آپ لوگوں نے ان کے ساتھ بہت غلط۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"غلط تو ہم نے واقعی کیا انجب۔" صبا وہ تاسف سے اسے دیکھنے لگیں۔

"تمہیں حقیقت سے نا آشنا رکھ کے تمہارا بچپن تمہاری معصومیت چھن نہ جائے اس خوف سے ہم نے تمہیں آگہی کے عذاب سے بچایا۔ تم تکلیف ذلت میں تمہیں آنے والے وقت کے مسائل سے بچانے کی خاطر تمہارے باپ نے اپنا کیا فیصلہ؟؟ اپنے بیٹے رشتوں سے ملنا جلنا ترک کر دیا۔ تمہیں ایک محفوظ ماحول مستقبل دینے کی خاطر وقار بھائی نے اپنے دل میں کتنے جھوٹ گھر بسائے تھے یہ مجھ سے پوچھو۔"

"مجھے کسی سے کچھ نہیں پوچھنا۔ جھوٹے دغاباز ہیں آپ سب۔ آپ لوگوں نے بچپن ہی میں میری ماں سے جدا کر دیا مجھے۔ میں آپ لوگوں کو بھی معاف نہیں کر سکتی۔" وہ نفی میں سر ہلا کر بے طرح سسک رہی تھی۔

"ناسور کو وجود سے جدا کرنا ہی پڑتا ہے ورنہ تو وہ سارا جسم سڑا کر گلا کر ختم کر دیتا ہے۔" صبا اب خود بھی رونے لگیں بے بسی کے آنسو۔

"میری ماں کے لیے آپ ایسے الفاظ استعمال کرنے کا کوئی حق نہیں۔" وہ صدمے سے چلائی۔

"حقیقت کی بات ہے انجب! تم نہیں جانتیں۔ تم کچھ نہیں جانتیں۔ تم نہیں جانتیں کہ وہ کتنی خود غرض اور مفاد پرست عورت ہے۔ تم نہیں جانتیں کہ اس نے زندگی میں سوائے خود غرضی کے کچھ نہیں کیا۔ تم نہیں جانتیں وہ رشتوں کو نبھاتی نہیں، انہیں استعمال کرتی ہے اور تمہیں ان کا اندازہ تو ہو گا مگر اچھا ہے کہ ان ہی لوگوں کے وہ تمہیں بھی استعمال کرے گی بہت غلط طریقے سے۔"

"میں نہیں مانتی آپ کی کسی بات کو۔" وہ بدتمیزی سے چیخی۔

"تمہیں ماننا پڑے گا انجب۔ تم نے اس کی طرف کی کہانی بھی سنی۔ اب اس طرف کی کہانی بھی سنو۔ اس کے بعد فیصلہ کر لینا کہ تمہیں اپنے بیان کی صداقت کے لیے گواہوں کی ضرورت تو نہیں۔ لیکن اگر تمہیں ہو تو میں چشم دید گواہ بھی تمہارے سامنے لا سکتی ہوں اور لاؤں گی۔" وہ ذرا دیر ٹھہر کر ساجد کو دیکھنے لگیں جو لٹے پٹے انداز میں گم صم سا بیٹھا تھا۔

"تمہارا یہ بھائی۔ اس سے پوچھو کیا محروم اور اذیت ناک بچپن گزارا ہے اس نے جس کی نصیب ہے تم بچنے کی کم ہے نہیں۔" صبا اسے دیکھ کر طنزیہ بولیں۔

انجب کے آنسو گال گال بہہ رہے تھے۔ اسے جھٹکا لگا رہی تھی منہ تک۔

☆ ☆ ☆

وقت بدل گیا۔ حالات تبدیل ہو گئے۔ پاکستان فلم انڈسٹری کا زوال شروع ہو گیا۔ بے روزگاری پر ان جیسے اور موقع پرست لوگ قابض ہو گئے۔ سنیما کام ٹھپ ہو گیا۔ انڈسٹری سے وابستہ لوگوں کے گھر کے چولہے بجھنے لگے۔ کراچی میں ڈرامہ انڈسٹری فروغ پا رہی تھی۔ وہاں اب کام بہت تھا۔ سو متعلقہ لوگ تلاش معاش کی خاطر کراچی کا رخ کرنے لگے۔ پہلا موقع ان کا تھا جو ابھی تک کچھ بچی کچی لگی اور اپنی ایک جاننے والی کی وساطت سے میڈم کی کے پارلر میں جاب حاصل کی اور یہیں ایک چھوٹے اور خستہ سے فلیٹ میں رہنے لگی۔ زندگی میں کوئی دلچسپی بھی نہ رہی تھی کی

"میں جانتی ہوں۔ تمہیں فرق پڑ بھی کیسے سکتا ہے۔ احساس انسانوں کے دل کی میراث ہے۔ بے حس لوگوں کے اندر نہیں پنپتا۔" سہ پارہ نے نفرت سے کہا۔

"ہاہاہا۔" اس نے ایک قہقہہ لگایا۔ "چلو یہ بھی سہی۔ مگر یہ تو پتا چلے کہ آخر تمہارے یہاں آنے کا مقصد کیا ہے اور ہاں۔" اس نے چہرے کی لاپروائی کرتے ہوئے کہا۔ "کہاں ہیں میری نواسی اور بیٹی۔ تمہارے ساتھ نہیں آئی کیا۔ ان میں پوچھنا تو بھول ہی گئی۔ وہ زندہ بھی ہے یا اس کے عزت دار باپ نے غیرت کے نام پر اسے قتل کردیا۔"

"تم کیسی ماں ہو بیجو؟ ایک عورت بھلے اچھی بیٹی، بہن یا بیوی نہ بھی ہو مگر ایک ماں کے اچھے ہونے پر اپنی اولاد سے مخلص ہونے پر شبہ نہیں کیا جاسکتا مگر تم نے اس بات کی نفی کردی ہے۔ کیا کوئی ماں اتنی شقی القلب بھی ہو سکتی ہے۔ مجھے یقین نہیں آتا۔" ان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"جس کے خوابوں، خواہشوں، تمناؤں کا گلا قدم قدم پر گھونٹا گیا ہو اس سے تم اور کیا امید رکھتی ہو؟" [illegible]

"خواب، خواہش اور تمنائیں۔" سہ پارہ نے دہرایا۔ "کون سے خواب، کیسی خواہشیں اور کس بات کی تمنائیں۔ زندگی نے تمہیں کیا نہیں دیا۔ بہترین ماحول میں تمہاری پرورش ہوئی، یاد ہے بابا جان اپنے اور بچوں کی تربیت پر شاید کر جاتے ہوں مگر تم پر جان چھڑکتے تھے۔ اچھی شکل صورت، وفادار کمانے والا شوہر، پیاری صحت مند اولاد، کسی عورت کو بھلا اور کیا چاہیے ہوتا ہے ایک عورت کو زندگی میں۔ تمہیں تو سب کچھ بن مانگے ہی مل گیا تھا آخر تم پر کس بات کا جنون سوار رہا۔"

"یہ سب کچھ کسی عام عورت کے لیے متاع زیست ہوگا، میرے لیے نہیں۔" وہ غرور سے بولی۔ "مجھے آزاد فضاؤں میں اڑنا تھا۔ آسمان کو چھونا تھا۔ میں بلند پرواز تھی میری مگر مجھے ملا کیا ایک سفری قید خانہ جس میں، جہاں دم گھٹتا تھا سانس رکتی تھی میری۔" وہ اپنی گردن پر ہاتھ رکھ کر یوں بولی کہ جیسے اس کا دم واقعی گھٹ رہا ہو۔

"تمہاری غلط سوچ نے تمہاری زندگی تو برباد کی ہی، مگر تم سے وابستہ لوگوں کو بھی چین سے جینے نہیں دیا۔" سہ پارہ کو اس کے خیالات نے تپا کر رکھ دیا۔ "ایک غلط عورت صرف خود کو برباد نہیں کرتی کئی نسلیں تباہ کرتی ہے۔" تم نے یہ بات سچ ثابت کردی ہے چراغ تلے ہے تمہاری زندگی۔

وقار بھائی نے تمہیں محبت، پیسہ، عیش و آرام کیا نہیں دیا اور تم۔ تم ان کے ساتھ کیا کرتی رہی تھیں کیا تمہیں یاد ہے۔ تم اپنے محبوب کے ساتھ مل کر ان کی عزت کا جنازہ تیار کر رہی تھیں۔ کہاں تمہیں معلوم کہاں ہیں۔"

"میں نے اس سے معافی مانگی بھی نہیں تھی۔" وہ اتنے آرام سے بولی جیسے اطلاع دے رہی ہو۔ "مجھے نہ اس کی ذات سے دلچسپی تھی نہ اس کے پیار و محبت سے۔ مجھے چاہنے والے بہت تھے۔"

"ان سے نہ سہی ان کے بچوں سے تو تھی۔" سہ پارہ تڑپ کر بولی۔ وہ ہنس پڑی۔

"ان کے پاس تھا ہی کیا۔ ایک محبت، کسی کام کی نہ تھی۔"

"حالانکہ تم نے اسے اپنانے کی پوری پوری کوشش کی تھی۔"

"بس بہت ہو گیا۔" وہ بھڑک اٹھی۔ "کیوں آئے ہو تم لوگ یہاں؟ اگر میرا ماضی مجھے یاد دلانے آئی ہو تو اس کی ضرورت نہیں۔ وہ مجھے پوری جزئیات کے ساتھ یاد ہے۔"

"نہیں۔ مجھے کچھ یاد دلانے کی قطعی ضرورت نہیں، میں آج صرف تمہاری مکروہ صورت تمہیں حقیقت کے آئینے میں دکھانے آئی ہوں۔ تمہیں تمہارے بھیانک کرتوت دکھانے آئی ہوں۔ خوب غور سے دیکھو کہ تم کتنی دوہری ہو۔ تمہارے شر سے تمہاری اولاد تک محفوظ نہیں رہ سکی۔ تم ایک بے ثمر بے سایہ بے مصرف شجر ہو۔ ایسی بنجر زمین جس پر کسی کی محبت